ان اللہ لطیف خبیر

علمی، دینی، اصلاحی اور معلوماتی

ماہنامہ

اللطیف

ویلور

۷۸۶

ان اللہ لطیف خبیر

اللطیف

زیر ظل حمایت و سرپرستی

تقدس مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری مد ظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور

مدیر اعلیٰ

فضیلت مآب حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری B.A دامت برکاتہم العالیہ

ناظم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

مجلس ادارت مدیران مسئول :-

جناب مولانا مولوی محمد حسین صاحب ایم اے استاذ دار العلوم لطیفیہ

مولوی حافظ ابو النعمان بشیر الحق قریشی ادھونی استاذ دار العلوم لطیفیہ

نمائندگان طلباء :-

شیخ رفیع احمد شوالی — متعلم مولوی فاضل (سال دوم)

وی حیدر ولی بنگنور — متعلم مولوی فاضل (سال اول)

پی ایس نور محمد نگری — متعلم زمرۂ مولوی عالم

۱۱ ر ماہ شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۵ رمئی ۱۹۸۳ء روز چہارشنبہ بر موقع سالانہ جلسۂ دستار بندی

مطبوعۂ عارف آرٹ ۹۵- ارنا چلم روڈ بنگلور

فہرست مضامین سالنامۂ اللطیف ۱۴۰۳ھ

بصائر البصیرۃ
لہریں کیا گن رہے ہو، دریا دیکھو
آئینۂ دل میں روئے مولا دیکھو
اللہ اللہ کرتے ہو کیا دن رات
آنکھیں ہو تو اسم میں مسمّٰی دیکھو
روضۃ النبیؐ
ہیں خاتمِ عشق کا نگینہ آنکھیں
ہیں بحرِ محبّت کا سفینہ آنکھیں
ہیں گنبدِ پُر نور کی صورت بالکل
کعبہ ہے اگر دل تو مدینہ آنکھیں
حضرت امجد حیدرآبادی
ادارہ

اللطیف ۱۴۰۳ھ

مُناجات قربیؔ علیہ الرحمہ

از قدوۃ السالکین عمدۃ الکاملین
شیخ المشائخ حضرت رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربی قادری رحمۃ اللہ علیہ

عطیہ از: حضرت مولانا الحاج ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قادری
المعروف بہ حضرت میراں پاشاہ صاحب

مُناجات حضرت قربیؒ

شہ دوسرا میں تمہارا چہ ہوں
بھلا ہور بُرا میں تمہارا چہ ہوں

کرم تم کریں نا تو کاں جاؤں میں
بجز در تمارے کدر دھاؤں میں

بھکاری ہوں میں حق کے درگاہ کا
وسیلہ مجھے تم سے ہے شاہ کا

تمارے شہ شہ خدا واسطے
خدا سوں کہو اس گدا واسطے

کرم کی نظر اس بھکاری پو کر
دلا بھیک اسکی بہوت جلد تر

بو میں بھیک لے شاکراں میں اچھوں
تمن دین کے ناصراں میں اچھوں

کیا میں تمام آپنا مُدّعا
مرے حق میں بھی ایک کرنا دُعا

کہ یارب تو قربیؔ پو کر یک نظر
دے بھیک اس کے ہور خاتمہ خیر کر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارہ

آسمانی ہدایات اور ربّانی ارشادات کا سلسلہ اسی وقت شروع ہوا جبکہ نوعِ انسانی کے اولین افراد حضرات آدمؑ و حواؑ نے زمین میں بود و باش اختیار کر لی اور جب ان مقدس و برگزیدہ بندوں سے نسلِ انسانی کا لامتناہی سلسلہ چل پڑا تو اولادِ آدم کی ہدایت و رہبری کے لئے مختلف زمانوں میں صحیفوں اور کتابوں کا نزول ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ وحیِ محمدیؐ اس سلسلہ کی آخری و اختتامی کڑی تھی۔

اس حقیقت کا انکشاف ایک مشکل ترین مسئلہ ہے کہ کل کتنی آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے۔ البتہ اس موضوع پر آخری صحیفۂ سماوی کے ذریعہ تھوڑی بہت روشنی مل سکتی ہے کیونکہ یہی وہ ایک مستند، معتبر اور عدیم المثال صحیفہ ہے، جس نے بعض آسمانی کتابوں اور ان کی برحق تعلیمات کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں بعض انبیاء اور ان کی کتابوں اور ان کی برحق تعلیمات کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں بعض انبیاء اور ان کی کتابوں کا ذکر ان لفظوں میں موجود ہے۔

قولوا اٰمنّا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم۔

اے پیروانِ دعوتِ قرآنی، تم کہو، ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ قرآن پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل ہوا ہے۔ اُن تمام کتابوں پر ایمان لائے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسماعیلؑ کو، حضرت اسحٰقؑ کو، حضرت یعقوبؑ کو اور اولادِ یعقوبؑ کو دی گئیں۔ نیز ان کتابوں پر، جو حضرت موسیٰؑ کو اور حضرت عیسیٰؑ کو دی گئی تھیں اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان تمام تعلیموں پر بھی ایمان رکھتے ہیں، جو دنیا کے تمام نبیوں کو ان کے پروردگار سے ملی ہیں۔

اب سورہ طٰہٰ اور سورۃ الشعراء میں آسمانی کتابوں کا مطلق تذکرہ ان کے مامین کے اسماء کی وضاحت کے بغیر یوں وارد ہے:-

اولم تاتھم بینۃ فی ما الصحف الاولیٰ

کیا ان تک وہ روشن دلیلیں نہیں پہنچ چکیں، جو اگلی

کتابوں میں موجود ہیں۔

وانہ لفی زبرالاولین اور اس کا ذکر (قرآن) پہلی امتوں کی کتابوں میں ہے۔

اور متعدد مقامات پر حضرت موسیٰ کی توراۃ اور حضرت عیسیٰ کی انجیل اور بعض جگہوں میں حضرت داؤدؑ کی زبور اور ایک مقام پر حضرت ابراہیم کے صحیفوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

صحیفۂ محمدیؐ کے نزول سے قبل جتنی بھی کتابیں نازل ہوئیں وہ سب کی سب وقتی اور عارضی تھیں کیونکہ ان کے حاملین کی نبوت و رسالتؑ کا دائرہ ایک ایک قوم و خاندان اور قبیلہ تک ہی محدود رہا۔ یہی سبب ہے کہ کسی صحیفہ اور کتاب نے اپنی کاملیت ہمہ گیریت اور ابدیت کا اعلان نہیں کیا۔ اور تورات و انجیل نے تو صراحت کے ساتھ ایک نبی کو یا دوسرے لفظوں میں ایک صحیفہ کی آمد کی اطلاع دی۔ چنانچہ توراۃ میں اللہ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا:۔

"میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے
تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام
اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے
فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہے گا۔"

اور حضرت مسیح ابن مریم نے بھی کہا:۔

"لیکن وہ فارقلیط یعنی احمدؐ پاکیزگی
کی روح ہے جسے خدا میرے نام سے
بھیجے گا۔ وہ تمہیں سب چیزیں سکھائیگا۔
اور وہ سب باتیں جو میں نے تم سے کہی ہے
تمہیں یاد دلائے گا۔"

ان آسمانی بشارتوں کے تحت ۷ ار اگست سنہ ۶۱۰ء مطابق ۱۸ رمضان المبارک سنہ نبوت جمعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات و جامع کمالات پر اپنی کتاب قرآن کریم کی پہلی قسط نازل فرمائی جو ان پانچ آیات پر مشتمل رہی۔

اقرأ باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم۔

اے نبی کریمؐ! پڑھئے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ خون بستہ کے ایک لوتھڑے سے انسان کو پیدا کیا۔ پڑھئے آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم عطا کیا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

اور یہ کتاب مقدس اس عظمت و شان کے ساتھ اُتاری گئی کہ وہ تمام آسمانی و الہامی کتابوں کا اختتام اور تتمہ اور سابقہ وحیوں کی شاہد اور امین قرار پائی وانزلنا الیك الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه من الکتاب ومهیمنا علیه۔

اور اسے یہ اعزاز و اکرام بخشا گیا کہ وہ کسی خاص زمان اور کسی خاص مکان کی قید سے منزہ قرار پائی اور اس کی تعلیمات و ہدایات میں ہمہ گیریت اور آفاقیت و عالمیت

کا ونگ بھر دیا گیا اور یہی سبب رہا کہ تمام آسمانی صحیفوں میں صرف اسی کتاب نے اپنے مکمل ترین ہونے کا اعلان کیا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ـــــ اور اس کے نزول کے ساتھ ہی بعثت انبیاء و ارسال کتب کے مشن کی تکمیل کی گئی ما کان محمد اباء احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔

اور اس نبی آخر الرسل کی نبوت کو آفاقی و عالمی قرار دیتے ہوئے ساری دنیا کی قوموں، ملتوں، قبیلوں اور ملکوں کے افراد کو پیغام حق سنا دیا وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا۔

اور رہتی دنیا تک صحیفۂ محمدیؐ کے چشمۂ فیضان کو جاری رکھنے کے لئے خود خالق کائنات نے اس کے تحفظ اور بقا کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی انا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحفظون۔

اور اس کے الفاظ و حروف اور معانی و حقائق کی حفاظت کا ایسا محیر العقول قدرتی انتظام کیا گیا کہ اس کے اندر باطل کی آمیزش کسی جہت اور کسی پہلو سے ممکن نہیں۔ وانہ لکتب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔

بعثت محمدیؐ کے بعد کل تیئیس سال تک وقفہ وقفہ سے قرآن کا نزول ہوتا رہا۔ اس قسط وار نزول کا سبب ایک طرف مکی و مدنی زندگی کے حالات و ضروریات اور مسائل کا اقتضاء رہا تو دوسری طرف یہ منشاء اور مقصد بھی تھا کہ حامل وحی کے قلب اطہر میں قرآن جمع اور محفوظ کر دیا جائے اور نبی کریم کے ذریعہ دوسرے لوگوں کو بھی قرآن زبانی حفظ کرا دیا جائے وقرانا فرقناہ لتقراہ علی الناس علی مکث ونزلناہ تنزیلا۔

اس تدبیر و حکمت کا یہ فائدہ ہوا کہ ہزارہا صحابۂ کرام کے سینوں میں قرآن محفوظ ہوتا چلا گیا بل ھو ایات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم

اور زبانی حفظ کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سرپرستی قرآن کی کتابت بھی ہونے لگی اور اس عظیم کام کے لئے چالیس کاتبوں کی خدمات حاصل کر لی گئیں۔

چنانچہ جب بھی وحی کا نزول ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوراً کسی کاتب کو طلب فرماتے اور ھدایت دیتے کہ اس آیت کو فلاں آیت کے ساتھ اور یہ سورۃ فلاں سورۃ کے بعد شامل کر دو۔ فکان اذا نزل علیہ الشئ دعا بعض من کان یکتب فیقول ضعوا ھذا فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا وکذا۔

اور اگر کوئی حرف وغیرہ کتابت میں چھوٹ جاتا تو رسول کریمؐ درست فرماتے تھے جیسا کہ زید بن ثابت نے کہا فان کان فیہ سقط اقامہ۔

دربارِ رسالت ﷺ میں جیسے جیسے قرآن کی کتابت اور تدوین ہوتی بعض صحابہ بھی اپنے اپنے نزدیک قرآن کا نسخہ محفوظ رکھنے کے لئے اس کی نقلیں اتار لیا کرتے تھے کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم نولف القرآن فی الرقاع اس طرح اجزائے قرآن مختلف گھروں میں پھیلتے چلے گئے اور حضور اکرم نے جب دنیا سے پردہ فرمایا تو تمام آیاتِ قرآنی اور سورتوں کی ترتیب و تدوین اور جمع کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ لیکن یہ تمام اجزائے قرآن ایک مصحف کی شکل میں مدون نہ تھے قد کان القرآن کلہ مکتوبا فی عہدہ ولکن غیر مجموع فی موضع واحد۔

عہدِ صدیقی میں ارتداد کا سیلاب اُمنڈ آیا تو اس کو فرو کرنے کے لئے صحابہ کرام کو خوں ریز معرکہ آرائیوں سے دوچار ہونا پڑا جس کے نتیجہ میں حفاظ کرام کی ایک کثیر تعداد شہید ہو گئی۔ اور صاحبانِ امر کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ صحابۂ کرام کے فوت ہو جانے سے ان کے پاس قرآن کا جو حصہ موجود ہے کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے خلیفۂ رسول اللہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو رائے دی کہ جو کچھ قرآن کی تدوین حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں آپ ﷺ کی ہدایت و نگرانی میں ہوئی تھی ان سب کو باہم ملا کر ایک ہی مجموعہ تیار کر لیا جائے۔

اس پر حضرت ابو بکرؓ نے تدوینِ قرآن کا کام شروع کیا اور یہ ذمہ داری حضرت زید بن ثابت کو سونپ دی۔ کیونکہ یہ کاتبانِ وحی میں سب سے زیادہ مشہور و معروف تھے۔

حضرت زیدؓ نے تمام کاتبانِ وحی کے سارے مجموعوں کو حاصل کر لیا اور متفرق صحابہ کے مجموعوں سے ان کا باہم مقابلہ کیا اور مختلف حفاظ کے حفظ سے بھی ان مجموعوں کا مقابلہ کیا۔ اور تدوینِ قرآن کا یہ نہایت اہم و نازک کام تمام مہاجرین و انصار، اور سارے مسلمانوں کے علم اور ان کی حاضری میں کیا گیا۔ اور اس تدوین کا دائمی اثر یہ ہوا کہ قرآن کتابت اور حفظ کے لحاظ سے متواتر نقل ہونے لگا اور تمام آیات متواتر ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہو گئیں۔

دورِ عثمانی میں قرآن کی تلاوت کے لب و لہجہ اور قرأت میں الفاظ و حروف کی صحیح ادائیگی اور تلفظ میں فرق کا ظہور ہوا کیونکہ مختلف ممالک اور قبائل کے افراد دین میں داخل ہونے لگے جن کی مادری زبان عربی نہ تھی۔ علاوہ اس کے خود اہلِ عرب میں بھی لب و لہجہ کا اختلاف کثرت سے پایا جاتا تھا اور ایسی فضا پیدا ہونے لگی کہ ہر ایک اپنے تلفظ کو صحیح اور دوسرے کے طریقۂ ادا کو خطا خیال کرنے لگا، جس کی وجہ سے یہ خدشہ محسوس کیا گیا کہ کہیں رفتہ رفتہ یہ چیز کوئی بھیانک فتنہ کی شکل نہ اختیار کرے چنانچہ حذیفہ بن الیمان کی تحریک پر حضرت عثمانؓ نے تمام مسلمانوں کو ان معروف اور ثابت قرأتوں پر جمع کرنے کے لئے جو نبی کریم ﷺ سے منقول چلی آ رہی تھیں اور ان کے سوا جس قدر قرأتیں پیدا ہو گئی تھیں ان کو مٹانے کے لئے جمع قرآن کا کام حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص، اور

عبدالرحمٰن کے ذمہ سونپ دیا۔

اور اس مدون قرآن کی متعدد نقلیں اتارنے کے بعد مختلف شہروں اور بستیوں میں روانہ کیا اور ان کے ساتھ حفاظ اور قراء کو بھی بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو اسی مصحف کے مطابق تعلیم دیں۔ اور اس وسیع انتظام کے ساتھ ساتھ خلیفۂ سوم نے دیگر تمام لہجوں اور محاوروں پہ لکھے ہوئے مصاحف کی اشاعت ممنوع قرار دے دی تاکہ قرآن کی کتابت و نوشت اور طباعت میں وحدت کا رنگ قائم ہو سکے اور لفظ و قرأت کے اختلاف سے تحریفات کی جو راہ کھل سکتی تھی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے۔

آج ملت اسلامی کے پاس جو قرآن موجود اور محفوظ ہے وہ من وعن اسی مصحفِ صدیقی کی نقل ہے جس کو خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری خطبۂ حجۃ الوداع میں اپنی امت کو اس تاکید و ھدایت اور وصیت کے ساتھ سپرد فرمایا کہ میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑ چلا ہوں جس کو تم مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب قرآن۔

وقد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعدہ ان اعتصم بہ کتاب اللہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تہدید آمیز پیام کا یہ اثر ہوا کہ قرآن کریم تاریخ اسلام کے ہر دور میں تواتر اور توارث کے ساتھ الواح قلوب پہ منتقل ہوتا رہا اور آج بھی سینکڑوں کی تعداد میں اس کے حفاظ پھیلے ہوئے ہیں، اور اسلامی تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں گذرا جس میں اس کے نسخوں اور نقلوں کی یافت میں تلاش و تتبع کی نوبت آئی ہو۔ اور آج بھی کروڑوں کی تعداد میں اس کے نسخے دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل چکے ہیں، اور قرآن کے کثیر التعداد وجوہ اعجاز میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عہد عثمانی سے لے کر عہد حاضر تک مختلف ادوار میں لکھے گئے مصاحف کے اندر ایک لفظ اور حرف کا فرق موجود نہیں ہے۔

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔

سالنامۂ اللطیف کے چوبیسویں اداریے میں ہم نے بلند ذوق علم دوست قارئین کرام کی خدمت میں یہ فکر انگیز پیغام پیش کرنے کی خوشی حاصل کر رہے ہیں، کہ امتِ مسلمہ آخر الامم اور آخر الکتب کی حامل ہونے کی حیثیت سے اس کا فریضہ ہے کہ قرآن کی دعوت ساری دنیا کے انسانوں تک پہنچائیں۔ لہٰذا قوم مسلم کو چاہیئے کہ اپنے عالمگیر داعیانہ و مبلغانہ کردار سے خیر امت ہونے کا اعزاز برقرار رکھیں۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتومنون باللہ

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی تم تمام امتوں میں بہتر امت ہو جو لوگوں کی اصلاح و ارشاد کے لئے ظہور میں آئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دینے والے برائی سے روکنے والے اور اللہ پہ سچا ایمان رکھنے والے ہو۔

واٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ملت اسلامی کا مستقبل اسی وقت روشن اور تابناک رہ سکتا ہے جبکہ اسکی نئی نسل کو دینی تعلیم و تربیت اور اخلاقِ حسنہ سے آراستہ اور مزین کیا جائے، کیونکہ یہی وہ نئی پود ہے جو آگے چل کر دنیا میں اسلام کی قیادت سنبھالنے والی ہے۔ الحمدللہ دار العلوم لطیفیہ تین سو سال سے افراد سازی کی عظیم الشان خدمت انجام دیتے آرہا ہے۔ اور موجودہ دور میں بھی اس کے سرپرست و نگران حضرات کرام مسلمان نونہالوں کی تعلیم و تربیت، اور سیرت و کردار کی تعمیر و تشکیل میں مصروفِ عمل ہیں۔

تعلیمی سال نو کا آغاز

دار العلوم لطیفیہ کا تعلیمی سال ۱۱ رشوال المکرم سے شروع ہوتا ہے اور ۱۰ رشعبان المعظم پر ختم ہوتا ہے۔ امسال طلبۃ العلوم کے داخلہ کا سلسلہ ذوالقعدہ کے پہلے ہفتہ تک جاری رہا۔ الحمدللہ دار العلوم لطیفیہ نے خوشگوار طریقہ پر اپنا تعلیمی سال مکمل کر لیا۔

دورۂ حدیث

دار العلوم لطیفیہ میں بخاری شریف اور مسلم شریف مکمل طور پر درس میں پڑھائی جاتی ہے۔ چنانچہ دورۂ حدیث کی ابتدا ۲۸ رشوال المکرم ۱۴۰۲ھ کو خانقاہ میں تقدس مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری مدظلہ العالی کی دعاؤں سے ہوئی۔ اور ۲۲ر رجب المرجب ۱۴۰۳ھ کو اعلیحضرت مدظلہ کی دعاؤں سے ختم بخاری کی مبارک و مسعود مجلس ختم ہوئی۔

تعلیم تصوف و سلوک

دار العلوم لطیفیہ میں علوم ظاہری کی تدریس کے ساتھ ساتھ تصوف کی تعلیم کا اہتمام بھی موجود ہے، چنانچہ حسبِ عادت امسال بھی مولوی فاضل کے طلباء تصوف کی کتب متداولہ ۔ فصوص الحکم، جواہر الحقائق، جواہر السلوک اور تحفۂ مرسلہ کی تدریس سے بہرہ ور ہوئے۔

امتحانات دار العلوم و مدراس یونیورسٹی دار العلوم لطیفیہ میں ہر تین ماہ کے وقفے سے امتحانات منعقد کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس سال بھی سہ ماہی ۱۳ر محرم الحرام ۱۴۰۳ھ، ششماہی ۲۵ر ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ اور سالانہ امتحانات ۳۰ر رجب المرجب ۱۴۰۳ھ سے شروع ہوئے اور تینوں امتحانات ایک ایک ہفتہ جاری رہے۔ سہ ماہی

دارُ العُلومِ لطیفیہ کا اندرونی دیدہ زیب منظر

پیشکش سید مرتضیٰ حسین جہانگیر لطیفی ویلور

وسشماہی امتحانات اساتذۂ کرام کی نگرانی میں اور سالانہ امتحانات بیرونی حضرات کی نگرانی میں منعقد کئے گئے۔ اور سالانہ امتحانات کے سوالات کے اکثر پرچے بیرونی حضرات نے تیار فرمایا۔ اور جوابی کا پیوں کی تصیحح بھی انہیں سے عمل میں آئی۔

ہر سال کی طرح امسال بھی بعض طلباء نے اپنی درسی و نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ مدراس یونیورسٹی کے اورینٹل امتحانات میں شرکت کی اور الحمد للہ انہیں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔

انجمن دائرۃ المعارف

امسال بھی پورے اہتمام کے ساتھ اساتذۂ کرام کی صدارت میں اونچی جماعت کے طلباء کے لئے شب جمعہ مشقی جلسے منعقد کئے گئے اور ابتدائی ومتوسط جماعت کے طلباء کے لئے صبح جمعہ منتہی جماعت کے طلباء کی نگرانی میں مشقی اجلاس ہوتے رہے۔ الحمد للہ یہ انجمن طلباء کی تقریری صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے میں مؤثر کردار ادا کر رہی ہے۔

دار التصنیف و الاشاعت

تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر و انشاء کی مشق اور تصنیف و تالیف کا ذوق پیدا کرنے کے لئے دار التصنیف نامی علمی تنظیم سرگرم عمل ہے۔ چنانچہ چوبیس سال سے پوری پابندی واہتمام کے ساتھ اللطیف شائع ہو رہا ہے۔ امسال بھی حسب روایت موجودہ شمارہ علمی وتحقیقی مضامین ومقالات اور اکابر دار العلوم لطیفیہ کی بلند پایہ تصانیف کے تبرکات لئے ہوئے منظر عام پر آچکا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ قارئین کرام جدید سالنامۂ اللطیف کو سابق شماروں کے رنگ و مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ پائیں گے۔

صحت ذہنی وجسمانی

طلبہ کے دماغ کی تازگی اور جسمانی ورزش کے خاطر مختلف گیمس، والی بال، بٹ منٹن، ٹنی کاٹ اور کبڈی وغیرہ کا انتظام موجود ہے۔ چنانچہ بعد نماز عصر تا مغرب کھیل کے میدان میں تمام طلباء کی حاضری لازمی قرار دے دی گئی ہے۔

سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد وعباپوشی

دار العلوم لطیفیہ کا سالانہ تعلیمی جلسہ روز چہارشنبہ ۱۱ر شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۵ رمئی ۱۹۸۳ء صبح ٹھیک دس بجے زیر صدارت تقدس مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابو المنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مقرر ہوا۔ جس میں مولوی فاضل، مولوی عالم، اور شعبۂ حفظ سے فراغت پانے والے طلباء کو اعلیحضرت قبلہ مدظلہ نے اپنے دست مبارک سے اسناد وعبا مرحمت فرمایا۔

جلسہ میں مقامی وبیرونی علماء وفضلاء، اور رؤسا وعمائدین کی خاصی تعداد شریک رہی۔ نماز ظہر سے قبل صلوٰۃ وسلام اور صدر جلسہ اعلیحضرت مدظلہ کی دعاؤں اور مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری دامت برکاتہم ناظم دار العلوم لطیفیہ کے اعلان تعطیل دوماہ پر سالانہ جلسہ

بحسن و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

جلسۂ تقسیم انعامات

سالانہ جلسہ کے روز بعد نمازِ عصر تقسیم انعامات کا جلسہ ترتیب دیا گیا جس میں درسیات، مقابلۂ تحریر، مقابلۂ تقریر اور مقابلۂ گیمس و اسپورٹس میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلباء اور دیگر عہدہ داروں کو ان کی خدمات کے صلہ میں انعامات سے نوازا گیا۔

ہدیۂ تشکر

ادارہ ان تمام اطباء و ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے اساتذہ و طلباء کا علاج و معالجہ کیا اور ان تمام حضرات کا مشکور ہے، جنہوں نے سالانہ امتحانات گیمس و اسپورٹس میں مخلصانہ خدمات دی ہے، اور ان تمام مدیران اخبار کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنہوں نے دارالعلوم لطیفیہ کی کارگذاریوں کی خبریں شائع فرمائیں اور ادارہ خصوصیت کے ساتھ جناب مولوی عبدالمتین صاحب مالک قومی پریس بنگلور کا مشکور ہے جنہوں نے اپنی کثیر مصروفیات کے باوجود سالنامۂ اللطیف کی کتابت و طباعت نہایت اخلاص و سلیقہ کے ساتھ فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ان تمام مخلصین و محبین کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے دارالعلوم لطیفیہ کی کارگذاریوں میں خلوص و محبت کا مظاہرہ کیا۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس سورہ کا نام المزمّل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے ننانوے اسمائے شریف میں سے ایک ہے۔ مزمّل اسے کہتے
ہیں جو چادر میں لپٹا ہوا ہو۔ المزمل المتلفف فی الثوب۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مزمّل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ
کے نزول کے وقت آپ لحاف اوڑھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو
یہ مخصوص حالت پسند آئی تو اپنے محبوب کے ساتھ غایت درجہ کی
الفت ومحبت اور تلطف کے اظہار کے لئے آپ کی اسی وقتی حالت
کے ساتھ خطاب فرمایا یٰایھا المزمّل اے چادر اوڑھنے والے
لفظ مزمل سے متعلق حضرت عکرمہؓ کی تحقیق ہے کہ وہ زمّل سے
ہے جس کے معنی اٹھانے کے ہیں زمل ھذا الامر ای حملہ
اس لحاظ سے یہ مفہوم مستفاد ہوتا ہے کہ اے نبوت ورسالت
کے ذمہ دار اور کمالاتِ ملکوتی کے حامل۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک چودہ ہاتھ لمبی چادر تھی جس کو
آپ نماز تہجد اور تلاوت کے لئے جب اٹھتے تو اسی کو اوڑھ
لیتے تھے تاکہ وضو میں اور رکوع اور سجدہ میں آسانی رہے۔
اور سردی سے حفاظت ہو جائے، نیز اس قسم کی چادر اوڑھ
لینے سے کفن کی جانب اشارہ ہے تاکہ نفس ہر وقت موت کو یاد
کر سکے۔ اسی لئے حضرات انبیائے کرام اس قسم کا کپڑا اوڑھ لیتے
تھے خصوصاً حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام
اور ہمیشہ سے اولیاء وصلحاء کا یہ لباس رہا ہے۔ اور اسی لئے
صوفیاء کے ہاں خرقہ پوشی ایک سنت چلی آرہی ہے۔

اس خرقہ کے استعمال کے لئے چند شرطیں ہیں:-
شب بیداری۔ نماز تہجد۔ تلاوتِ قرآن۔ دن کے اوقات
میں قلب کا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا۔ ہمیشہ ذاکر رہنا۔ اللہ تعالیٰ
پر مکمل اعتماد اور اسی پر ہر حال میں توکل کرنا۔ مخلوق کے ظلم وستم
پر صبر کرنا، اہل دنیا کی صحبت سے احتراز کرنا اور ان کی خیر خواہی
سے غافل نہ رہنا وغیرہ اور یہ خرقہ اسی شخص کے لئے زیب دیتا
ہے جس کے اندر مذکور الصدر صفات موجود ہوں۔ اور یہ تمام
صفات ذات نبوی میں بدرجۂ اتم اور اکمل موجود تھیں۔ جس کی
وجہ سے آپ کو مزمّل کا خطاب ملا۔

زمانۂ نزول سورۂ المزمل دو رکوع اور بیس آیات

کریمہ پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں رکوع الگ الگ زمانوں میں نازل ہوئے ہیں۔ پہلے رکوع کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا ہے۔ اور وہ فترۃ الوحی (وحی بند رہنے کا زمانہ) کے بعد ہی قریبی زمانہ میں نازل ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ راتوں کو اٹھ کر عبادت اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہیں کیونکہ عنقریب آپ کی جانب بھاری کلام نازل کیا جائے گا۔ لہٰذا نبوت کے فرائض کی انجام دہی کے لئے پوری طرح مستعد ہو جائیے۔

دوسرا رکوع مدینۂ منورہ میں نازل ہوا ہے جس کے مدنی ہونے کی شہادت کے لئے یہی امور کافی ہیں کہ اس میں قتال فی سبیل اللہ اور فرضیت زکوٰۃ کا حکم وارد ہے اور یہ دونوں باتیں مدنی دور سے وابستہ ہیں اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ دوسرا رکوع بھی مکہ مکرمہ میں قیام اللیل کی فرضیت کے ایک سال بعد نازل ہوا۔

سببِ نزول

سورۃ المزمل کے سبب نزول سے متعلق ابو نعیم کی روایت ہے کہ اہل قریش دار الندوہ میں جمع ہو کر اس بات پر مباحثہ کرنے لگے کہ متفقہ طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی ایسا نام تجویز کیا جائے جس کے ذریعہ لوگوں کو روکا جا سکے تاکہ آپ کی دعوت کی آواز صدا بصحرا ثابت ہو۔ چنانچہ کسی نے کاہن کہا۔ کسی نے مجنون کہا اور کسی نے ساحر کہا۔ آخر کار کسی نام پر بھی اتفاق نہ ہو سکا اور قریش کی یہ مجلس ختم ہوئی۔ اور جب آپ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو نہایت غمگین اور شکستہ دل ہوئے اور ایک لحاف اوڑھ کر لیٹ گئے تھے۔

کہ حضرت جبرئیل سورۃ المزمل لئے ہوئے حاضر ہوئے جس میں آپ کو ان لوگوں کی بے ہودگیوں اور سوقیانہ حرکتوں کی جانب توجہ نہ دینے کی ہدایت دی گئی اور صبر جمیل اختیار کرنے اور انہیں عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینے کی تلقین کی گئی اور بتلایا گیا کہ منکرین نبوت و رسالت کے لئے دردناک قسم کے عذاب دئے جائیں گے۔ آپ رب المشرق والمغرب کی جانب متوجہ رہئے اور اسی کو اپنا وکیل اور کارساز بنائیے اور راتوں میں عبادت کیجئے اور خوب ٹھہر ٹھہر کر قرآن کی تلاوت کیجئے۔

ترجمہ و تلخیص

اے چادر اوڑھنے والے! شب کو نماز میں کھڑے رہئے نصف شب یا اس کچھ کم کر لیجئے یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا لیجئے اور قرآن کریم خوب صاف صاف ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے، ہم آپ پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔ بے شک رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لئے مفید اور مؤثر ہے اور بات خوب سیدھی نکلتی ہے۔ بے شک آپ کو دن کے اوقات میں بڑی مصروفیات رہتی ہیں۔ اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے اور سب سے قطع تعلق کر کے اسی کے ہو رہئے۔ وہ مشرق اور مغرب کا پروردگار ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ اور معبود نہیں۔ لہٰذا اسی کو اپنا کارساز اور وکیل بنائیے۔ اور یہ کفار جو باتیں بنا رہے ہیں ان پر صبر کیجئے اور انہیں بطریق احسن

چھوڑ دیجئے۔ اور ان خوشحال مکذبین و منکرین کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیجئے اور انہیں ذرا مہلت دیجئے۔ بے شک ہمارے پاس ان کے لئے بھاری بیڑیاں ہیں اور دہکتی ہوئی آگ اور حلق میں پھنس جانے والا کھانا اور الم انگیز عذاب موجود ہے۔ اور یہ سزا اس روز ہوگی جس روز زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے اور پہاڑ گویا ریت کے انبار ہیں جو بکھرے جا رہے ہیں۔ بے شک ہم نے تم لوگوں کے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر شاہد اور گواہ ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی جانب ایک رسول بھیجا تھا۔ فرعون نے اس رسول کا حکم نہ مانا' تو ہم نے اسے اپنی مضبوط اور سخت گرفت میں لے لیا۔ اگر تم رسالتِ محمدی کے تسلیم کرنے سے انکار کرو تو اس دن کی ہلاکت اور مصیبت سے کیسے بچ جاؤ گے جس کی ہولناکی بچوں کو بوڑھا کر دے گی اور اس کی شدت و سختی سے آسمان پھٹ جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ضرور ہو کر رہے گا۔ بے شک یہ ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف راہ لے۔ اے نبی کریمؐ۔ بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے بعض رفقاء و اصحاب کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی نصف شب اور کبھی آدھی رات عبادت یعنی نماز میں کھڑے رہتے ہیں اور اللہ ہی رات اور دن کا پورا اندازہ کر سکتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تم رات کے وقت کا ٹھیک شمار نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اس نے تمہارے حال پر مہربانی فرمائی کہ اب قرآن میں سے تم جتنا آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔ اسے معلوم ہے کہ تم میں سے بعض آدمی مریض ہونگے اور بعض فضل الٰہی (رزق) کی تلاش میں سفر کریں گے، اور کچھ لوگ راہ خدا میں جہاد کریں گے۔ لہٰذا جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو۔ نماز قائم رکھو۔ زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہو۔ اور جو کچھ نیک عمل تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اُسے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں بڑا پاؤ گے' اور اللہ سے مغفرت اور بخشش طلب کرتے رہو' بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

سورۃ المزمل میں درج ذیل موضوعات اور مضامین وارد ہیں۔ قیام اللیل یعنی تہجد۔ ترتیل قرآن۔ قول ثقیل یعنی وحی، صبر اور اعراض عن المشرکین۔ ذکر اللہ، اور عبادت۔ توکل علی اللہ۔ عقوبت و سزا اور روزِ قیامت قرآن کی تلاوت۔ قتال فی سبیل اللہ۔ انفاق فی سبیل اللہ فضل الٰہی یعنی رزق کی تلاش، اقامتِ صلوٰۃ۔ ادائے زکوٰۃ۔ اللہ کو قرضِ حسنہ۔ طلب استغفار۔

قیام اللیل یعنی تہجد

قم اللیل الا قلیلا نصفه او انقص منه قلیلا او زد علیه و رتل القرآن ترتیلا۔

ان آیاتِ کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ نصف شب یا اس سے کچھ یا اس سے کچھ زیادہ نماز میں کھڑے رہیں۔ ابتدائے اسلام میں جبکہ ابھی پنج وقتہ نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم

اور صحابۂ کرام پر نہ صرف نماز تہجد فرض تھی بلکہ شب کا چوتھائی حصہ نماز میں مشغول رہنا بھی فرض تھا۔ اس حکم کی تعمیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام شب کا اکثر حصہ نماز میں گذار دیتے تھے اور مقدار وقت ضبط نہ کر سکنے کی بنا پر ساری رات عبادت میں بسر کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کے پیروں میں ورم ہونے لگا تو اللہ نے اس طویل قیام کی فرضیت منسوخ فرما دی۔ چنانچہ سورہ المزمل کے دوسرے رکوع میں قیام اللیل کی تنسیخ کا حکم اور اس کے وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت عائشہ رض کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے شروع میں قیام اللیل کو فرض کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ایک سال تک قیام کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاؤں سوج گئے تو فاقرءوا ما تیسر من القرآن کے جملہ سے تخفیف کی گئی اور یہ حکم فرض نہ رہا۔

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ مکی دور میں قیام اللیل کی فرضیت باقی تھی۔ البتہ مقدار میں تخفیف اور کمی کی گئی۔ مدینۂ منورہ پہنچنے کے بعد تہجد منسوخ ہو گئی۔

سعید بن جبیر رض فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ دس سال تک نماز تہجد ادا کرتے رہے۔ اس کے بعد سورۃ کا آخری حصہ نازل ہوا۔ ان ربك یعلم الخ....

حضرت ابن عباس رض کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج کی نعمتِ عظمیٰ حاصل ہوئی اور اس میں پنج وقتہ نمازیں فرض قرار پائیں تو نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ساری زندگی نماز تہجد پر مداومت فرمائی اور اسی طرح اکثر و بیشتر صحابۂ کرام بھی پابندی کے ساتھ نماز تہجد ادا فرماتے تھے۔

نماز تہجد کے باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ نماز عشا پڑھ کر سو جاتے اور آدھی رات کو بیدار ہو کر تہجد ادا فرماتے تھے اور یہی طرز عمل صحابۂ کرام کا تھا۔ اور ہمیشہ سے اولیاء اور صلحاء کا یہ معمول رہا ہے کہ اس نماز کو سو کر اٹھنے کے بعد نصف شب یا آخر شب میں ادا کرتے ہیں کیونکہ اس وقت ذہن میں سکون اور قلب میں طمانیت ہوتی ہے۔ اور یہ وقت نہایت مبارک و مستجاب اور برکات کا موجب ہوتا ہے، جس میں عالم غیب کے انوار کا روح پر ایک خاص انکشاف ہوتا ہے اور حظیرۃ القدس کو ارواح بنی آدم کی طرف انجذاب کامل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں اسی حقیقت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے ینزل ربنا تبارك وتعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حتیٰ یبقیٰ ثلث اللیل الآخر الخ یعنی جب تہائی شب باقی رہ جاتی ہے تو ہر رات اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی جانب نزول فرماتا ہے اور ندا دیتا ہے کہ ہے کوئی مانگنے والا اور مغفرت چاہنے والا کہ میں اسکی دعا قبول کروں۔

اہل علم و عرفان سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ اللہ کی ذات نزول و صعود یعنی اترنے اور چڑھنے سے پاک صاف اور منزہ ہے بلکہ اس سے مراد تقرب ہے جس کو صوفیاء کی

زبان میں دنو اور تدلی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ تہجد کبھی دو رکعت ادا کی ہے جس میں سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران کی تلاوت فرمائی اور کبھی آپ نے چھ رکعت نماز ادا فرمائی اور کبھی آپ دس رکعت ادا فرماتے تھے۔

زید بن خالد جہنی کی روایت سے تیرہ رکعت وتر کے ساتھ ثابت ہے جس کو مسلم نے نقل کیا ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے گیارہ رکعت ثابت ہے جس کو بخاری نے نقل کیا ہے۔ لہٰذا عدد رکعات کے باب میں مستند قول یہ ہے کہ نماز تہجد بارہ رکعات سے لے کر چھ رکعات تک ہے۔

ترتیل قرآن

ورتل القرآن ترتیلا اور خوب صاف صاف ٹھہر ٹھہر کر قرآن کی تلاوت کیجئے ۔۔۔ ترتیل کے معنی یہ ہیں کہ قرآن تیز تیز اور رواں دواں نہ پڑھیں بلکہ ایک ایک لفظ کو آہستہ آہستہ زبان سے نکالے اور اس کے تمام حروف اور کلمات کو ان کے مخارج سے ادا کریں۔

تلاوتِ قرآن میں ترتیل اور تسہیل کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ قاری اور سامع اس کے معانی و مطالب پہ غور و فکر اور تدبر کر سکیں تاکہ ذہن پوری طرح سے کلامِ الٰہی کے مدعا اور مفہوم کو سمجھ سکے اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے کہ ہر ہر کلمے کو خوب صاف اور صحیح مخرج کے ساتھ ادا کیا جائے، اور ترتیل و تسہیل کے ساتھ خوش الحانی اور تحسین صوت ہو تو سونے پہ سہاگہ ہے۔ اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا طرزِ عمل معلوم کرنے کے لئے ذیل کی حدیثیں قابل مطالعہ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کا طریقہ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ الفاظ کو کھینچ کر پڑھتے تھے۔ مثال کے طور پر انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر بتایا کہ اللہ، رحمان اور رحیم کو مد کے ساتھ پڑھتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا۔ تمہاری طرح سرسری نہ تھی۔ اگر سننے والا چاہتا کہ اس کے حروف گن لے تو شمار کر سکتا۔

حضرت حذیفۃ الیمان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رات کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑا ہو گیا تو آپ کی قرأت کا انداز یہ دیکھا کہ جہاں تسبیح کا موقعہ آیا وہاں آپ تسبیح فرماتے اور جہاں دُعا کا موقع آتا وہاں دُعا فرماتے اور جہاں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کا موقع آتا وہاں پناہ طلب فرماتے۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت کو الگ الگ پڑھتے اور ہر آیت پر ٹھہرتے جاتے تھے۔ مثلاً الحمد للہ رب العالمین پڑھ کر رک جاتے پھر الرحمٰن الرحیم پڑھتے اور اس کے بعد مالک یوم الدین کہتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک شخص پر سے ہوا جو قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے اشک بہہ رہے تھے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا۔ تم نے اللہ

تعالیٰ کا یہ حکم ورتل القرآن ترتیلا سنتا ہے پس ترتیل یہی ہے جو یہ شخص کر رہا ہے۔

عبداللہ بن معقل فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے روز حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سورۃ الفتح کی تلاوت ترجیع کے ساتھ فرمائی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ کی خوش الحانی کے متعلق فرمایا' اس شخص کو آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار عطا کیا گیا ہے ـــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کی تلاوت اللہ ایسا نہیں سنتا جیسا کہ اس نبی کی تلاوت کو سنتا ہے۔ جو خوش الحانی کے ساتھ جہرا تلاوت کرے۔

قرآن کریم کی تلاوت باوضو رو بقبلہ بیٹھ کر اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم یا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم سے شروع کی جائے اور قلب و ذہن کو تمام افکار و خیالات سے پاک وصاف رکھیں اور پورے کمال ادب و احترام اور غایت درجہ خشوع و خضوع کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت ذہن میں مستحضر رہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا ہے تاکہ دوران تلاوت اللہ عزوجل کی ذات و صفات کا ذکر آجائے تو اس کی عظمت وہیبت دل ودماغ پر طاری ہو' اور کہیں عذاب عتاب کی بات آجائے تو خوف الٰہی طاری ہو جائے اور کہیں ثواب وجزا کا ذکر آجائے تو دل امید سے لبریز ہو جائے۔ اور کہیں اللہ کی رحمت کا بیان ہو تو دل میں تشکر و امتنان کے جذبات پیدا ہو جائیں۔ ان کیفیات و جذبات سے سرشار ہو کر کلام الٰہی کی تلاوت کی جائے تو یقیناً روح کو سرور' قلب میں نور اور ذہن میں ایمانی تازگی و حرارت پیدا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ جو نفوس قدسیہ ان اوصاف سے متصف اور بہرہ ور رہے انہوں نے کلام الٰہی کی اقرأت و سرشاری میں ساری ساری راتیں قیام و تلاوت کی حالت میں بسر کر دیں۔ چنانچہ خود حامل قرآن ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شب نماز میں اس آیت طیبہ ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفر لھم فانك انت العزیز الحکیم (اے اللہ اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا) پر پہنچے' تو اسی کو دہراتے رہے یہاں تک کہ صبح کی روشنی ظاہر ہونے لگی ـــــ !

علمائے احناف کا مسلک ہے کہ جب قرآن کریم کی تلاوت کی جائے تو پوری توجہ کے ساتھ سننا واجب ہے۔

قول ثقیل یعنی وحی

انا سنلقی علیك قولا ثقیلا حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام اللیل اور تلاوت قرآن کا حکم دینے کی غرض اور منشاء یہ تھا کہ آپ میں وحیٔ قرآن کی گرانی اور ثقل کو برداشت کرنے کی قوت پیدا ہو جائے۔

مفسرین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے' کہ قول ثقیل سے مراد وحی ہے۔ وحی کو بھاری کلام کہنے کی

دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے نزول کا تحمل نہایت دشوار کام تھا۔ اور آپ اس کے نزول کے وقت ایک خاص وزن اور شدت محسوس فرماتے تھے۔ چنانچہ حارث بن ہشام نے آپ سے دریافت فرمایا' یا رسول اللہؐ آپ پر وحی کسطرح نازل ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کبھی مجھ پر صلصلۃ الجرس کی طرح آتی ہے' اور وحی کی یہ کیفیت مجھ پر نہایت گراں اور شاق ہے' اور جب وحی کا نزول مکمل ہو جاتا ہے تو مجھے وہ سب کچھ یاد ہو جاتا ہے جو فرشتہ نے کہا اور کبھی وحی یوں نازل ہوتی ہے کہ فرشتہ میرے سامنے ممثل ہو کر ظاہر ہوتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے' اور وہ جو کچھ کہتا ہے مجھے یاد ہو جاتا ہے'

صلصلۃ الجرس وحی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتہ کی آمد اور نزول سے اطلاع دی جاتی تھی اور اس کے بعد آپؐ تمام لوازم بشریت سے منتزع ہو جاتے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سخت سردی کے دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتے دیکھا' اُس وقت آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگتا تھا۔

حضرت عائشہؓ ہی کی روایت ہے کہ جب کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حالت میں وحی نازل ہوتی کہ آپ اونٹنی پر بیٹھے ہوتے تو اونٹنی اپنا سینہ زمین پر ٹکا دیتی تھی اور اس وقت تک حرکت ہی نہیں کر سکتی تھی جب تک کہ وحی کا نزول ختم نہیں ہوتا۔

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا زانو میرے زانو پر رکھے ہوئے بیٹھے تھے کہ اس حالت میں آپ پر وحی کا نزول ہوا تو میرے زانو پر اس وقت ایسا وزن اور بوجھ پڑا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب ٹوٹ جائے گا۔

وحیٔ قرآن کو بھاری کلام کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی عظیم ترین ذمہ داری عائد کی جا رہی تھی کہ اس نازل ہونے والے کلام کا عملی نمونہ بن کر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں کردار ادا کرنا تھا۔

اس کلام کو ثقیل و گراں کہنے کا تعلق لوگوں کی ذات ہے کیونکہ اس کے احکام و فرائض اور حدود کی پابندی ایک دشوار کام ہے سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ نے نورِ ہدایت سے مضبوط کر دیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ابن جریرؒ نے کہا کلام دو طرح سے ثقیل ہے۔ ایک یہ کہ وحیٔ قرآن ثقیل ہے اور دوسرا یہ کہ اس کے احکام پر عمل کرنے کا حکم ثقیل ہے۔

اس مقام پر یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ قرآن کے احکام پر عمل پیرائی کا ثقیل و گراں ہونا لوگوں کے ساتھ خاص ہے' ورنہ قرآن کے موافق اور مطابق عمل کرنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی جبلت ہے۔ اور آپ کا خلقِ عظیم ہی قرآن ہے جیسا کہ حضرت صدیقہؓ نے نشان دہی کی کان خلقہ القرآن۔

پچھلی شب قیام و تلاوت کا فائدہ

قیام اللیل کے حکم میں دو مصلحتیں ہیں' جو پچھلی

آیتوں میں بیان کی جارہی ہیں جن میں ایک انا سنلقی علیک قولا ثقیلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسری حکمت ان ناشئة اللیل ھی اشد وطأ و اقوم قیلا پوری امت کے لئے عام ہے۔

بے شک رات کا اٹھنا مجاہدہ و تزکیۂ نفس کے لئے اور قرأتِ قرآن اور دعا و مناجات کے لئے اور حضورِ قلب کے لئے اور زبان و دل کی موافقت و مطابقت اور ظاہر و باطن میں ہم آہنگی کے لئے ضروری ہے اور یہ وقت انوار و برکات کے لحاظ سے افضل ہے۔

اور قیام اللیل کی تیسری حکمت جو بتلائی گئی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت دونوں کو شامل ہے۔ وہ یہ کہ دن کے اوقات میں زندگی کی مصروفیات اور دیگر بہت سارے مشاغل ہوتے ہیں جن کی وجہ سے زیادہ وقت عبادت میں صرف کرنا مشکل ہوتا ہے۔ لہٰذا شب میں بقدرِ ضرورت آرام و نیند لینے کے بعد عبادت میں منہمک رہنا چاہئے کیونکہ رات کا وقت پُرسکون ہوتا ہے۔

ذکرِ الٰہی

واذکر اسم ربک وتبتل الیه تبتیلا

اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیجیے اور ماسوی اللہ جس قدر علائق اور مشاغل ہیں سب سے کٹ کر اسی کے بندہ رہو۔

ان لک فی النھار سبحا طویلا کے بعد ذکر الٰہی کا حکم دینا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عبادتِ شب ہی پر موقوف نہیں بلکہ دن میں بھی زندگی کے مشاغل میں مصروف رہتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر سے غافل نہ رہیں کیونکہ بندہ جس وقت بھی اپنے رب سے غافل ہو جاتا ہے تو انوار و برکات کا سلسلہ روح سے کمزور پڑ جاتا ہے۔ جس کے بعد قلب و روح میں اضمحلال اور پژمُردگی کی کیفیت میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ اسی لئے قرآن و حدیث میں متعدد مقامات پر یہ تصریح ملتی ہے کہ اہلِ ایمان کو ہر حال میں ذاکر رہنا چاہئے اور کسی حالت میں بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ یہی سبب ہے کہ اس عبادت کی انجام دہی کے لئے نہ زمان و مکان کی قید ہے اور نہ کسی چیز کی شرط ہے۔ یہ عبادت ہر لمحہ اور ہر آن اور ہر صورت میں ادا کی جاسکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تربیت کے فیض اور برکت سے صحابۂ کرام کی یہ حالت ہو گئی تھی، کہ دنیاوی مشاغل و مصروفیات بھی انہیں ذکرِ الٰہی اور تسبیح و تہلیل سے غافل نہیں کرتے اور ہر حالت میں کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے تھے۔ رجال لا تلھیھم تجارة ولا بیع عن ذکر اللہ ..... فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم۔

اور جب یہ کیفیت کسی بندۂ مومن کے اندر پیدا ہو جائے تو اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ تمام حالتوں میں اللہ پر توکل کرتا ہے اور اسی سے دعا و مناجات کرنا

ہے، اور فرائض و عبادات کی ادائیگی سے یک لخت غافل نہیں ہوتا۔ گناہوں اور معصیتوں کے تصور سے بھی لرزہ براندام، مصیبتوں پر صابر اور نعمتوں پہ شاکر رہتا ہے۔ گویا اس کی پوری زندگی ذکراللہ سے عبارت ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی سب سے زیادہ اجر و ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے جیساکہ معاذ ابن انس کی روایت سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کسی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ جہاد کرنے والوں میں سب سے زیادہ اجر و ثواب پانے والا، کون ہے؟ فرمایا جو ان میں اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرنے والا ہو، اسی طرح سائل نے روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج اور صدقہ ادا کرنے والوں کے بارے میں پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، جو اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرنے والا ہو۔

اور آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر مع التبتل (یعنی مخلوق سے منقطع ہوکر) کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ نبوت کا ابتدائی دور تھا جو اس وقت کی حالت سے مناسب تھا اور اس خلوت گزینی کے بعد جلوت کا زمانہ آیا۔ جس میں دعوت و تبلیغ اور ارشاد و اصلاح کی سرگرمی رہی تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی لمحہ ذکر سے خالی نہ رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حالت ذکر الٰہی سے متعلق تھی اس کو حضرت عائشہؓ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے کان یذکر اللہ علی کل حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے تھے۔ اس آیت طیبہ میں ذکراللہ کا جو حکم دیا گیا ہے، وہ شب و روز میں کسی وقت کے ساتھ مشروط نہیں ہے اور ذکر کی کوئی مخصوص شکل اور صورت متعین بھی نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر عام ہے، خواہ زبان سے ہو، خواہ دل سے ہو، خواہ جوارح سے ہو، خواہ روح سے ہو، خواہ سراً ہو یا جہراً۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں، صوفیائے کرام نے تعلیم الہامی اور اجتہاد و استنباط کے ذریعہ ذکر کے مختلف طریقے مبتدی اور منتہی کے حسب حالت و مناسب مقرر کیا ہے اور بزرگوں کا تجربہ ہے کہ ان کا اثر بہت جلد محسوس ہوتا ہے۔ صوفیا نے تبتل کے ساتھ ذکر کی صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ اہل دنیا کے ساتھ تعلقات کو کم کر دے، نہ کسی سے دوستی رہے نہ دشمنی، نہ جھگڑا، نہ مطالبہ، نہ کینہ نہ حسد اور بقدر ضرورت مال، لباس اور مکان پہ اکتفا کرے۔ اور شب کو کسی گوشہ میں سر ڈھانک کر باطہارت رو بقبلہ ہوکر بیٹھے، استغفار اور درود شریف سے ذکر شروع کرے۔ فرائض و سنن اور نوافل کے بعد ذکر قلبی ہو تو بہتر ہے۔ ان قیود و شرائط کے ساتھ ذکر پر کوئی دوام حاصل کرے تو اس پہ رموز و اسرار کا انکشاف ہو سکتا ہے۔

تبتل کے معنی انقطاع ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص و خالص کرنا ہے۔ علائق منقطع کرنے کا مفہوم ترک دنیا نہیں، جو

جو رہبانیت کا جزء ہے۔ اسلام نے اس کی مذمت میں بانگ دہل کہہ دیا لا رهبانية فی الاسلام۔ چنانچہ یہ اسلامی شعار نہیں کہ بہ نیت عبادت، حلال اشیاء سے اجتناب اور حقوق العباد کی ادائیگی سے کنارہ کشی اور زندگی کے جائز تقاضوں سے پہلو تہی کی جائے۔

توکل علی اللہ

رب المشرق والمغرب لا الٰہ الا هو فاتخذه وکیلا۔ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی الٰہ اور معبود نہیں لہٰذا آپ اسی کو اپنا کارساز اور وکیل بنائیے۔

اسلام کی دعوت و تبلیغ پر کافروں نے رکاوٹوں کا سلسلہ کھڑا کر دیا جسکی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چاروں طرف سے مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان حالات میں آپ کو ہدایت دی گئی کہ آپ دشمنوں کی قوت و طاقت سے بے خوف اور بے پرواہ ہو کر دین حق کی دعوت و تبلیغ میں مصروف عمل رہیئے اور اسی ذات جل جلالہ کو اپنا کارساز اور وکیل بنائیے جو مشرق اور مغرب کا پالنہار ہے۔ وہی ان دشمنان اسلام کی چیرہ دستیوں پر خطرناک عذاب دیگا۔

اس آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد کی تعلیم دی گئی جس کا حکم پوری امت کو بھی شامل ہے۔ توکل کے لفظی معنی بھروسہ کرنے کے ہیں، اور اسلام کی اصطلاح میں اللہ ہی پر بھروسہ کرنے کو کہتے ہیں۔ اور توکل کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کام کو پورے ارادہ و تدبیر اور کوشش کے ساتھ انجام دیں اور اسکی کامیابی اور بھلائی کے لئے اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ اسی سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ تدبیروں اور کوششوں کو ترک کرنے کا نام توکل نہیں بلکہ اسباب و وسائل پر ترک اعتماد کا نام توکل ہے جیسا کہ آل عمران کی ان آیتوں میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ، ان اللہ یحب المتوکلین۔ ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ، وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون۔

اور جب تم کسی کام کا عزم مستحکم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ اس پر توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔ اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو ایسا کون ہے جو پھر تمہاری مدد کر سکے اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ و توکل کرنا چاہیئے۔

حضرت امام کرخیؒ فرماتے ہیں۔ سورۃ المزمل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے، ان سے مقامات سلوک و تصوف کی جانب اشارہ ہے ایک شب میں عبادت کے لئے عزلت نشینی۔ دوسرا قرآن کریم میں اشتغال وانہماک۔ تیسرا ذکر الٰہی پر مداومت۔ چوتھا غیر اللہ سے اعراض و ترک تعلق۔ پانچواں توکل علی اللہ چھٹا لوگوں کی ایذاؤں اور گالیوں پر صبر جمیل، یعنی

طاقت ہونے کے باوجود انتقام کا ارادہ بھی نہ کرنا۔

صبر

واصبر علی ما یقولون واھجرھم ھجراً جمیلا

اس آیت طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کفار کی باتوں پر صبر کریں اور بطریق احسن ان سے علیحدگی اختیار کریں۔ آپؐ نے جب توحید کی آواز بلند کی تو ہر طرف سے دشمنی وعداوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور سارا مکہ آپ کی مخالفت میں سرگرم جولاں ہو گیا۔ ایک طرف باطل کی شورش اور عارضی غلبہ اور دوسری طرف حق کی ظاہری بے بسی و بے کسی دیکھ کر ذات رسالت مآبؐ بتقاضائے بشریت قدرے اضطراب اور بے چینی کی کیفیت پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ رب المشرق والمغرب کو اپنا وکیل اور کارساز بنا چکے ہیں تو وہ خود آپ کا اور دین حق کا محافظ ہے' لہٰذا اس کا فیصلہ اپنے وقت پر آئے گا۔ آپ صبر و استقامت کے ساتھ پوری مستعدی کے ساتھ تبلیغ اسلام میں مصروف رہیئے۔

ہجر جمیل کا مفہوم کفار سے مقاطعہ اور دعوت اسلام کو موقوف کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی بے ہودگیوں کی جانب چنداں التفات نہ کریں۔ یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی دور میں کفار کے ساتھ کسی قسم کا مقابلہ یا محاذ آرائی نہ کی۔ یہاں تک کہ مکہ کی سکونت ترک کر کے مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے۔ لیکن یہاں پہنچنے کے بعد بھی کافروں نے آپ کا پیچھا نہیں چھوڑا اور پوری قوت و طاقت کے ساتھ مقابلہ کے لئے چلے آئے تو اللہ نے اجازت دی' اب تم بھی ان لوگوں سے جہاد کرو' جو تمہارے قتل کے درپے ہیں۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکی دور میں صبر کی تلقین و ہدایت کسی بے بسی اور بے کسی کا ثمرہ نہیں بلکہ آئندہ دین حق کی دعوت و تبلیغ میں پیش آنے والے تمام مختلف مراحل کے لئے امت کی تربیت مقصود تھی۔

قانون الٰہی میں مہلت اور حجت کی تکمیل

وذرنی والمکذبین اولی النعمۃ ومھلھم قلیلا' ان جھٹلانے والے صاحبان تنعم کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو اور ان لوگوں کو تھوڑی بہت مہلت دیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ دعوتِ توحید پیش کرنے کے لئے ہر قوم میں نبی کو مبعوث فرماتا اور کسی قوم پر بھی اس وقت تک مواخذہ کی گرفت سخت نہیں کرتا جب تک کہ ان کے پاس رسول کو نہ بھیج لے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی ان آیتوں سے واضح ہے۔ ولکل قوم ھاد۔ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔

نبی کی بعثت اور اس کی تبلیغ کے باوجود جب کوئی قوم توحید سے روگردانی کرنے لگے تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ مہلت عطا فرماتا ہے تاکہ وہ لوگ اپنی روش بدلیں

اوران پر اللہ کی حجت بھی مکمل ہو جائے۔ یہی معاملہ اور واقعہ مکہ والوں کے ساتھ بھی پیش آیا۔ چنانچہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے انحراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر وانتظار کا حکم دیا اور کفار مکہ کو مہلت دی اور اگلی آیات میں صاف لفظوں میں کہا گیا کہ ان منکرین اور مکذبین کے لئے ہمارے پاس الم انگیز دردناک عذاب موجود ہے۔

قیامت اور اس کے اوصاف واہوال } یوم ترجف الارض و الجبال وکانت الجبال کثیبا مهیلا . . . .

فکیف تتقون ان کفرتم یوما یجعل الولدان شیبا۔ السماء منفطر به وکان وعدہ مفعولا

سیاق کی آیتوں میں منکرین نبوت کے لئے جس دردناک عذاب سے ڈرایا گیا تھا وہ اس دن ہوگا جبکہ زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے اور پہاڑ ریت کے انبار کے مانند بکھرے جا رہے ہوں گے۔

پھر آگے کفار سے کہا گیا ہے کہ اگر تم ہمارے نبیؐ رحمت کے وجود اور قیام کے باعث دنیاوی ہلاکت سے محفوظ بھی رہ گئے تو اس دن سے کیسے بچ جاؤ گے جس کی ہولناکی اور شدت کا یہ عالم ہوگا کہ بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے اور پہاڑ پھٹا جا رہا ہوگا۔

کفار مکہ نے قیامت، بعث بعد الموت (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا) عقیدۂ احتساب اور سزا و جزا کی تکذیب کی تو اللہ نے سورۃ المزمل کے علاوہ دوسری کئی سورتوں میں جابجا ان حقائق کی گرہ کشائی فرمائی۔

قرآن کریم کا یہ زندہ معجزہ ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل جو بات کہی تھی کہ آسمان و زمین کے نظام میں فساد واقع ہوگا اور حیات و زیست کی بساط الٹ دی جائیگی اور ہر چیز فنا کے گھاٹ اتار دی جائے گی تو اس عظیم ایمانی حقیقت کو موجودہ دور میں علوم کونیہ کے ماہرین اپنی تحقیق اور مطالعہ وانکشاف کی بنیاد پر ماننے لگے ہیں۔ چنانچہ پہاڑوں کے لرز اٹھنے اور بکھرنے کا سبب یہ بتلایا جا رہا ہے کہ ان کے اجزاء کو باہم مربوط و مشدود رکھنے والی کشش ختم ہو جائے تو وہ ریت کے ڈھیر کے مانند بکھر جائیں گے۔

اور جب پہاڑ زوال و فنا سے دوچار ہو جائیں تو پوری زمین زلزلوں اور جھٹکوں کی لپیٹ میں آجائے گی اور ان عظیم زلزلوں کی وجہ سے سمندروں کی تہہ پھٹ جائے گی۔

اور پانی زمین کے اندرونی حصہ میں جہاں ہمیشہ سے بے انتہا گرم لاوا کھولتا رہتا ہے داخل ہو جائے گا تو یہی پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن کی شکل میں تحلیل ہو جائے گا جس کی وجہ سے روئے زمین کے تمام سمندروں میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔

اور سورج کے بے نور ہو جانے سے متعلق یہ خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ وہ روزانہ جتنی مقدار میں ایندھن اور قوت صرف کر رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ

لگایا جاسکتا ہے کہ وہ دن دُور نہیں ہیں جبکہ اس کی قوت وصلاحیت ختم ہو کر وہ بے نور رہ جائے۔

ظاہر بات ہے کہ سورج کی تباہی تمام ستاروں سیاروں اور چاند کی تباہی بلکہ پورے نظام سماوی میں خلل اور فساد کے مترادف ہے۔

فرعون کے واقعہ اور انجام سے درس عبرت

انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا فاخذناہ اخذا وبیلا۔ اور ہم نے تمہاری طرف رسول کو شاہد بنا کر بھیجا ہے، جو روز قیامت اللہ کے حضور میں تمہارے اعمال کی گواہی پیش کریں گے کہ تم نے زندگی میں کیا کچھ کیا، اور اس روز کی گرفت اور مؤاخذہ سے کیسے بچ جاؤ گے۔

ہم نے تمہارے پاس اسی طرح ایک رسول بھیجا ہے جس طرح فرعون کے پاس بھی ایک رسول کو بھیجا تھا۔ پس جب فرعون نے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے عذاب کی مضبوط گرفت میں لے لیا۔

اہل مکہ حضرت موسیٰ کی زندگی اور فرعون کے بھیانک وانجام بد سے واقف تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے عبرت و موعظت کی خاطر کفار قریش کے سامنے فرعون کا واقعہ یاد دلایا کہ اگر تم نے بھی رسولِ عربی کے ساتھ مخالفانہ ومعاندانہ روش ترک نہیں کی تو تمہیں بھی وہی انجام بد دیکھنا ہوگا جو فرعون اس جرم کی پاداش میں دیکھ چکا ہے۔

یہ تہدید آمیز وعید سے بھرپور خطاب اگرچہ کہ مکہ کے کافروں سے ہے لیکن وہ اپنی وسعت اور گہرائی کے لحاظ سے رہتی دنیا تک کے ان لوگوں سے بھی ہے جو تعلیماتِ محمدیؐ سے انحراف کے مرتکب ہوں گے۔

فرضیت قیام اللیل کی تنسیخ اور اس کے وجوہ

ان ربك یعلم انك تقوم ادنیٰ الخ اے نبی کریمؐ! آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے اصحاب دو تہائی شب کے قریب اور کبھی ایک تہائی شب اور کبھی نصف شب عبادت میں کھڑے رہتے ہیں اور تم وقت کا صحیح شمار اور اندازہ نہیں کرسکتے اور خدائے تعالیٰ ہی اوقات کا صحیح اور ٹھیک شمار کرتا ہے؛ اسے معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ لوگ اللہ کا فضل یعنی روزی کی تلاش میں سفر کریں گے اور کچھ لوگ قتال فی سبیل اللہ میں مصروف ہوں گے۔ لہٰذا اس نے تم پر مہربانی فرمائی کہ اب تم جس قدر آسانی سے تہجد میں قرآن پڑھ سکتے ہو، پڑھ لیا کرو۔

فضل الٰہی یعنی رزق کی تلاش:

وآخرون یضربون فی الارض، نماز تہجد منسوخ ہونے کی وجوہات میں سے ایک وجہ تلاش معاش بھی ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں، اس آیت کے لطائف میں سے ایک یہ ہے کہ رزق حلال کی تلاش وجستجو میں سفر کرنے والے کو

اللہ نے اس شخص کا درجہ اور مرتبہ عطا کیا ہے، جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو۔

بقول خطیب بغدادی جہاد کرنے والوں کو اور حلال روزی حاصل کرنے والوں کو ایک درجہ میں ذکر فرمایا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص اپنے اور اپنے اہل وعیال کی خاطر اکل حلال کے لئے سعی بلیغ کرتا ہے تو وہ جہاد کرنے والوں کے برابر ہے۔

حضرت نسفی فرماتے ہیں، مجاہدین اور رزق حلال تلاش کرنے والوں کو ایک درجہ مرتبہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جائز طریقوں سے پاک اور حلال رزق کی تلاش کرنا بھی جہاد ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال روزی کی تلاش اور طلب کو فرائض کے بعد کا درجہ دیا ہے طلب الحلال فریضۃ بعد فریضۃ۔

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ما من جالب یجلب طعاما الی بلد من بلد ان المسلمین فیبیعہ لسعر یومہ الا کانت منزلتہ عنداللہ ثم قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وآخرون یضربون فی الارض۔

جو شخص مسلم بستیوں میں سے کسی بستی میں غلہ لے کر پہنچے اور اس روز کے بھاؤ سے فروخت کرے تو وہ قرب خداوندی کی نعمت سے بہرہ ور کیا جائے گا۔ یہ فرمانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

وآخرون یضربون فی الارض۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں، جہاد فی سبیل اللہ کے بعد اگر کسی حالت میں مجھے جان دینا محبوب ہے تو وہ یہ حالت ہے کہ میں رزق حلال کی طلب میں کسی پہاڑ کے دامن سے گذر رہا ہوں اور وہاں مجھے موت آجائے یبتغون من فضل اللہ کے بعد انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی وآخرون یضربون فی الارض۔

ان امثال وشواہد سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام میں جائز طریقوں سے حلال روزی کی کتنی عظیم فضیلت ہے۔

جہاد یعنی قتال فی سبیل اللہ

وآخرون یقاتلون فی سبیل اللہ مکی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کفار کے ظلم وستم کو صبر وتحمل کے ساتھ برداشت کرتے رہے بالآخر مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ پہنچے بھی تو کافروں نے مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑا اور مقابلہ کے لئے چلے آئے تو اللہ نے مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا۔

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم۔

اور رہتی دنیا تک مسلمانوں کو اس قسم کے حالات میں جہاد کا حکم دے دیا اور اس سرفروشی وجاں نثاری پر اجر فراواں کی بشارت ان لفظوں میں سنادی۔

فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالآخرۃ ومن یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب فسوف نؤتیہ اجرا عظیما۔

تو انہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہئے، جو دنیا
کی زندگی بیچ کر آخرت لیتے ہیں۔ اور جو اللہ کی راہ میں جہاد
کرے اور مارا جائے یا غالب آئے تو عنقریب ہم اسے بڑا
ثواب دیں گے۔

اقامت صلوٰۃ

واقیموا الصلوٰۃ جمہور مفسرین کی رائے یہ
ہے کہ سورۃ المزمل میں جو نماز کا حکم دیا گیا ہے، اس سے مراد
پنج وقتہ نمازیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب منصب نبوۃ
پر فائز ہوئے تو دوسری ہی وحی میں نماز کا حکم دیا گیا وربك
فکبر اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے۔ رب تعالیٰ کی عظمت و
کبریائی بیان کرنا ہی نماز کی پہلی بنیاد ہے۔ ابتدائے اسلام میں
نماز تہجد فرض ہوئی اور پنجوقتہ نمازیں معراج کے موقعہ پر فرض
ہوئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے کے بعد فرض
نمازیں اپنے تمام ارکان وشرائط اور آداب وسنن کے ساتھ
ایک مکمل صورت میں قائم ہوئیں۔

خدا کی وحدانیت اور نبی کی نبوت کے اقرار کے ساتھ
ہی اسلام میں عمل اور طاعت کا آغاز ہو جاتا ہے اور اس
نئی ایمانی زندگی میں تھوڑے تھوڑے وقت کے فاصلے سے
ایک مومن پر اسلام کا جو فریضہ عائد ہوتا ہے وہ نماز ہے اور
دین حنیف کا یہ وہ رکن ہے جو کسی شخص کے حلقہ بگوش اسلام
ہونے کے بعد سے لے کر اس وقت تک یہ فرض اس کے ذمہ
سے ساقط نہیں ہوتا۔ جب تک کہ پوری طرح ہوش وحواس
سے محروم نہ ہو جائے۔

قرآن کریم اور احادیث نبویؐ میں مختلف اسالیب کے
ذریعہ نماز کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ترک کرنے کو نفاق
کی نشانی اور انہدام دین کے مترادف قرار دیا گیا ہے، اور
اس باب میں پیغمبر اسلام کا اسوہ یہ رہا ہے کہ مبعوث ہونے
کے بعد سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک کسی حالت میں بھی
نماز ترک نہ کی۔

ادائے زکوٰۃ

واٰتوا الزکوٰۃ۔ زکوٰۃ اسلام کا یہ وہ فرض ہے
جس کا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر نماز کے متصل
کیا گیا ہے گویا مومنین کو اس بات کی دعوت دی گئی ہے
کہ نماز جو حقوق اللہ ہے اسکی ادائیگی کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ
جو حقوق العباد ہے اسکی بھی ادائیگی ہوتی رہے۔ یہی وجہ
ہے کہ جس طرح مطلق نماز کا حکم ابتدائے وحی ہی میں دیا
گیا اسی طرح مطلق زکوٰۃ کا حکم بھی دیا گیا۔ لیکن مکی دور میں
زکوٰۃ کی حیثیت اور نوعیت مطلق مالی خیرات وصدقات کی
رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد
بتدریج معاشی آسودگی اور خوشحالی حاصل ہونے لگی تو ہجرت
کے دوسرے سال صدقۃ الفطر واجب کیا گیا اور مدنی دور
کے بعض خاص احوال واوقات میں یہ حکم بھی دیا گیا کہ جو کچھ بچے
وہ سبیل اللہ خیرات کر دیں اور آئندہ کے لئے بچا کر نہ رکھیں
جیسا کہ بخاری میں ابن عمر کی روایت موجود ہے۔

ہجرت کے آٹھویں سال جب مکہ فتح ہوا اور اسلام کو مکمل غلبہ حاصل ہوا اور تجارت و معاش کی راہیں وسیع ہوتی چلی گئیں تو اس کے جلو میں دولت بھی آنے لگی اور سنہ ۸ھ کے اواخر میں سورہ برات کا نزول ہوا جس میں زکوٰۃ کے تمام احکام و قوانین کی تصریح کی گئی اور سنہ ۹ھ میں زکوٰۃ ایک مکمل شکل میں ظاہر ہوی۔

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت اور فضیلت کے لئے سورۂ لقمٰن کی ابتدائی آیات کافی ہیں جن میں یہ صراحت کی گئی کہ وہی لوگ ھدایت پر ہیں اور فلاح و بہبودی سے ہمکنار ہیں جو زکوٰۃ دیتے ہیں۔ الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم بالاٰخرۃ ھم یوقنون اولٰئک علی ھدی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون۔

قرآن و حدیث میں متعدد مقامات پر زکوٰۃ نہ ادا کرنے پر سخت تہدید آمیز وعیدیں وارد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دینے کا مفہوم۔

اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دینے کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ مال اس کی راہ میں خرچ کیا جائے وہ ذاتی نفسانی اغراض سے پاک صاف اور خالصتہً لوجہ اللہ ہو تو اللہ تعالےٰ اس کا نفع نہیں دنیا و آخرت میں دیگا۔ اس اجر و ثواب کو قرض حسنہ سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے دئے ہوئے مال کی ضمانت کرتا ہے کہ یقیناً اس پہ نہ صرف اصل بلکہ کئی گنا بڑھ کر اجر و ثواب دیا جائے گا۔

بعض مفسرین نے قرض حسنہ سے خالصۃً لوجہ اللہ اعمال صالحہ کی ادائیگی مراد لی ہے۔ اس صورت میں مفہوم کے اندر مزید یہ وسعت پیدا ہو گئی کہ عبادات خواہ مالیہ ہوں یا بدنیہ۔ اگر رب تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لئے ادا کی گئی ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کا اجر و ثواب دینا اپنے ذمہ قرض کے مانند ضروری قرار دیتا ہے۔

انابت الی اللہ اور استغفار

سورۃ المزمل کے آخر میں استغفار کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ آپ رات اور دن کے حصّہ سو سو بار استغفار فرماتے تھے۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ ان میں ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آپ کے ذریعہ امت کو استغفار کی تعلیم دی جائے تاکہ عبادات، صدقہ و خیرات اور جہاد وغیرہ کی انجام دہی پر اطمینان اور تکیہ کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے بلکہ ہر حال میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور توبہ و استغفار کا سلسلہ جاری رہے جو عبودیت کا اقتضاء ہے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمودات نبوی کی روشنی میں علامات
قیامت، حضرت مہدیؑ، نزولِ
عیسیٰؑ، دجّال۔ یاجوج و ماجوج

از:
مولوی حافظ البشیر الحق قریشی ادھولی استاذ دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

قرآن کریم کی مختلف آیات اور لسانِ نبوت کے کثیر ارشادات سے یہ بات واضح اور روشن ہے کہ زمین و آسمان اور ان میں سمائی ہوئی چیزوں کو زوال اور فنا سے دوچار ہونا ہے اور کسی بھی شئی کو بقا اور دوام حاصل نہیں، اگر کسی ذات کو بقا حاصل ہے تو وہ صرف رب ذوالجلال والاکرام کی ذات بے نظیر ہے۔ کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربك ذوالجلال والاکرام۔ لہٰذا موجودہ کائنات صرف ایک وقتِ مقررہ تک ہی رہے گی جس کے بعد ہر چیز فنا کے گھاٹ اتار دی جائے گی۔ اسی تہلکہ خیز واقعہ کو شریعت مطہرہ کی زبان میں قیامت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وقوع قیامت کا صحیح علم خالق کائنات کی ذات جل شانہ کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ قرآن نے تصریح کی ان اللہ عندہ علم الساعۃ بے شک قیامت کا قطعی علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں، ہم ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اچانک سامنے سے ایک صاحب نمودار ہوئے جن کا لباس بہت ہی سفید تھا اور بال سیاہ تھے۔

اور ان پر سفر کا کوئی اثر بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا اور اس نووارد شخص کو ہم میں سے کوئی پہچانتا بھی نہ تھا۔ وہ سیدھے حضورؐ کے سامنے آکر دو زانو بیٹھ گیا اور آپؐ سے دریافت کیا، یا محمد اخبرنی عن الاسلام اے محمدؐ مجھے بتلائیے اسلام کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا الاسلام ان تشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ وتقیم الصلوٰۃ وتؤتی الزکوٰۃ وتصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیہ سبیلا اسلام یہ ہے کہ تم شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو اور حج کرو اگر تمہیں استطاعت ہو۔ سائل نے یہ تفصیل سن کر کہا، آپ نے سچ کہا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں، ہمیں تعجب ہو رہا تھا کہ یہ شخص خود ہی سوال کر رہا ہے، پھر خود ہی جواب کی تصدیق و تصویب کر رہا ہے۔

اس کے بعد سائل نے دوسرا سوال کیا اخبرنی عن الایمان مجھے بتلائیے ایمان کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان

تومن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر وتومن بالقدر خیرہ وشرہ۔ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو اس کے فرشتوں کو اسکی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو اور روز قیامت کو اور تقدیر کی اچھائی و برائی کو حق جانو اور مانو، اس کے بعد سائل نے تیسرا سوال کیا۔ اخبرنی عن الاحسان مجھے بتلائیے کہ احسان کی حقیقت کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھتے ہو، تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اس کے بعد سائل نے چوتھا سوال کیا اخبرنی عن الساعۃ قیامت کے متعلق مجھے خبر دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما المسئول عنھا باعلم من السائل جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ سائل سے زیادہ واقف نہیں۔

علامات قیامت

سائل نے کہا۔ اچھا تو قیامت کی کچھ نشانیاں اور علامات بتائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان تلد الامۃ ربتھا وان تری الحفاۃ العراۃ العالۃ رعاء الشاء یتطاولون فی البنیان باندی اپنی مالکہ کو جنے گی یعنی قیامت کی ایک نشانی تو یہ ہوگی کہ لڑکیاں جن کی طبیعت و سرشت میں فرماں برداری کا عنصر لڑکوں سے زیادہ موجود ہے، وہ خود اس قدر نافرمان اور خود سر ہو جائیں گی کہ ماؤں کے ساتھ ایسا سلوک کریں گی جیسا کہ ایک مالکہ اپنی باندی کے ساتھ کرتی ہے۔ (اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قیامت کے قریب جب لڑکیوں کی خود سری اور نافرمانی کا یہ عالم رہے گا تو لڑکوں کی سرکشی اور نافرمانی کا عالم کیا ہوگا۔)

اور دوسری نشانی یہ ہے کہ تم دیکھو گے کہ وہ لوگ جنہیں تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور پاؤں میں پہننے کے لئے جوتیاں نہیں ہے اور جو بے مایہ و تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں وہ اونچی اونچی فلک بوس عمارتیں تعمیر کرنے لگیں گے اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ سبقت اور بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔

حضرت عمر فرماتے ہیں ان سوالات کے بعد وہ سائل چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا اے عمر! کیا تمہیں معلوم ہے وہ سائل کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، وہ حضرت جبرئیل تھے جو تم لوگوں کو تمہارا دین سکھلانے کے لئے تشریف لائے تھے۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت انا والساعۃ کھاتین۔ حضرت انس فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں، یعنی میری بعثت کے بعد قیامت ہی آئے گی، نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی امت کی تشکیل ہوگی۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث

میں ہے انا آخر الرسل وانتم آخر الامم۔ اے
مسلمانو! میں آخری پیغمبر ہوں اور تم آخری امت ہو۔

ان من اشراط الساعۃ ان یرفع العلم ویظہر
الجہل ویفشو الزنا ویشرب الخمر ویکثر النساء
ویقل الرجال حتیٰ یکون لخمسین امراۃ قیم واحد

زبان نبوت نے فرمایا یقیناً یہ چیزیں قیامت کی نشانیاں
ہیں کہ دنیا سے علم اٹھا لیا جائے۔ جہل پھیل جائے۔ زنا کاری
عام ہو جائے۔ شراب پی جانے لگے۔ عورتوں کی کثرت ہو جائے۔
اور مردوں کی نسل میں کمی ہو جائے یہاں تک کہ پچاس عورتوں
کے مقابل ایک مرد رہ جائے۔

عن ابی طالب قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اذا فعلت امتی خمسۃ عشرۃ خصلۃ
حل بھا البلاء قیل وما ھی یا رسول اللہ قال اذا
کان المغنم دولا والامانۃ مغنما والزکاۃ مغرما
واطاع الرجل زوجتہ وعق امہ وبر صدیقہ
وجفا اباہ وارتفعت الاصوات فی المساجد
وکان زعیم القوم ارذلھم واکرم الرجل مخافۃ
شرہ وشربت الخمور ولبس الحریر واتخذت
القیان والمعازف ولعن آخر ھذہ الامۃ اولھا
فلیرتقبوا عند ذلک ریحا حمراء وخسفا او مسخا
وآیات تتابع کنظام قطع سلکہ فتتابع۔

حضرت علی بن ابی طالب کی روایت ہے کہ
حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، میری امت میں یہ پندرہ چیزیں جب پیدا
ہو گئیں تو ان پہ بلاؤں کا نزول ہوگا۔ دریافت کیا گیا:۔
یا رسول اللہ ﷺ! وہ کیا ہیں، ارشاد فرمایا۔ جب مال غنیمت
کو ملکیت اور ذاتی مال سمجھا جائے، امانت کا مال، مال غنیمت
کی طرح ہو جائے۔ زکوٰۃ دین ہو جائے یعنی کوئی ادا نہ کرے۔
مرد اپنی بیوی کی طاعت کرنے لگے، اپنی ماں کی نافرمانی کرنے
لگے۔ اپنے دوست کے ساتھ بھلائی کرنے لگے۔ اپنے باپ پہ
جفا اور زیادتی کرنے لگے۔ مساجد میں شور وغل کی آوازیں
بلند ہونے لگیں۔ قوم کا قائد و رہنما قوم کا ذلیل ترین آدمی
ہو جائے۔ کسی شخص کی عزت اسکے ظلم اور شر سے بچنے کے لئے کی
جائے۔ شرابیں پی جانے لگے۔ مرد ریشم پہننے لگ جائیں ـــ
گانے والی عورتیں اور آلات لہو و لعب کی کثرت ہو جائے۔
اور امت کے پچھلے لوگ، امت کے اولین افراد پر طعن و ملامت
کرنے لگ جائیں تو ایسے وقت اور حالات میں انتظار کرو۔۔۔
ہلاکت خیز آندھیوں کا اور زمین دھنسنے کا اور صورتیں مسخ
ہونے کا اور مسلسل پے در پے آفات و بلیات اور عذابات
کے نزول کا، جس طرح ایک لڑی کے ٹوٹ جانے سے دانے اور
موتی گرنے لگتے ہیں۔

عن عمران بن حصین قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم خیر امتی القرن الذی بعثت فیھم ثم
الذین یلونھم قال ولا اعلم اذکر الثالث ام لا ثم
ینشؤ اقوام یشھدون ولا یستشھدون ویخونون

ولا یؤتمنون ویفشو فیھم السمن۔

عمران بن حصین کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میری امت کا بہترین دور وہی ہے جس میں میری بعثت ہوئی اور پھر اس کے بعد آنے والا دور۔ راوی کا کہنا ہے کہ مجھے معلوم نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے دور کا ذکر کیا یا نہیں۔ پھر ایسے لوگ پھیل جائیں گے کہ وہ شہادت دیں گے' لیکن ان کی شہادت طلب نہیں کی جائیگی یعنی ان کی عدم ثقاہت کے سبب' اور وہ خیانت کریں گے اور ان میں امانت داری نہیں ہوگی اور ان کے اندر موٹاپن پھیل جائے گا یعنی دین سے غفلت۔

عن حذیفۃ الیمان یقول بینما نحن جلوس عند عمر اذ قال ایکم یحفظ قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الفتنۃ قال فتنۃ الرجل فی اھلہ ومالہ و ولدہ وجارہ یکفر الصلوٰۃ والصدقۃ والامر بالمعروف والنھی عن المنکر قال لیس عن ھذا اسألک ولکن عن التی تموج کموج البحر قال لیس علیکم منھا باس یا امیر المؤمنین ان بینک وبینھا باباً مغلقاً قال عمر ایکسر الباب ام یفتح قال لا بل یکسر قال عمر اذاً لا یغلق ابداً۔

حذیفۃ الیمان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت عمر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' اچانک انہوں نے پوچھا آپ لوگوں میں سے کون ہے جسکو فتنہ سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یاد ہو۔ حذیفہ نے کہا آدمی کا فتنہ اہل وعیال میں' اس کے مال میں' اس کی اولاد میں اور اس کے پڑوسی میں ہے' نماز' صدقہ' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ اس کا کفارہ ہوجاتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا میں اس فتنہ کے متعلق نہیں پوچھ رہا ہوں بلکہ جو سمندر کی موج کی طرح اٹھے گا۔

حذیفہؓ نے کہا۔ امیر المؤمنین آپ کو اس سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ آپ اور اس کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔

حضرت عمر نے کہا۔ کیا دروازہ توڑ دیا جائے گا یا کھول دیا جائے گا؟ حذیفہ نے کہا توڑ دیا جائے گا حضرت عمر نے کہا جب تو وہ کبھی بند نہیں ہوگا۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یتقارب الزمان وینقص العمل ویلقی الشح و تظھر الفتن ویکثر الھرج قالوا یا رسول اللہ ایم ھو قال القتل القتل حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے کہ احکام دین پر عمل کم ہوجائے گا اور بخل وحرص پھیل جائے گا اور فتنے رونما ہوں گے اور کثرت سے خوں ریزی اور فساد ہوگا۔

عن الزبیر بن عدی قال دخلنا علی انس بن مالک قال فشکونا الیہ ما نلقی من الحجاج فقال ما من عام الا والذی بعدہ شر منہ حتی تلقوا ربکم سمعت ھذا من نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم

زبیر بن عدی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ انس بن مالک کے پاس پہنچے اور حجاج کے ظلم وستم کی داستان سنائی تو انہوں

نے فرمایا' ہر آنے والا زمانہ شر و مصیبت میں پچھلے زمانہ سے
بڑھ کر ہی ہوگا' یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو' تمہارے
نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے میں نے ایسا ہی سنا ہے۔

عن عبد الرحمن عن ابی هريرة ان رسول الله
صلی الله عليه وسلم قال لا تقوم الساعة حتى تقتتل
فئتان عظيمتان تكون بينهما مقتلة عظيمة
دعواهما واحدة وحتى يبعث دجالون كذابون قريب
من ثلثين كلهم يزعم انه رسول الله وحتى يقبض
العلم وتكثر الزلازل ويتقارب الزمان وتظهر
الفتن ويكثر الهرج وهو القتل القتل وحتى يكثر
فيكم المال فيفيض حتى يهم رب المال من
يقبل صدقته وحتى يعرضه فيقول الذي يعرضه
عليه لا ارب لى به وحتى يتطاول الناس فى
البنيان وحتى يمر الرجل بقبر الرجل فيقول يليتنى
مكانه وحتى تطلع الشمس من مغربها فاذا طلعت
وراها الناس اجمعون فذلك حين لا ينفع نفسا
ايمانها لم تكن امنت من قبل او كسبت فى
ايمانها خيرا ولتقومن الساعة وقد نشر الرجلان
ثوبهما بينهما فلا يتبايعانه ولا يطويانه
ولتقومن الساعة وقد انصرف الرجل بلبن
لقحته فلا يطعمه ولتقومن الساعة وهو
يلوط حوضه فلا يسقى فيه ولتقومن الساعة
وقد رفع اُكلته الى فيه فلا يطعمها۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی' یہاں تک کہ دو عظیم جماعتوں کے
درمیان کثیر قتال اور خوں ریزی ہوگی اور دونوں کا دعویٰ
ایک ہی ہوگا۔

اور یہاں تک کہ تیس کے قریب دجال اور کذاب
مبعوث ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک خود کو نبی قرار دیگا۔

اور یہاں تک کہ علم اٹھا لیا جائے گا یعنی صاحبانِ علم
دنیا میں نہیں رہیں گے۔ زلزلوں کی کثرت ہوگی اور زمانہ
قریب ہوجائے گا یعنی وقت سرعت و تیزی سے گذرتا رہیگا۔
اور فتنے ہنگامے رونما ہوں گے اور کثرت سے قتل و
خوں ریزی ہوگی۔

اور یہاں تک کہ تمہارے درمیان دولت کی بہتات
ہوگی اور وہ ہر طرف پھیل جائیگی حتی کہ صاحب مال یہ خواہش
کرے گا کہ کوئی آدمی اس کا صدقہ قبول کرے اور جس کو
مال پیش کیا جائے تو وہ یہ کہے گا کہ اس میں میرے لئے کچھ فائدہ
نہیں ہے یعنی قبول کرنے سے انکار کرے گا۔

اور یہاں تک کہ لوگ اونچی اونچی عمارتیں بنانے لگ
جائیں گے ــــ اور یہاں تک کہ آدمی کسی شخص کی قبر سے
گذرتے ہوئے یہ آرزو کرے گا کہ کاش میرا ٹھکانہ یہ ہوتا۔

اور یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہوجائے گا۔
اور جب سارے لوگ اس کو طلوع ہوتا دیکھیں تو اس دن

کسی آدمی کو جو پہلے سے ایمان نہ لاچکا ہو یا اپنے ایمان کی حالت میں اس نے کوئی نیکی نہ کمائی ہو ایمان لانا سود مند نہ ہوگا ۔ اور دفعتاً اچانک طور پر قیامت قائم ہو جائیگی ۔ کہ لوگ اپنے اپنے کاموں سے سنبھلنے بھی نہ پائے ہوں گے ' تحقیق دو آدمی کپڑے کو پھیلائے ہوئے ہونگے اور ابھی بیع نہیں ہوئی ہوگی اور وہ کپڑا ابھی نہیں لپٹا گیا ہوگا ۔ اور آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ دوھ کر پینے بھی نہ پایا ہوگا ۔ اور آدمی اونٹوں کو پانی پلانے کے لئے حوض درست کر رہا ہوگا ' اور آدمی لقمہ اپنے منہ کی طرف اٹھایا ہوگا لیکن وہ کھانے بھی نہ پایا ہوگا کہ اچانک قیامت واقع ہو گی ۔

یاجوج وماجوج

عن زینب بنت جحش ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیہا یوما فزعا یقول لا الہ الا اللہ ویل للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل ھذہ وحلق باصبعہ الابہام والتی تلیہا قالت زینب بنت جحش فقلت یا رسول اللہ انہلک وفینا الصالحون ۔ قال نعم اذا کثرت الخبث ۔

زینب بنت جحش سے مروی ہے کہ ایک روز رسول کریم لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے اضطراب بے چینی کے عالم میں ان کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے ، ہلاکت تباہی ہے اہل عرب کے لئے ایک شر کے ذریعہ' وہ یہ کہ آج کے دن یاجوج وماجوج کی دیوار میں ایک سوراخ کھل چکا ہے ۔ حضرت زینبؓ نے پوچھا یا رسول اللہؐ ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے ؟ جب کہ ہمارے درمیان صالحین اور نیک لوگ بھی موجود ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ ہاں جب برائی زیادہ ہو جائے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امور غیب سے آگاہی و اطلاع کا یہ عالم ہے کہ جو واقعہ صدیوں بعد قیامت کے قریب رونما ہونے والا ہے اس کا مشاہدہ ابھی سے اس طرح کر رہے ہیں کہ گویا وہ وجود میں آچکا ہے ۔

قرآن مجید میں یاجوج ماجوج کا ذکر انبیاء اور کہف میں وارد ہے ۔ چنانچہ انبیاء میں ہے حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون ۔ جب وہ وقت آجائے گا کہ یاجوج وماجوج کی راہ کھل جائے گی ' زمین کی تمام بلندیوں سے وہ دوڑتے ہوئے اتر آئیں گے ۔

سورۃ الکہف میں یاجوج وماجوج اور دیوار ذوالقرنین کا ذکر یوں وارد ہے حتیٰ اذا بلغ بین السدین وجد من دونہما قوما لا یکادون یفقہون قولا قالوا یا ذا القرنین ان یاجوج وماجوج مفسدون فی الارض فہل نجعل لک خرجا علی ان تجعل بیننا وبینہم سدا قال ما مکنی فیہ ربی خیر فاعینونی بقوۃ اجعل بینکم وبینہم ردما

"اٰتونی زبر الحدید حتیٰ اذا ساویٰ بین الصدفین قال انفخوا حتیٰ اذا جعله نارا قال اٰتونی افرغ علیه قطرا فما اسطاعوا ان یظهروه وما استطاعوا له نقبا۔ یہاں تک کہ ذوالقرنین دو پہاڑوں کی دیواروں کے درمیان پہنچ گیا۔ وہاں اس نے دیکھا' پہاڑوں کے اس طرف قوم آباد ہے۔ جس سے بات کہی جائے تو بالکل نہیں سمجھتی اس قوم نے (اپنی زبان میں کہا) اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج اس ملک میں آکر لوٹ مار کرتے ہیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک روک لگا دیں اور اس غرض سے ہم آپ کے لئے کچھ خراج مقرر کر دیں۔

ذوالقرنین نے کہا۔ میرے پروردگار نے جو کچھ میرے قبضہ میں دے رکھا ہے وہی میرے لئے بہتر ہے یعنی تمہارے خراج کا محتاج نہیں۔ مگر تم اس کام میں اپنی قوت سے میری مدد کرو۔ میں تمہارے اور یاجوج و ماجوج کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دوں گا۔

اس کے بعد اس نے حکم دیا۔ لوہے کی سلیں میرے لئے مہیا کر دو۔ پھر جب تمام سامان مہیا ہو گیا اور دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار اٹھا کر ان کے برابر بلند کر دی گئی تو حکم دیا بھٹیاں سلگاؤ اور اسے دھونکو۔ پھر جب اس قدر دھونکا گیا کہ بالکل آگ کی طرح لال ہو گئی' تو کہا گلا ہوا تانبا لاؤ۔ اس پر انڈیل دیں۔

چنانچہ اس طرح ایک ایسی سد بن گئی کہ یاجوج اور ماجوج نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے' نہ اس میں سرنگ لگا سکتے تھے۔

مولانا ابوالکلام آزاد اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں' تمام تاریخی قرائن متفق طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس (یاجوج و ماجوج) سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی مگر طاقتور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ عہد سے لے کر نویں صدی مسیحی تک برابر مغرب کی طرف امنڈ آتا رہا جن کے حملوں کی روک تھام کے لئے چینیوں کو سینکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی تھی' جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں اور جن کا آخری قبیلہ یورپ میں میگر کے نام سے روشناس ہوا۔ اور ایشیا میں تاتاریوں کے نام سے۔ اسی قوم کی ایک شاخ تھی جسے یونانیوں نے سیتھین کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے حملوں کی روک تھام کے لئے سائرس یعنی ذوالقرنین نے سد تعمیر کی تھی۔

چھٹی صدی قبل مسیح میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین قبائل کے حملوں سے غارت ہو رہا تھا اور جس ہاتھ نے اچانک ظاہر ہو کر ان کے حملے روک دیے اور پھر ہمیشہ کے لئے مغربی ایشیا یک قلم محفوظ ہو گیا وہ ذوالقرنین کا ہاتھ تھا۔ پس یقیناً منگولین نسل کے یہی سیتھین قبائل تھے جو یاجوج و ماجوج کے نام سے پکارے جاتے تھے اور ذوالقرنین نے انہی کی راہ روکنے کے لئے سد تعمیر کی۔

کاکیشیا کے اندرونی حصوں میں ایک مقام ملتا ہے جو درہ داریال کے نام سے مشہور ہے اور موجودہ زمانہ کے نقشہ میں اس کا محل (ولاڈی کیوکز) اور (ٹفلس) کے درمیان دکھایا جاتا ہے۔ یہ کاکیشیا کے نہایت بلند حصوں میں سے ہو کر گذرا ہے اور دُور تک دو بلند چوٹیوں سے گھرا ہوا ہے۔

ذوالقرنین نے جو سد تعمیر کی تھی وہ درہ داریال کی سد ہے کیونکہ درہ داریال کا مقام دو پہاڑی چوٹیوں کے درمیان ہے اور جو سد تعمیر کی گئی ہے اس نے درمیان کی راہ بالکل مسدود کر دی ہے۔ چونکہ اس کی تعمیر میں آہنی سلوں سے کام لیا گیا نیز قرآن کریم میں ہے ذوالقرنین دو پہاڑی دیواروں کے درمیان کا حصہ پاٹ کر برابر کر دیا۔ اس نے پگھلا ہوا تانبا استعمال کیا۔

یہ تصریحات قرآنی یعنی تعمیر کی یہ تمام خصوصیات درہ داریال کی سد پر ہی پوری طرح صادق آتی ہیں۔

حضرت مہدی

عن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تذھب الدنیا حتی یملک العرب رجل من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی۔

حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ میرے اہل بیت سے ایک شخص عرب پر حاکم نہ ہو جائے اور وہ میرا ہمنام ہوگا۔

ترمذی کی مذکورہ حدیث کے علاوہ مسلم کی اس حدیث میں جس میں نزول عیسیٰ کی کیفیت وارد ہے اس میں بھی امام کا ذکر ہے وامامکم منکم تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔ اکثر اہل علم کی رائے ہے کہ یہاں امام سے مراد حضرت مہدی ہیں جو قیامت کے قریبی دور میں حضرت عیسیٰ کے معاصر ہوں گے۔

ان کا نام محمد اور ان کے والد کا نام عبداللہ ہوگا۔ مسلمان انہیں کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہی حضرت مہدی ہیں اور اس کے بعد تمام مسلمان ان کی قیادت میں متحد ہو کر عیسائی اور یہودی قوتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دمشق کی طرف پلٹ جائیں گے۔ ان ہی ہنگاموں اور معرکہ آرائیوں کے وقت میں خراسان کی جانب سے دجال اکبر کا ظہور ہوگا جس کے حملوں سے مسلمان پوری طرح عاجز اور بے بس نظر آئیں گے اور یہی وہ وقت ہوگا جبکہ عیسیٰ بن مریم آسمان سے دمشق کے مغربی حصہ میں سفید منارہ کے پاس اتریں گے اور آپ ہی تل ابیب کے چند میل کے فاصلہ پر مقام لد پر دجال کو اپنے ہاتھوں سے قتل کریں گے۔

دجال اکبر

دجال کا لفظ دجل سے ماخوذ ہے۔ عربی میں تدجیل کے معنی ہیں تانبے پر سونے کا پانی چڑھانا۔ جس سے وہ سونا معلوم ہو۔ دجال کی ملمع ساز شخصیت کا کام بھی یہی ہے کہ وہ چیزوں کو اس طرح دکھائے گا اور یوں پیش کرے گا کہ ان کی حقیقت کچھ ہوگی اور وہ نظر آئیں گے کچھ اور۔

چنانچہ حذیفہ الیمان سے حدیث مروی ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی الدجال ان معہ ماءً ونارًا فنارہ ماءٌ باردٌ وماؤہ نار۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ بے شک دجال کے ساتھ پانی اور آگ ہوں گے۔ اس کی آگ آب سرد ہے اور اس کا پانی آگ ہے۔

دجال قرب قیامت کی وہ خطرناک و مہلک اور جادوگر شخصیت ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی اور اپنی امت کو اس سے ہوشیار اور آگاہ کیا ہے چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز میں دجال کے فتنہ سے پناہ مانگتے یستعیذ فی صلاتہ من فتنۃ الدجال۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لم یبعث نبیًا الا حذر امتہ الدجال وانا اٰخر الانبیاء وانتم اٰخر الامم وھو خارج فیکم لا محالۃ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہر نبی نے اپنی امت کو دجال کے فتنہ سے آگاہ کیا ہے۔ میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ لہٰذا دجال لامحالہ تمہارے درمیان ہی نکل آئیگا۔

عن انس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مابعث نبی الا انذر امتہ الاعور الکذاب الا انہ اعور وان ربکم لیس باعور وان بین عینیہ مکتوبا کافرا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کوئی نبی ایسا مبعوث نہیں ہوا جس نے اپنی امت کو دجال کے فتنہ سے آگاہ نہ کیا ہو۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ وہ ترچھی آنکھ والا ہے۔ تمہارا رب اس عیب سے پاک وصاف ہے (یہ اس لئے بتلایا گیا کہ دجال الوہیت خدا ہونے کا دعویٰ کریگا) اور دجال کی آنکھوں کے درمیان "کافر" لکھا ہوا رہے گا۔

عن ابی بکرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یدخل المدینۃ رعب المسیح الدجال ولھا یومئذ سبعۃ ابواب علی کل باب ملکان۔

حضرت ابوبکرۃ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا دجال مدینۂ منورہ میں داخل نہ ہوسکے گا اس وقت مدینہ کے سات دروازوں پر بھی دو دو فرشتے حفاظت کرتے ہونگے۔

عن انس بن مالک قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجیٔ الدجال حتی ینزل فی ناحیۃ المدینۃ ترجف ثلثۃ رجفات فیخرج الیہ کل کافر ومنافق۔

حضرت انس فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال آئے گا۔ یہاں تک مدینہ کے باز و میں پہنچ جائیگا مدینہ منورہ میں تین جھٹکے ہوں گے اور اس کے سبب ہر کافر و منافق مدینہ سے نکل کر اس کی جانب چلا جائے گا۔

عن ابی بکرؓ الصدیق قال حدثنا صلی اللہ علیہ وسلم قال الدجال یخرج من ارض بالمشرق یقال لھا خراسان یتبعہ اقوام کان وجوھھم

المسبحان المطرقة۔

حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دجال سرزمین مشرق کی جانب سے نکلے گا اور اس جگہ کا نام خراسان ہے ایسی قومیں اس کی پیروی کریں گی، جن کے چہرے ڈھال کی طرح ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جو شخص جمعہ کے روز سورۂ کہف کی تلاوت کریگا وہ دجال کے فتنے سے محفوظ و مامون رہیگا۔

نزول عیسیٰ

لا تقوم الساعة حتیٰ ینزل عیسیٰ بن مریم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم نازل ہوجائیں۔

حضرت عیسیٰ بن مریم سے متعلق قرآنی تصریحات واضح ہیں کہ یہودیوں نے انہیں نہ قتل کیا اور نہ سولی پہ لٹکایا بلکہ منجانب اللہ یہ واقعہ ان لوگوں پر مشتبہ کردیا گیا ما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم۔

واقعہ یوں رہا کہ حضرت عیسیٰ کے ایک غدار حواری نے انہیں رومی سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار کرایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت حضرت عیسیٰ کی صورت کے مانند کردیا اور اسکی زبان گنگ کردی اور حضرت عیسیٰ کے دشمنوں نے اسی حواری کو مسیح سمجھ کر سولی پر لٹکادیا۔ اور اللہ نے اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ ابن مریم کو صحیح وسلامت آسمان پر اٹھالیا وما قتلوہ یقیناً بل رفعه الله وكان الله عزيزا حكيما۔

اور یہی وہ عیسیٰ جو اوپر اٹھالئے گئے ہیں قیامت کے قریب بنفس نفیس آسمان سے دمشق کے مشرقی حصے میں سفید مینارہ کے پاس زرد رنگ کے کپڑوں میں ملبوس فرشتوں کے پروں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے زمین پہ اتریں گے اور وہی دجال اور اس کے پیرووں کا صفایا کردیں گے اور موجودہ اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب کے چند میل کے فاصلہ پہ لُد نامی مقام کے پاس دجال کو پکڑیں گے اور اس کو قتل کردیں گے اور آپ اسلام پہ لوگوں سے جنگ کریں گے اور تمام مذاہب و ملتوں کا خاتمہ ہوجائے گا لیظهره على الدين كله اور آپ روئے زمین پر چالیس سال تک امام عادل اور حاکم منصف بن کر رہیں گے۔ اور آپ کی یہ ساری خدمات ایک نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کی حیثیت سے انجام دیں گے اور آپ کا نکاح ہوگا اور آپ صاحب اولاد ہوں گے اور آپ پر موت طاری ہوگی اور آپ کی نماز جنازہ مسلمان پڑھیں گے اور آپ کی تدفین اسی حجرۂ شریف میں ہوگی جس میں باعث کائنات فخر موجودات نبی آخرالزمان سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دو رفیق صادق حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آرام فرما ہیں۔

عن ابی ھریرۃ - فبینما ھم یعدون للقتال یسوون الصفوف اذا اقیمت الصلوٰۃ فینزل عیسیٰ بن مریم فامھم فاذا راٰہ عدو اللہ یذوب

کما یذوب الملح فی الماء فلو ترکہ لا نذاب حتیٰ یہلک ولکن یقتلہ اللہ بیدہ فیریہم دمہ فی حربتہ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اس درمیان میں کہ مسلمان دجال اور اس کے پیرؤں سے مقابلہ کی تیاری کر رہے ہوں گے صفیں درست ہوتی رہیں گی اور نماز کے لئے تکبیر امامت شروع ہو جائے گی کہ عیسیٰ ابن مریم اتریں گے اور نماز میں امامت[1] کریں گے اور اللہ کا دشمن دجال جیسے ہی آپ کو دیکھ لے گا پانی میں نمک کی طرح گھلنے لگے گا۔ اگر حضرت عیسیٰ اس کو یوں ہی چھوڑ دیں تو وہ خود بخود گھل کر ہلاک ہو جائے گا مگر اللہ تعالیٰ اس کو آپ کے ہاتھوں سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے نیزہ میں اس کا خون مسلمانوں کو دکھائیں گے۔

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس بینی وبینہ نبی (یعنی عیسیٰ) وانہ نازل فاذا رأیتموہ فاعرفوہ رجل مربوع الی الحمرۃ والبیاض بین ممصرتین کان رأسہ یقطر وان لم یصبہ بلل فیقاتل الناس علی الاسلام فیدق الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویہلک اللہ فی زمانہ الملل کلہا الا الاسلام ویہلک المسیح الدجال فیمکث فی الارض اربعین سنۃ ثم یتوفی فیصلی علیہ المسلمون۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے، اور وہ نازل ہونے والے ہیں۔ جب تم انہیں دیکھو تو پہچان لو۔ وہ میانہ قد آدمی ہیں۔ رنگ مائل بہ سرخی وسفیدی ہے۔ دو زرد رنگ کے کپڑوں میں ملبوس ہوں گے اور ان کی زلفیں ایسی معلوم ہوں گی کہ پانی بالوں سے ٹپکنے والا ہے حالانکہ وہ تر نہیں ہونگی اور ابن مریم اسلام کے نام پر لوگوں سے جنگ کریں گے صلیب توڑ دیں گے۔ سور کو قتل کر دیں گے۔ جزیہ ختم ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ ملت اسلامی کے سوا ساری ملتوں کو مٹا دے گا۔ اور وہی دجال کو قتل کریں گے اور وہ روئے زمین پر چالیس سال رہیں گے۔ ان کا انتقال ہوگا اور ان کی نماز جنازہ مسلمان پڑھیں گے۔

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما مقسطا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیرا من الدنیا وما فیہا۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس ذات پاک کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے، ضرور اتریں گے تمہارے درمیان عیسیٰ ابن مریم پھر آپ صلیب توڑ دیں گے۔

[1] دوسری متعدد احادیث میں ہے آپ امامت نہیں کریںگے اسی پر محدثین کا اتفاق ہے ۱۲

سور کو قتل کریں گے اور جنگ کا خاتمہ کریں گے اور اس وقت
مال کی اتنی کثرت ہوگی کہ اس کا قبول کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔
اور یہ حالت ہوگی کہ لوگوں کے نزدیک ایک سجدہ کر لینا دنیا
وما فیہا سے بہتر ہوگا۔

صلیب توڑنے کا مطلب یہ ہے کہ عیسائیت ایک
مستقل ملت کی حیثیت سے باقی نہیں رہے گی۔ اور خنزیر کو
قتل کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اس کی حرمت (حرام) کو لوٹائیں گے
کیونکہ یہ جانور شریعت عیسوی میں حرام تھا لیکن آپ کے بعد
آپ کے حواریوں نے حلال کر لیا ہے اور جنگ کے خاتمہ کا مطلب
یہ ہے کہ ملتوں کا فرق و امتیاز ہی ختم ہو جائے گا اور صرف
ملت اسلامی ایک ہی ملت امت واحدہ کی حیثیت سے رہ
جائیگی جس کے بعد جنگ و جہاد اور جزیہ کا سوال ہی باقی
نہیں رہتا۔ عن النواس بن سمعان (قصہ الدجال)
فبینما هو کذلك اذ بعث المسیح بن مریم
فینزل عند المنارة البیضاء شرقی دمشق بین
مهرودتین واضعا كفيه على اجنحة ملكين اذا
طأطأ راسه قطر واذا رفعه تحدر منه جمان كا
للؤلؤ فلا يحل لكافر يجد ريح نفسه الا مات ونفسه
ينتهي الى حيث ينتهي طرفه فيطلبه حتى
يدركه بباب لدُ۔

حضرت نواس بن سمعان کی روایت ہے کہ اس دوران میں کہ دجال فساد اور قتل و غارت پھیلائے ہوئے ہوگا،
اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو نازل کریگا۔ وہ دمشق کے مشرقی
حصہ میں سفید مینار کے نزدیک زرد رنگ کے کپڑوں میں ملبوس
دو فرشتوں کے بازو پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے جب
وہ نیچے سر جھکائیں تو ایسا معلوم ہوگا کہ پانی کے قطرے گر
رہے ہیں اور سر اوپر اٹھائیں تو ایسا معلوم ہوگا کہ موتی کے
مانند قطرے گر رہے ہیں اور اس کی سانس کی ہوا جس کافر تک
پہنچے گی وہ ہلاک ہوگا اور وہ ان کی حد نگاہ تک جائے گی۔
پھر وہ دجال کا تعاقب کریں گے۔ لُد کے مقام پر پکڑیں گے
اور قتل کریں گے۔

حذیفہ بن اسید الغفاری فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ
ہماری مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور
ہمیں آپس میں بات چیت کرتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔ کیا بات
ہو رہی ہے؟ عرض کیا گیا' قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ ارشاد
فرمایا وہ قائم نہ ہوگی جب تک کہ یہ دس نشانیاں ظاہر نہ
ہو جائیں:۔

دھواں۔ دجال۔ دابۃ الارض۔ یاجوج ماجوج
نزول عیسیٰ۔ آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا۔ تین
مقامات پر زمین دھنس جانا۔ ایک مشرق میں' دوسرا
مغرب میں' تیسرا جزیرۃ العرب میں' یمن کی جانب سے
آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانکتے ہوئے میدان حشر میں
جمع کر دے گی۔

وقوع قیامت

عبداللہ بن عمرؓ سے

مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' دجال نکل آئے گا اور وہ چالیس تک ٹھہرے گا۔ راوی کا کہنا ہے مجھے نہیں معلوم کہ حضور اکرمؐ نے جو چالیس کہا' اس سے مراد دن ہیں یا چالیس ماہ یا چالیس سال ہیں۔

پھر اللہ عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا' وہ عروہ بن مسعود (صحابیٔ رسولؐ) سے مشابہ ہوں گے۔ وہ دجال کا تعاقب کرینگے حضرت عیسیٰ سات سال تک لوگوں کے درمیان رہیں گے۔

اور اس وقت یہ حال ہوگا کہ دو آدمی بھی ایسے نہیں رہیں گے جن کے درمیان عداوت اور کینہ و حسد ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چلائے گا اور یہ ہوا اہل ایمان کے حق میں رحمت ہوگی۔ چنانچہ اس ہوا کے اثر سے زمین پر کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو، یہاں تک کہ تم میں سے کوئی شخص پہاڑ کی کوہ اور اس کے بطن میں بھی رہے تو یہ ہوا پہنچے گی اور اسے ختم کر دے گی۔ اس طرح سے سارے مومنین دنیا سے ختم ہو جائیں گے اور زمین پر صرف شرار الناس کا فرقہ رہ جائیں گے اور ان کے اندر پرندوں کی سی تیزی اور درندوں جیسا ذہن ہوگا اور وہ نیکی اور خیر سے واقف ہی نہ ہوں گے اور شر کو شر نہیں سمجھیں گے۔

اس وقت شیطان ان کے سامنے ظاہر ہو جائے گا' اور کہے گا کہ کیا تمہیں شرم و حیا نہیں ہے؟ سب کہیں گے تمہارا کیا حکم ہے' ہم اس پر عمل کریں گے۔

اس کے بعد شیطان انہیں بتوں کی عبادت کا حکم دے گا اور وہ سب اس کی پیروی کریں گے اور وہ سب اس حال میں ہونگے کہ رزق کی بہتات ہوگی۔ زندگی عیش و نشاط اور لہو و لعب میں ڈوبی رہے گی کہ ایک صور پھونکا جائے گا۔ سب ختم ہو جائیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ ایک ہلکی سی بارش نازل فرمائیگا۔

پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔ سارے انسان جی اٹھیں گے۔ وہ کھڑے ہوئے دیکھتے ہوں گے کہ ندا دی جائے گی' اے لوگو! اپنے رب کے حضور چلو۔ فرشتوں کو حکم دیا جائے گا تمام انسانوں کو میدان حساب میں کھڑا کر دو۔ اس کے بعد ہر ایک کے اعمال کا حساب شروع ہوگا۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ یہی وہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔

حاصل تحریر چند منتخب احادیث کا یہ خلاصہ ہے۔ اس موضوع پر مزید تفصیل کے لئے صحاح ستہ کی کتابوں سے ابواب الفتن کی جانب رجوع فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

از مولانا محمد حسین صاحب ایم اے
استاذ دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

بہ سلسلۂ اشاعت بابت شعبان ۱۴۰۲ھ

ہر صحیح توبہ مقبول ہے

انوارِ قرآنی کی استمداد سے نظر کرنے والی بصیرتیں جانتی ہیں کہ ہر قلبِ سلیم عند اللہ مقبول اور آخرت کی نعمتوں سے متمتع اور اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ باری تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہو۔ وہ یہ بھی جانتی ہیں کہ اللہ نے قلب سلیم ہی پیدا کیا اور ہر بچہ اپنی فطرت، فطرت اسلام پہ پیدا ہوتا ہے لیکن گناہوں کے عوارض سلامتی فطرت میں کدورت کا باعث ہونے لگتے ہیں۔ اور ہر گناہ سے دل پہ اندھیرا اور غبار چھا جاتا ہے اور تو بہ تو تاریکیوں میں سلامتی فطرت بتدریج مضمحل ہوتے ہوتے کالمعدوم ہو جاتی ہے۔ انہیں اس بات کا بھی یقین ہے کہ ندامت کی آگ اس غبار کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔ نیک اعمال کا نور دلوں پہ سے گناہوں کا اندھیرا دور کر دیتا ہے۔ یہ بھی بلا شائبۂ شک وریب ثابت ہو جاتا ہے کہ نیکیوں کے نور کے ساتھ بدکاریوں اور گناہوں کی ظلمت ایک جا جمع نہیں ہو سکتی۔ نور النہار اور ظلمت اللیل، کپڑے کا میل اور صابون کی تاثیر صفائی بھی اس طرح جمع نہیں ہوتی۔ کوئی بادشاہ یا رئیس یہ گوارا نہ کریگا کہ اس کا لباس میلا یا چرک آلودہ ہو۔ اللہ تعالیٰ بھی یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی تاریک دل اس کے جوار میں جگہ پائے۔

اعمالِ کثیف اور میل کچیل میں استعمال سے کپڑا میلا، اور گندہ ہو جاتا ہے اور صابون اور گرم پانی سے دھونے سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ شہوات اور خواہشات نفسانی میں اندھا دھند دل کی مشغولیت دل کو گندہ اور ناپاک کر دیتی ہے لیکن آنسوؤں کا پانی اور ندامت کی آگ دل کی ساری آلائش اور چرک اور کثافت اور گندگی کو مٹا دیتی ہے اور دل پاک اور طاہر اور مطہر ہو جاتا ہے۔ اور ہر پاک اور طاہر قلب عند اللہ مقبول ہے۔ پس ہمیں اپنے قلب کی پاکی اور تزکیہ وتطہیر کے درپے ہونا چاہیئے تاکہ ہمارا قلب قلب سلیم ہو جائے جیسا کہ اللہ نے اس کو اصل میں پیدا کیا تھا۔

تطہیر اور تزکیہ ہمارا اپنا فرض ہے اور مقبول ہونا، قضاء ازلی الٰہی پہ موقوف ہے اور اسی مقبولیت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے اس قول "قد افلح من زکاھا" میں لفظ فلاح سے تعبیر کیا "یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم" میں یہ واضح کر دیا کہ جس دن

نہ کوئی مال کام آئے گا نہ کوئی اولاد، اس دن اللہ کے حضور جو قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوگا۔ اس کے قلب کی سلامتی اس کے کام آئے گی۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے وعد اللہ لا یخلف المیعاد۔

جس شخص کو اس حقیقت کا بلا شائبۂ شک و ریب یقین حاصل نہیں کہ معاصی و طاعت کا قلب پر لامحالہ اثر ہوتا ہے اور ایک کا اثر دوسرے کے اثر کا ضد ہے۔ ایک کو ظلمت اور دوسرے کو نور سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ظلمت اور نور میں تضاد ہے۔ دونوں ایک جا جمع نہیں ہو سکتے، تو اس شخص کے پاس صرف دین کے چھلکے اور پوست اور صرف دین کا نام باقی رہ جاتا ہے اور اس کا قلب حقیقت دین سے کثیف حجابوں کے سبب سے محجوب رہتا ہے۔ نہ صرف دین کی حقیقت سے وہ محجوب ہے بلکہ اپنے نفس کی حقیقت اور اپنے نفس کے صفات سے بھی محجوب ہے جو اپنے نفس کو ہی نہیں جانتا وہ غیر کو کیا جانے۔

بعض لوگوں کو یہ گمان ہوتا ہے کہ توبہ صحیح ہونے کے باوجود مقبول نہیں ہوتی، ان لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کو یہ وہم ہوتا ہے کہ سورج کے طلوع ہونے سے رات کا اندھیرا زائل نہیں ہوتا۔ صابون سے دھوئے جانے کے باوجود کپڑا پاک نہیں ہوتا۔ لیکن یہ بات اس وقت ہوتی ہے جب میل کپڑے کے ریشوں اور گہرائیوں میں راسخ ہو گیا ہو اور ان تک صابون کا اثر نہ پہنچے، یہ حال تو اس شخص کا سا ہے جس کے پے در پے گناہوں کی تاریکی رین اور طبع بن گئی ہو۔ ایسا شخص نہ رجوع کر سکتا ہے نہ صحیح معنوں میں توبہ کر سکتا ہے اگرچہ وہ زبان سے توبہ کرنے کا دعویٰ کرے۔ اس کی مثال اس دھوبی کی سی ہے، جو کپڑا نہ دھوئے اور زبان سے دعویٰ کرے کہ اس نے دھویا۔

جب تک میل کچیل کو دور کرنے والی چیز کے استعمال سے کپڑے کی صفت نہ بدل دی جائے کپڑا صاف نہیں ہو سکتا۔ اصل توبہ سے باز رہنے کا یہی حال ہے اور اکثر لوگ اسی حالت میں مبتلا ہیں خصوصاً وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے کلی طور پر روگردانی کر کے دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور انہیں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ ان سے غافل نہیں، وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور ان کو بھی جو اپنے نہاں خانۂ دل میں چھپائے رکھتے ہیں۔ توبۂ صحیح کی قبولیت کے باب میں اہل بصیرت کے لئے اس قدر وضاحت کافی ہوگی، اس کی تائید آیات و احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ پھر اس بصیرت پر جس کی شہادت کتاب و سنت سے نہ ملے اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ذیل میں چند آیات و احادیث، اور آثار سلف نقل کئے جاتے ہیں :۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفو عن السیئات : وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور ان کی خطاؤں اور برائیوں سے درگزر کرتا ہے اور فرمایا : غافر الذنب وقابل التوب گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا۔

مضمون کی ابتدا میں بہت سی آیتیں درج کی گئی ہیں، یہاں ان دو آیتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے:

حدیث

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ افرح بتوبة العبد المؤمن الحدیث (متفق علیہ) اللہ تعالیٰ اس آدمی کی خوشی سے بہت زیادہ بندۂ مومن کی توبہ سے خوش ہوتا ہے جو کسی مہلک صحرا میں اپنی سواری کے ساتھ جس پر اس کا تمام کھانے پینے کا سامان تھا رات گزارنے کے لئے اپنی منزل کرے اور پھر زمین پر اپنا سر رکھ کر سو جائے، پھر جاگے تو اپنی سواری کو نہ پائے اس کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ بھوک پیاس اور گرمی کی شدت سے بے تاب ہو جائے، تو یہ ارادہ کرلے کہ جہاں رات گزاری وہیں جاکر سو جائے، یہاں تک کہ موت آجائے۔ پھر اپنے بازو پر سر رکھ کر موت کے انتظار میں سو جائے، اور جب جاگ اٹھے تو اپنی سواری کو اپنے تمام ساز و سامان اور طعام و شراب کے ساتھ اپنے قریب موجود پائے۔ ظاہر ہے کہ خوش ہونا قبول کرنے سے بڑھ کر ہے۔ خوشی قبولیت کے علاوہ پسندیدگی کی علامت اور دلیل ہے۔

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "ان اللہ عزوجل یبسط یدہ بالتوبة لمسئ اللیل الی النھار ولمسئ النھار الی اللیل حتی تطلع الشمس من مغربھا" یعنی اللہ عزوجل رات میں گناہ کرنے والے کی توبہ کے لئے دن کے ظہور تک، اور دن میں گناہ کرنے والے کی توبہ کے لئے رات تک اپنے ہاتھ پھیلائے رہتا ہے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو (یعنی قیام قیامت تک) بسط الید یعنی ہاتھ پھیلانا کنایہ ہے طلب کرنے سے۔ طلب کرنا قبول سے بڑھ کر ہے۔ بہتیرے قبول کرنے والے طالب نہیں ہوتے بلکہ ہر طالب قبول کرنے والا ہوتا ہے۔

نیز فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لو عملتم الخطایا حتی تبلغ السماء ثم ندمتم لتاب اللہ علیکم یعنی اگر تم اتنے گناہ کریں کہ وہ آسمان تک پہنچیں پھر تم ان کثیر گناہوں پر نادم ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرلیگا (ندامت ہی اصل توبہ ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان العبد لیذنب الذنب فیدخل بہ الجنة فقیل کیف ذلک یا رسول اللہ قال یکون نصب عینہ تائبا منہ فارا حتی یدخل الجنة۔"

یعنی بندہ گناہ کرتا ہے اور اس کے سبب سے جنت میں داخل ہو جاتا ہے تو کہا گیا یہ کیسے ہوگا یا رسول اللہ تو فرمایا کہ گناہ اس کے پیش نظر ہوگا وہ اس سے توبہ کرکے بھاگتا ہے، یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "کفارة الذنب الندامة" یعنی گناہ کا کفارہ ندامت ہے۔ اور یہ بھی فرمایا "التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ" یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کے مانند ہے۔

روایت کی گئی ہے" ان حبشیا قال یا رسول اللہ انی کنت اعمل الفواحش فھل لی من توبۃ قال نعم فولی ثم رجع فقال یا رسول اللہ أ کان یرانی حین أعملھا قال نعم فصاح الحبشی صیحۃ خرجت فیھا روحہ" ۔ ایک حبشی نے کہا یا رسول اللہ میں فحش کام کرتا رہا ہوں' کیا میری توبہ قبول ہو گی تو فرمایا' ہاں' تو وہ پلٹ گیا پھر لوٹ آیا اور پوچھا یا رسول اللہ جب میں فحش کاموں کو کرتا ہوں تو کیا وہ مجھے دیکھتا ہے تو فرمایا ہاں (وہ دیکھتا ہے) اس پر اس حبشی سے چیخ نکلی جس سے اس کی روح نکل گئی"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان الحسنات یذھبن السیئات کما یذھب الماء الوسخ۔ یعنی نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں جیسے پانی میل کچیل کو۔ اس باب میں بے شمار حدیثیں مروی ہیں ۔

آثارِ سلف

سعید بن المسیب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے متعلق انہ کان للاوابین غفورًا نازل فرمایا۔ جس نے گناہ کیا پھر توبہ کی' پھر گناہ کیا اور پھر توبہ کی۔ فضیل نے کہا کہ اللہ نے فرمایا کہ گنہگاروں کو خوشخبری دو کہ اگر وہ توبہ کریں تو میں قبول کروں گا اور صدیقین کو خوف دلاؤ کہ اگر میں ان کے معاملہ میں عدل سے کام لوں تو انہیں عذاب دوں گا ۔

طلق بن حبیب نے کہا کہ اللہ کے حقوق اتنے زیادہ ہیں کہ بندہ ان کو ادا نہیں کر سکتا ۔ لیکن وہ صبح و شام توبہ کرتے رہتے ہیں ۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو اپنی خطا کو یاد کرے اور اس سے اس کا دل خوف زدہ ہو، تو ام الکتاب سے اس کی خطا مٹا دی جاتی ہے بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ بندہ ایک گناہ کرتا ہے اور پھر ہمیشہ اس گناہ سے نادم رہتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے ۔ اس پر ابلیس یہ کہتا ہے کہ کاش میں اس کو گناہ میں مبتلا نہ کرتا ۔

روایت کی گئی ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک شخص نے جس سے گناہ سرزد ہوا تھا دریافت کیا کہ کیا اس کی توبہ قبول ہو گی ؟ ابن مسعودؓ نے اپنی گردن پھیر لی اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا تو اس کی آنکھیں اشک آلود ہیں ۔ فرمایا جنت کے آٹھ دروازے ہیں سبھی دروازے کھلتے اور بند ہوتے ہیں لیکن توبہ کا دروازہ اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو اس کو بند نہیں کرتا' عمل کئے جا اور مایوس نہ ہو۔

عبدالرحمٰن بن ابی القاسم نے فرمایا کہ ہم نے عبدالرحیم سے کافر کی توبہ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول پر: ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف۔ (اگر وہ باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے) گفتگو کی تو کہا" مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس مسلم کا حال کافر کے حال سے اچھا ہوگا اور مجھے یہ روایت پہونچی ہے" ان توبۃ المسلم کا سلام بعد اسلام" (مسلم کی توبہ اسلام کے بعد دوبارہ

اسلام کے مانند ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: توابین کی صحبت میں رہا کرو کیونکہ ان کے دلوں میں رقت ہوتی ہے۔
بعضوں سے یہ بھی منقول ہے کہ مغفرت کی محرومی سے کہیں زیادہ مجھے توبہ کی محرومی کا خوف رہتا ہے کیونکہ مغفرت توبہ کے توابع اور لوازم میں سے ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک جوان تھا جس نے بیس برس اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر بیس برس وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مشغول رہا۔ پھر ایک دن آئینہ دیکھا اس کو داڑھی میں بڑھاپے کی علامت نظر آئی اور یہ بات اس کو بُری لگی۔ کہنے لگا الہٰی میں نے بیس برس تیری عبادت کی پھر بیس برس تیری نافرمانی کی۔ اگر میں اب تیری طرف رجوع کروں تو کیا تو مجھے قبول کریگا؟" کسی کہنے والے کو جو نظر نہ آتا تھا اس نے یہ کہتے سنا: "تو نے ہم سے محبت کی تو ہم نے بھی تجھ سے محبت کی، تو نے ہم کو چھوڑ دیا تو ہم نے بھی تجھ کو چھوڑ دیا۔ تو نے نافرمانی کی تو ہم نے تجھے مہلت دی۔ اگر تو ہماری طرف رجوع کرے اور لوٹ آئے تو ہم تجھے قبول کرلیں گے"۔

ذوالنون مصری سے منقول ہے: اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے ہیں جو اپنے گناہوں اور خطاؤں کے درختوں کو اپنے دلوں کی آنکھوں کے سامنے نصب کرتے اور توبہ کے پانی سے ان کو سیراب کرتے ہیں، جس سے ندامت و حزن و غمگینی کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ وہ مجنون نہیں ہوتے لیکن سرگشتہ و حیران رہتے ہیں۔ وہ گونگے اور گفتار سے عاجز نہیں لیکن بلید اور کند ذہن نظر آتے ہیں حقیقت میں وہی فصیح و بلیغ اور عارف باللہ و رسولہ ہیں۔ انہوں نے اخلاص کا پیالہ پیا تو انہیں بلا و مصیبت پر صبر حاصل ہوا۔ ان کے دل عالم ملکوت کے شیدا ہوتے ہیں اور ان کے افکار عجب جبروت کی بلندیوں کو اپنی جولانگہ بناتے ہیں۔ ندامت کے زیر سایہ اپنے صحائف اعمال کے مطالعہ سے اپنے نفسوں میں حزن و غمگینی پیدا کرتے ہیں۔ پھر پرہیزگاری کی سیڑھی کے ذریعہ زہد کی بلندی پر پہونچ جاتے ہیں۔ ترک دنیا کی تلخی میں لذت پاتے اور بستر کی سختی کو نرم و ملائم سمجھتے ہیں۔ اسکی وجہ سے نجات کی رسی اور سلامتی کی کھونٹی کو حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کی روحیں بلندیوں کی چراگاہوں سے گزر کر انہیں نعمتوں کے باغوں میں بساتے ہیں۔ پھر زندگی کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر حزن و غمگینی کی خندقوں کو پاٹ دیتے ہیں۔ خواہشات نفسانی کی رہ گزاروں کو پار کر کے علم و بصیرت کے میدان میں وارد ہوتے اور چشمۂ حکمت سے سیراب ہوتے ہیں۔ پھر فہم و فراست کی کشتی میں سوار ہو کر نجات کی ہواؤں کے ذریعہ بحر سلامت سے نکل کر راحت کے باغوں اور عز و کرامت و شرف کے معدن تک پہونچ جاتے ہیں"۔ جو کچھ بیان کیا گیا اس سے یہ مقصود نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر توبہ کا قبول کرنا واجب ہے جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے۔ یہ کہنا کہ ہر صحیح توبہ مقبول ہے اسی طرح ہے جیسا کوئی یہ کہے کہ کپڑا صابون سے دھویا جائے تو میل

کا دُور ہوجانا واجب ہے۔ جب پیاسا پانی پئے تو پیاس کا بجھ جانا واجب ہے۔ جب ایک مدت پانی نہ ملے تو پیاسا ہوجانا واجب ہے۔ اور پیاس پر طویل زمانہ گزر جائے تو پیاس سے مرجانا واجب ہے۔ معتزلہ اللہ تعالیٰ پر واجبات ثابت کرتے ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کوئی حاکم نہیں کہ اس پر کوئی امر واجب کرے۔ وہی حاکم و قادر علی الاطلاق ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی بنا پر ہر مخلصانہ توبہ قبول کرتا ہے تو یہ اسکا فضل ہے۔ واجب نہیں کہ کوئی اس سے باز پرس کرے۔

اللہ تعالیٰ نے طاعت کو معصیت کا کفارہ اور نیکیوں کو برائیوں کے اثرات کو مٹانے والا بنایا ہے جس طرح پانی کو پیاس بجھانے کی تاثیر دی۔ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے خلاف ہو چکا ہو تو وہ بہرحال پورا ہو گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ توبہ کرنے والے کو قبول توبہ میں شک واقع ہوتا ہے اور پانی پینے والے کو پیاس کے زائل ہونے میں شک نہیں ہوتا۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ بعض پیاسوں کی پانی سے پیاس زائل نہیں ہوتی جس کا سبب دوسرا ہے۔ قبول توبہ میں شک درحقیقت صحت توبہ کے شروط کے موجود ہونے میں شک ہے۔ توبہ کے ارکان و شروط میں جن کا بیان کسی قدر تفصیل کے ساتھ آئندہ پیش کیا جائے گا۔ دواء مسہل کے استعمال کرنے والے کو کبھی یہ شک بھی ہوتا ہے کہ اس کو اسہال ہوں گے یا نہیں کیونکہ اس کو اس بات کا یقین نہیں کہ دوا میں باعتبار حال و وقت و کیفیت ترکیب دوا اور اجزاء، دوا کے عمدہ اور اصلی ہونے کے شروط موجود ہیں۔ بہرحال صحیح توبہ کے مقبول ہونے کے باب میں اس قدر تفصیل انشاءاللہ کافی ہوگی۔

گناہ اور اقسام گناہ

توبہ نام ہے ترک گناہ کا۔ جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ گناہ کیا ہے اس کا ترک ممکن نہیں۔ توبہ واجب ہے اور جو چیز ادائے واجب کا ذریعہ ہو اس کا علم بھی واجب ہے اس لئے گناہوں کا جاننا بھی واجب ہے۔ گناہ کیا ہے؟ مختصر سی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ امر جو حکم الٰہی کے خلاف ہے وہ گناہ ہے چاہے اس کا تعلق کسی کام کے کرنے سے یا کسی کام کے چھوڑ دینے سے ہو۔

انسان کے بہت سے اوصاف ہیں لیکن تمام گناہوں کا تعلق ان چار صفات میں سے کسی ایک صفت کے ساتھ ہوتا ہے۔ صفات ربوبیہ، صفات شیطانیہ، صفات بہیمیہ۔ صفات سبعیہ۔ انسان کی طبیعت مختلف اخلاط سے مرکب ہے اور ان میں سے ہر خلط اور ہر جزو کا اس پر اثر ہوتا ہے۔

(۱) وہ صفات جو صفات ربوبیہ سے اتصال رکھتے ہیں جیسے کبر و فخر و قہر، حب مدح و ثنا، غلبۂ بے نیازی، دوام بقا کی خواہش، دوسروں پر اپنا تفوق جتانا، سب سے اپنے تئیں اعلیٰ جاننا گویا وہ انا ربکم الاعلیٰ کہنا چاہتا ہے۔ ان صفات سے متعدد گناہ کبیرہ صادر ہوتے ہیں۔

جن سے اکثر لوگ غافل ہیں بلکہ ان کو گناہ بھی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ وہ بڑے مہلکات ہیں جو بہت سے گناہوں کی جڑ ہیں۔

۲) وہ صفات جو صفاتِ شیطانیہ سے اتصال رکھتے ہیں، جیسے حسد، بغی، حیلہ، خداع، امر بالفساد و المنکر جس میں نفاق اور کھوٹ اور بدعت و گمراہی کی طرف دعوت ہے۔

۳) وہ صفات جو صفاتِ بہیمیہ (چوپایوں کے) مشابہ ہیں جیسے حرص و ہوس اور قضاء شہوات میں غلو اور انہماک، ان سے بسیار خوری، زنا، لواطہ، چوری، اموالِ یتامیٰ کا ناحق مال کھانا، اوروں کی حق تلفی، قضاء شہوات کے لئے مال دینا، جمع کرنا وغیرہ برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔

۴) وہ صفات جو صفاتِ سبعیہ (درندوں کے صفات) کے مشابہ ہیں، جیسے غضب، دشمنی، و کینہ، لوگوں کو مارنا اور ستانا، گالیاں دینا، قتل کرنا، مردم آزاری ان سے متعدد گناہ متفرع ہوتے ہیں۔

یہ تمام صفات بیک وقت نمودار نہیں ہوتے۔ سب سے پہلے صفاتِ بہیمیہ نمودار ہوتے ہیں۔ پھر صفات سبعیہ۔ پھر جب یہ دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو عقل کو خداع و مکر اور حیلہ بازی میں استعمال کیا جاتا ہے اور یہ صفات شیطانیہ ہیں۔ آخر میں صفاتِ ربوبیہ کا غلبہ ہوتا ہے۔ ان میں فخر، غلبہ، اور علو کی طلب، تکبر اور تمام خلق پر چھا جانے اور ان پر غالب آنے کا ارادہ شامل ہے۔ یہی گناہوں کا سرچشمہ ہیں، جن سے گناہ پھوٹ نکلتے ہیں اور مختلف اعضا پر چھا جاتے ہیں بعض کا تعلق خاص طور پر دل کے ساتھ ہوتا ہے جیسے کفر و بدعت و نفاق اور لوگوں کے لئے دل میں برائی چھپائے رکھنا بعض کا آنکھ سے اور بعض کا کان سے اور بعض کا زبان سے اور بعض کا بطن سے اور بعض کا شرمگاہ سے بعض کا ہاتھوں سے اور بعض کا پاؤں سے اور بعض کا تمام بدن سے، ان کو ہر شخص جانتا ہے، مزید تفصیل کی حاجت نہیں۔

گناہوں کی دوسری تقسیم

بعض گناہ وہ ہیں جن کا علاقہ بندے اور خدا کے درمیان تعلقات سے ہے جن کو حق اللہ کہا جاتا ہے اور بعض وہ گناہ ہیں جو بندوں کے باہمی تعلقات سے علاقہ رکھتے ہیں۔ ترک صلوٰۃ و صوم اور اس جیسے دیگر واجبات پہلی قسم میں شامل ہیں۔ قتل نفس، غصب، اموال، عزت ریزی، اور وہ تمام امور جن کا دوسروں کے حق سے تعلق ہے چاہے وہ جان ہو، یا اعضاء بدن ہوں یا مال ہو، یا دین میں اغواء ہو یا بدعت کی دعوت دینا ہو، یا گناہوں کی طرف رغبت دلانا ہو، اگرچہ بظاہر یہ حقوق العباد میں شمار کئے جاتے ہیں، لیکن بندوں کا کوئی ایسا حق نہیں جس میں حق اللہ شامل نہ ہو۔ اگر کوئی شخص کسی خالص حق العبد کی ہتک حرمت کرے جیسے کسی کا مال چھین لے تو اس نے دوسرے بندے کی حق تلفی کی اور اللہ کے حکم کی نافرمانی کر کے گناہ کا ارتکاب بھی کیا۔ اس اعتبار سے حق العباد کی ہتک

حرمت کا گناہ زیادہ شدید ہے۔

اور جو خالص حق اللہ ہیں اگر ان میں شرک شامل نہیں تو عفو و درگزر کی امید کی جاسکتی ہے۔ حاکم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ الدواوین ثلاثۃ دیوان یغفر و دیوان لا یغفر و دیوان لا یترک فالدیوان الذی یغفر ذنوب العباد بینھم و بین اللہ تعالیٰ واما الدیوان الذی لا یغفر فالشرک باللہ تعالیٰ واما الدیوان الذی لا یترک فمظالم العباد ای لا بد وأن یطالب بھا حتی یعفی عنھا" یعنی دواوین تین ہیں۔ ایک دیوان بخشا جائے گا اور ایک دیوان بخشا نہ جائے گا اور ایک دیوان ترک نہ کیا جائے گا۔ جو دیوان بخشا جائے گا وہ بندے اور خدا کے درمیان امور میں معصیت و نافرمانی ہے۔ جو دیوان بخشا نہ جائے گا وہ شرک باللہ تعالیٰ ہے اور جو دیوان ترک نہ کیا جائے گا وہ دیوان مظالم ہے یعنی بندوں کے باہمی حقوق و معاملات میں معصیت و ہتک حرمت ہے۔ ان حقوق کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر صاحب حق درگزر کرے تو معاف کیا جائے گا ورنہ نہیں۔ (جزا و سزا کے فیصلہ طلب معاملات کو دیوان کہا جاتا ہے)۔

گناہوں کی تیسری تقسیم

تمام گناہ یا صغیرہ ہیں یا کبیرہ یہ تقسیم جس قدر مشہور ہے اسی قدر ان کی تعریف و تعیین میں اختلاف بھی ہے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ نہ کوئی گناہ صغیرہ ہے نہ کبیرہ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخالفت اور نافرمانی کبیرہ ہے۔ یہ قول ضعیف ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم وندخلکم مدخلا کریما (۴: ۳۱) اگر تم ان کبائر سے پرہیز اور کنارہ کرو جن سے تمہیں منع کیا گیا تو ہم تمہارے گناہوں کو مٹا دیں گے اور تمہیں کرامت اور بزرگی کے مقامات میں داخل کریں گے۔

وقال تعالیٰ: الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم (۵۳: ۳۲) وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں اور فواحش امور سے پرہیز کرتے ہیں بجز ان صغیرہ گناہوں کے جن پر اصرار نہیں کرتے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الصلوٰت الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ یکفرن ما بینھن ان اجتنبت الکبائر وفی لفظ آخر کفارات لما بینھن الا الکبائر۔ پنجوقتہ نمازیں اور نماز جمعہ دوسری جمعہ کی نماز کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں۔ اگر کبائر سے اجتناب کیا گیا ہو اور دوسری روایت میں ہے کبائر کے سوا گناہوں کا کفارہ ہیں۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت میں الکبائر الاشراک باللہ وعقوق الوالدین وقتل النفس و الیمین الغموس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا

والدین کی نافرمانی، ناحق کسی کو قتل کرنا، جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانی گناہ کبیرہ ہیں۔ کبائر کی گنتی میں صحابہ اور تابعین کے بھی مختلف اقوال منقول ہیں۔ چار، سات، نو، گیارہ اور ان سے زیادہ۔ ابن مسعودؓ نے چار، ابن عمرؓ نے سات، اور عبداللہ بن عمروؓ نے کہا کہ وہ نو ہیں۔ جب ابن عباسؓ کو ابن عمرؓ کی روایت پہونچی کہ گناہ کبیرہ سات ہیں تو کہا کہ سات کے مقابلہ میں ان کا ستر ہونا صحیح تر ہے اور ایک بار کہا کہ ہر وہ امر جسکی اللہ نے نہی اور ممانعت کی، کبیرہ ہے۔ دوسروں نے کہا کہ جس کام پر اللہ نے نار دوزخ کی وعید کی، وہ کبائر میں سے ہے۔

بعض سلف نے بیان کیا کہ جن جرائم پہ دنیا میں حد (یعنی وہ جرم جس کے ثابت ہوجانے کے بعد مقررہ سزا واجب ہوتی ہے اور کسی کو سزا میں تخفیف یا سزا سے درگزر کا حق حاصل نہیں) مقرر ہو وہ گناہ کبیرہ ہیں۔ بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ مبہم ہے اور غیر متعین اور ان کی گنتی معلوم نہیں کی جاسکتی۔ جیسے لیلۃ القدر اور روز جمعہ کی ساعت اجابت دعا۔

ابن مسعودؓ رضی اللہ عنہ سے کبائر کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا سورہ نساء کی ابتدائی تیس آیتیں ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنه تک پڑھو، ان میں جن امور سے نہی اور ممانعت کی گئی وہ سب کبیرہ ہیں۔ ابوطالب مکی نے لکھا ہے کہ کبائر سترہ ہیں جن کو میں نے احادیث اور ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور ابن عمرؓ کی مرویات سے جمع کیا ہے۔ ان میں سے چار کا تعلق دل سے ہے۔ شرک باللہ۔ معصیت پر اصرار، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نومیدی، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوفی۔ چار کا تعلق زبان سے ہے، جھوٹی گواہی، پاکباز پر زنا کا الزام، جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانی جس سے مقصود حق کو باطل اور کسی باطل کو حق قرار دینا ہو۔ اور سحر اور جادوگری۔

تین کا تعلق پیٹ سے ہے، ہر نشہ والی چیز اور شراب کا پینا، جان بوجھ کر یتیم کا مال ناحق کھانا اور سود کھانا، دو کا تعلق شرمگاہ سے زنا اور لواطت۔ دو کا تعلق ہاتھ سے ہے۔ قتل اور چوری اور ایک کا تعلق پاؤں سے، میدان جنگ سے بھاگ جانا۔ ایک کا دو کے مقابلہ سے اور دس کا بیس کے مقابلہ سے اور ایک کا تعلق تمام جسم سے ہے اور وہ والدین کی نافرمانی ہے۔ ماں باپ کی نافرمانی میں یہ امور شامل ہیں۔ اگر وہ کسی حق کی ادا پر قسم کھائیں تو ان کی قسم کو پورا نہ کرنا۔ اگر وہ کوئی حاجت طلب کریں تو حاجت پوری نہ کرنا۔ اگر وہ کسی بات پر اسکو برا بھلا کہیں تو ان کو مار پیٹ کرنا، وہ بھوکے ہوں تو کھانا نہ کھلانا۔ اور ان کا قول قرین صواب ہے کہ ابوطالب مکی نے یہ تفصیلات بیان کی ہیں، لیکن ان سے اطمینان حاصل نہیں ہوسکتا۔ ان پر اضافہ اور ان میں کمی کی گنجائش باقی ہے۔ انہوں نے سود، اور یتیم کا مال کھانے کو کبائر میں شمار کیا ہے لیکن یہ مالی جرائم ہیں

نفوس سے متعلق کبائر میں صرف قتل کا ذکر کیا ہے۔ آنکھیں نکال دینا یا پھوڑ دینا، ہاتھوں کا کاٹ دینا اور مسلمانوں کو طرح طرح کے عذاب دینا ان کا ذکر نہیں کیا۔ یتیم کو مارنا، اس کو عذاب دینا، اس کے ہاتھ پاؤں کاٹنا یتیم کا مال کھانے سے کہیں زیادہ سنگین ہے لیکن اس کا ذکر نہیں۔ حدیث میں ہے ایک گالی کی عوض دو گالیاں دینا کبائر میں سے ہے اور اپنے بھائی مسلم کی عزت میں دست درازی کرنا کبائر میں سے ہے۔ ابو سعید خدری اور دیگر صحابہ فرمایا کرتے تھے کہ تم ایسے اعمال کا ارتکاب کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بال سے زیادہ باریک ہیں لیکن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انہیں کبائر میں شمار کرتے تھے۔ ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ ہر عمداً وقصداً نافرمانی گناہ کبیرہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام منہیات کبیرہ ہیں۔

اگر کوئی مثلاً چوری پر غور کرنا چاہے کبیرہ ایک مبہم لفظ ہے جس کا کوئی خاص اور معین موضوع یا معنی نہیں نہ لغت میں نہ شریعت میں کیونکہ کبیرہ اور صغیرہ اضافی الفاظ ہیں۔ ہر گناہ اپنے سے کم ضرر رساں گناہ کے مقابلہ میں کبیرہ اور اپنے سے زیادہ مضر گناہ کے مقابلہ میں صغیرہ ہے۔ مثلاً کسی مسلمان کا ہاتھ کاٹنا اس کو مار پیٹ کے مقابلہ میں کبیرہ اور اس کو قتل کرنے کے مقابلہ میں صغیرہ ہے۔

یہ ممکن ہے کہ اس گناہ کو جس پر نار جہنم کی وعید آئی ہو کوئی کبیرہ قرار دے اس لئے کہ نار جہنم کی عقوبت بڑی عقوبت ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جن معصیتوں پر حد واجب ہو، ان کو کبیرہ شمار کیا جائے کہ اس کی سزا دنیا میں بھی دی جاتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منصوصاتِ قرآن میں جن کی نہی وارد ہے اسی کو کبیرہ سمجھا جائے اس لئے کہ ان کا ذکر قرآن میں خاص طور پر آیا ہے۔ یہ تمام احتمالات بعید نہیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ اس آیت قرآنی: ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه نکفر عنکم سیئاتکم الآیۃ اور قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم الصلوات الخمس کفارات لما بینهن الا الکبائر کے معنی سمجھ لئے جائیں۔ کیوں کہ اس آیت اور اس حدیث سے کبائر کا حکم ثابت ہے۔

حق بات تو یہ ہے کہ شریعت کی نظر میں گناہ تین قسم کے ہیں (۱) جن کا عظیم اور کبیر ہونا معلوم ہے۔

(۲) جن کا صغیرہ ہونا معلوم ہے۔

(۳) جن کے متعلق شک ہے کہ آیا وہ کبائر میں شامل ہیں یا صغائر میں۔ یہ امید رکھنا کہ کبیرہ اور صغیرہ کی جامع ومانع تعریف اور کبائر کی تعداد یقینی طور پر معلوم ہو فضول ہے۔ یہ امر بجز اس صورت کے ممکن نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ کبائر سے میری مراد دس یا پانچ ہے اور پھر ان کی تفصیل فرمائیں۔

الفاظِ حدیث یوں وارد ہیں: ثلاث من الکبائر (یعنی کبیرہ گناہوں میں سے تین) اور بعض سبع من الکبائر (گناہ کبیرہ میں سے سات) اور ایک اور حدیث میں ہے ان السیئتین بالسیئة الواحدة من الکبائر

(ایک گالی کے عوض دو گالیاں گناہِ کبیرہ میں سے ہے) اور یہ نہ ان تین میں سے ہے اور نہ ان سات میں سے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گنتی مقصود نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ خود شریعت اس امر کو مبہم رکھنا چاہتی تھی تاکہ بندے ہمیشہ خوفزدہ رہیں کہ کہیں گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ ہو۔ جس طرح لیلۃ القدر کو مبہم رکھا گیا تاکہ لوگ اس کی طلب میں جدوجہد کریں اور تمام طاق راتوں میں لیلۃ القدر ہونے کے احتمال سے زیادہ عبادت کریں۔ البتہ یہ امر ممکن ہے کہ طریق کلیہ کے ذریعہ کبائر کے اجناس و انواع بالتحقیق معلوم کر لئے جائیں، لیکن ہر گناہ کے متعلق فرداً فرداً یہ کہنا کہ یہ کبیرہ ہے یا صغیرہ، صرف ظن و تقریب سے ہو سکتا ہے۔ اکبر الکبائر معلوم کر لیا جا سکتا ہے لیکن اصغر الصغائر کے جاننے کی کوئی راہ نہیں۔

شواہدِ شریعت اور انوارِ بصیرت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام شریعتوں کا مقصد تمام انسانوں کو قربِ جوارِ الٰہی میں پہونچایا جائے جہاں انہیں دیدارِ الٰہی کی سعادت حاصل ہو اور یہ بات ممکن نہیں جب تک انہیں اللہ کی، اس کی صفات کی، اس کی کتابوں کی اور اس کے رسولوں کی معرفت حاصل نہ ہو۔ اسی حقیقت کی طرف قولہ تعالیٰ: وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ میرے بندے بنیں اور بندے اسی وقت خدا کے بندے بنتے ہیں جب وہ اپنے رب کو اس کی صفتِ ربوبیت کے ساتھ اور اپنے تئیں اس رب کے بندے ہونے کی حیثیت سے پہچانیں یعنی وہ ہمارا رب ہے اور ہم اس کے بندے ہیں۔ یہ شعور ہر آن حاصل ہو اور اس سے کسی وقت غافل نہ ہو۔ انسانوں میں اسی شعور اور احساس پیدا کرنے کے لئے انبیاء کرام کو مبعوث کیا گیا۔ لیکن اس کے لئے دنیوی زندگی ضروری ہوتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: الدنیا مزرعۃ الآخرۃ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے) کے یہی معنی ہیں۔ اسی اعتبار سے حفظِ دین کے ضمن میں حفظِ دنیا بھی ضروری ہے۔ اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ دنیا ذریعہ اور وسیلہ ہے دین کا۔

آخرت سے دنیا کی دو چیزیں متعلق ہیں، جان اور مال جو امر اللہ تعالیٰ کی معرفت میں رکاوٹ بنے وہ اکبر الکبائر ہے اور اس کے بعد نفوس کی زندگی اور زندگی کی سلامتی میں رکاوٹ بننے والے امور ہیں۔ پھر اس کے بعد وہ امور ہیں جو زندگانی اور معیشت کی راہ میں رکاوٹ ہوتے ہیں کیونکہ وسائلِ معیشت حفظِ حیاتِ نفوس کا ذریعہ ہیں۔ امورِ ضروریہ کی حفاظت کے تین درجے ہیں۔ حفظِ معرفتِ باری تعالیٰ حفظِ نفوس، اور حفظِ اموال، اور یہ مقاصد شریعت ہیں کسی مذہب و ملت میں اس باب میں کوئی اختلاف نہیں۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی کو انسانوں کی دینی و دنیاوی اصلاح کے لئے بھیجے اور پھر لوگوں کو ایسے حکم دے جو ان کو اپنی اور اپنے رسولوں کی معرفت سے روکے، یا وہ اپنے نفوس کو ہلاک اور اپنے اموال اور سامان

معیشت کو تباہ کریں۔ اس سے یہ واضح ہو سکتا ہے کہ
کبائر کے تین درجے یا مراتب ہیں ۔

پہلا مرتبہ ان گناہوں کا ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں کی معرفت سے روکے۔ یہی کفر ہے اور کفر سے بڑھ کر کوئی کبیرہ نہیں۔ اللہ اور بندے کے درمیان جہل ہی حجاب ہے اور اس سے تقرب کا ذریعہ علم و معرفت ہے۔ جتنی معرفت ہو گی اتنا ہی تقرب بھی ہوگا اور جس قدر جہل ہوگا اسی قدر دوری ہو گی۔ اسی سے ملحق وہ جہل ہے جو انسان کو اللہ کے عذاب سے بے خوف اور مامون کرے اور اللہ کی رحمت سے مایوس اور ناامید کرے، یہ بھی عین جہل ہے۔ جس نے اللہ کو پہچانا کبھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ وہ اس کے عذاب سے بے خوف اور اس کی رحمت سے ناامید رہ سکتا ہے۔ اسی سے متصل ان بدعتوں کے مختلف مراتب ہیں جن کا تعلق اللہ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے افعال سے ہے۔ ان میں بعض دوسروں سے شدید ہیں، ان میں جو فرق ہے، وہ جہل کے تفاوت سے اور نیز اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے افعال اور شرائع اور اوامر و نواہی کے تعلق سے پیدا ہوتا ہے۔ ان کے مراتب کی گنتی ممکن نہیں لیکن اسقدر ضرور ہے کہ انمیں بعض ان کبائر میں داخل ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں۔ بعض کے متعلق معلوم ہے کہ وہ داخل نہیں اور بعض کے داخل ہونے یا نہ ہونے میں شک ہے اور دفع شک کا حصول ایک دشوار امر ہے۔

دوسرے درجے کے کبائر وہ ہیں جن کا حفظ نفوس سے تعلق ہے۔ اس سے زندگی قائم رہتی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ کسی کو قتل کرنا بالضرور کبائر میں سے ہے۔ اگرچہ کفر سے مرتبہ میں کم ہے، کفر اصل مقصود کو مانع ہے اور قتل نفس اصل مقصود کے وسیلہ کو مانع ہے اس لئے کہ دنیا کی زندگی کا مقصود اور غایت آخرت ہی ہے اور اسی دنیا کی زندگی سے معرفت الٰہی تک رسائی ہوتی ہے۔ اس گناہ کبیرہ سے ملحق قطع اطراف یعنی ہاتھ پاؤں کاٹنا اور ہر وہ فعل ہے جو ہلاکت تک پہونچائے اس میں مار پیٹ بھی شامل ہے۔ اسی مرتبہ میں زنا اور لواطۃ کی حرمت بھی ہے۔ اگر تمام لوگ اپنی قضاء شہوت اپنے ہم جنس ذکور پر اکتفا کرلیں تو بقاء نسل اور بقاء نوع ممتنع ہو گی۔ زنا سے اگرچہ بقاء نوع منتفی نہیں ہوتی لیکن انساب میں خلل اور باہمی توارث باطل ہو جائےگا۔ اور اس کے ساتھ وہ تمام مصالح اور نظامات درہم برہم ہو جائیں گے جو زندگانی کے لئے ضروری ہیں۔ زنا کو مباح کر دیا جائے تو انسانی اجتماع کا نظام باقی نہ رہے گا۔ حیوانات میں بھی نر اور مادہ میں اختصاص پایا جاتا ہے۔ اسی لئے کسی شرع و قانون میں جس کا مقصد اصلاح ہو زنا کا مباح اور جائز ہونا مقصود نہیں۔

ظاہر ہے کہ زنا کا مرتبہ قتل نفس کے بعد ہے۔ اس سے بقاء نوع کا مقصد فوت نہیں ہو جاتا۔ لیکن انساب کا امتیاز مٹ جاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جو قتال و خوں ریزی تک پہونچاتے ہیں، اگرچہ اس کا مرتبہ قتل نفس سے

کم ہے۔ لیکن لواطت سے زیادہ شدید ہے کیونکہ زنا میں شہوت
دونوں جانب سے ہوتی ہے اور اس کا وقوع بھی اکثر ہے۔ جو
گناہ اکثر واقع ہوتا ہے اس کا ضرر بھی زیادہ ہوتا ہے۔

تیسرے درجے کے گناہ کبیرہ کا تعلق اموال سے ہے۔
اور اموال انسانی زندگی کی بقا کا ذریعہ ہیں، اس لئے یہ جائز
نہیں ہونا چاہیئے کہ لوگ جس طرح چاہیں مال پر قابو پائیں،
چوری، زبردستی چھیننے اور لوٹنے، فریب اور غبن وغیرہ
سے۔ اموال کی حفاظت ضروری ہے تا مال کے باقی رہنے
سے زندگی باقی رہے۔ اموال ونفوس میں یہ فرق ہے، کہ
جب مال پر ناجائز قبضہ کر لیا جائے تو اس کو واپس لے
لیا جا سکتا ہے۔ اگر مال تلف کر دیا گیا تو اس کی تلافی کی
جا سکتی ہے۔ ناجائز طور پر قبضہ کرنے والے یا تلف کرنے
والے کو ضامن بنایا جا سکتا ہے۔ تلف نفس میں یہ بات
ممکن نہیں۔ اس لئے مال سے متعلق گناہ اس قدر شدید نہیں۔
اگر مال پر اس طرح قبضہ کر لیا گیا ہے کہ اس کا تدارک
ممکن نہیں تو اس کو کبائر میں داخل ہونا چاہیئے۔

اسکی چار صورتیں ہیں: ان میں سے ایک چوری
ہے جس میں خفیہ طریقہ پر، مالک مال کے علم کے بغیر لے لیا
جاتا ہے۔ جب یہ نہ معلوم ہو کہ کس نے چوری کی ہے، تو
مال کا واپس لینا دشوار ہے۔ دوسری صورت یتیم کا مال
ناحق کھانا یہ بھی کسی قدر مخفی ہے۔ یتیم کے ولی اور نگران
کو امانت دار سمجھا جاتا ہے اور بجز یتیم کے اس سے مخاصمت
کرنے والا کوئی نہیں اور وہ صغیر و نادان ہے، جو یہ نہیں
جانتا کہ اس کا ولی یا نگران اس کا مال ناحق کھا رہا ہے۔
اس گناہ کو بھی گناہ کبیرہ اور گناہ عظیم سمجھنا چاہیئے۔ اس
کے مقابلہ میں زبردستی کسی کا مال چھین لینا نسبتہً ہلکا ہے کیونکہ
چھیننے اور لوٹنے والا معلوم ہے، اور یہی حال ودیعت اور
امانت میں خیانت کا ہے۔ امانت رکھوانے والا خائن کا
خصم اور مدعی ہے اور اپنا مال امانت واپس لے سکتا ہے۔
تیسری صورت جھوٹی گواہی کے ذریعہ غصب اور خیانت کی
تقویت کرنا۔ اور چوتھی صورت جھوٹی قسم کے ذریعہ ناحق غیر
کے مال پر قبضہ کرنا کیونکہ ان دونوں صورتوں میں تدارک
ممکن نہیں اور یہ چاروں صورتیں اس قابل ہیں کہ انہیں
کبائر میں شامل کیا جائے۔ اگرچہ ان میں سے بعض کی عقوبت
میں شریعت نے حد مقرر نہیں کی۔ لیکن ان کے متعلق سخت
وعید وارد ہے کیونکہ دنیاوی مصلحتوں اور اجتماعی
نظام پر ان کا گہرا اثر ہوتا ہے۔

سود کا لین دین اس سے مختلف ہے۔ اس میں
دوسرے کا مال اس کی رضامندی سے لیا جاتا ہے۔ اگرچہ
شریعت کی مقررہ شرط میں خلل اندازی اور شریعت کے
حکم سے انحراف ہے۔ اس معاملہ میں اختلاف ہو سکتا ہے
کہ سود خواری کبائر میں داخل ہے یا نہیں۔ جب غصب میں
میں دوسرے کا مال زبردستی صاحب مال کی رضامندی کے بغیر
اور شریعت کے حکم کے خلاف لیا جاتا ہے اس کو شریعت نے

کبائر میں داخل نہیں کیا۔

ربا یعنی سود صاحب مال کی رضامندی مگر شریعت کے حکم کی خلاف ورزی سے لیا جاتا ہے۔ اگرچہ شریعت نے اس کو گناہِ عظیم سمجھ کر سخت زجر و توبیخ کی ہے۔ اور شدید وعید نازل فرمائی۔ بعضوں نے یہ تصریح کی ہے کہ وہ اس قسم گناہ میں شامل ہے جس کے کبیرہ ہونے میں شک ہے۔ ان کے نزدیک کبائر میں صرف وہ گناہ شامل ہوں جن میں اختلاف شرع جائز نہ ہو، تاکہ وہ دین کے اُمور ضروریہ سمجھے جائیں۔

ابو طالب مکی نے جن کبائر کا ذکر کیا ان میں سے محصنہ عورتوں پر زنا کا الزام۔ شراب خواری، سحر اور جادوگری اور میدانِ قتال سے بھاگ جانا اور والدین کی نافرمانی باقی رہ جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل آئندہ اشاعت میں ذکر کی جائے گی۔

زبان پر قابو رکھنے کی ضرورت

از: مولانا محمد حسین صاحب ایم۔ اے
استاذ دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

زیر نظر مضمون مولانا محمد حسین صاحب استاذ دار العلوم لطیفیہ کا وہ خطاب ہے جو انہوں نے سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد ۱۴۰۲ھ کے موقعہ پر طلبائے دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور سے کیا تھا، ہدیۂ ناظرین ہے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ مجھے ایسے عمل کی خبر دیں جو مجھے جنت میں داخل کرے اور دوزخ سے دُور کرے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے ایک امر عظیم کا سوال کیا۔ وہ ان لوگوں کے لئے آسان ہے جن کے لئے اللہ تعالیٰ وہ امر آسان کردے۔ صرف اللہ کی عبادت کرے۔ اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ٹھہرائے۔ نماز قائم کرے، زکاۃ دے، رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے۔ پھر فرمایا کیا میں تم کو ابواب خیر کی نشان دہی کروں!۔ روزہ سپر ہے، اور صدقہ خطاؤں کو اس طرح بجھا دیتا ہے جیسا پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور نیم شب میں بندہ کی نماز۔ اس کے بعد آپؐ نے تلاوت کی تتجافی جنوبھم عن المضاجع حتی یعلمون یعنی تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا ومما رزقناھم ینفقون ۝ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ أعین جزاء بما کانوا یعملون (الم السجدہ) ان کے پہلو اپنے بستروں سے کنارہ کرلیتے ہیں، امید وبیم، خوف ورجا کے عالم میں اپنے رب کو پکارتے ہیں اور ہمارے دئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔ کسی نفس کو یہ علم نہیں کہ ان کے اعمال کی جزاء میں ان کے لئے کیا آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ پھر فرمایا کیا میں تم کو رأس الأمر وعمودہ وذروۃ سنامہ نہ بتاؤں، معاذؓ نے کہا ہاں یا رسول اللہ، تو فرمایا رأس الامر اسلام یعنی اپنے تئیں اللہ کے سپرد کردینا یا اطاعت۔ اس کا ستون نماز اور اسکی اعلیٰ بلندی جہاد ہے۔ پھر فرمایا کیا میں تم کو اس بات کی نشان دہی نہ کروں کہ ملاک ذلک کلہ کیا ہے یعنی ان سب کا قوام ونظام اور اصل جس پر وہ قائم ہے کیا ہے۔ معاذؓ نے کہا یا نبی اللہ! کیا اپنے کلام اور گفتگو پر ہم سے مؤاخذہ ہوگا؟

تو آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا کف علیک ھذا اس کے ضرر سے اپنے تئیں بچاؤ۔ معاذؓ نے کہا یا نبی اللہ

کیا اپنے کلام اور اپنی گفتگو پر ہم سے مؤاخذہ ہوگا تو فرمایا' تیری ماں تجھ کو روئے ثکلتك امك (عربی کا یہ محاورہ اگرچہ لفظ بد دعا ہے لیکن اس سے مقصود بد دعا نہیں ہے جب کسی کی کوئی بات پسند نہ ہو' یا یہ کہنا ہو کہ تم کو ایسی بات نہیں کہنی چاہیئے تو یہ جملہ کہا جاتا ہے۔ شاید پہلے پہل یہ کلام اس موقع پر کہا جاتا تھا کہ تمہارے ایسا کہنے سے مرجانا بہتر ہے) کیا لوگوں کو جہنم کی آگ میں ان کے منہ کے بل یا ان کے نتھنوں کے بل پچھاڑنے یا ڈھکیل دینے والی بجز زبانوں کی کھیتی کے حاصل کے حصائد الالسنہ کے کوئی اور چیز ہے؟ (حصائد الالسنہ سے مراد وہ کلام بھی ہے جو دوسروں کے متعلق کہا جاتا ہے) حافظ ابن رجب حنبلی نے حصائد الالسنہ کے معنی جزاء الکلام المحرم وعقوباتہ بیان کئے ہیں، یعنی ناجائز و حرام کلام کی سزا اور عقوبت۔ انسان اپنے قول و عمل سے نیکیوں اور برائیوں کی کاشت کرتا ہے۔ اور قیامت کے دن وہ اپنی کھیتی کاٹتا ہے۔ جو شخص بھلائی کی کاشت کرتا ہے وہ بزرگی اور کرامت کا حاصل پاتا ہے' اور جو برائی کی کاشت کرتا ہے' وہ ندامت کا حاصل پاتا ہے۔ حافظ ابن رجب نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ زبان کا روکنا اس کو قابو میں رکھنا اصل الخیر کلہ ساری بھلائیوں کی اصل ہے' جس کو اپنی زبان پر قابو حاصل ہے اس کو اپنے تمام امور اور معاملات پر قابو ہوتا ہے۔ اس کے تمام معاملات محکم اور مضبوط ہوتے ہیں۔

معاذ بن جبل کی اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لوگ اپنے کلام اور نطق باللسان سے بھی دوزخ میں داخل ہوتے ہیں کیونکہ زبان کے گناہوں میں شرک جو اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ہے' افتراء علی اللہ' تکذیب الرسل، جھوٹی گواہیاں سحر۔ جھوٹ۔ چغلی۔ غیبت اور تمام قولی معاصی بھی داخل ہیں اور اکثر فعلی معاصی بھی۔ کیونکہ اکثر افعال کے ساتھ اقوال بھی مقترن اور ان کے ممد و معین ہیں۔

طبرانی نے اوسط میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے من حفظ لسانہ ستر اللہ عورتہ جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی اور اسی میں یہ روایت بھی ہے لا یبلغ المؤمن حقیقة الایمان حتی یخزن من لسانہ مومن حقیقت ایمان تک نہیں پہنچتا جب تک وہ اپنی زبان کو کلام سے نہ روکے۔

صحیحین میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الرجل لیتکلم بالکلمة ما یتبین ما فیہا یزل بہا فی النار أبعد ما بین المشرق والمغرب آدمی ایک ایسا کلمہ کہتا ہے جس کا ضرر اس پر واضح نہیں اور وہ اس کلمہ کی وجہ سے دوزخ کے اندر مشرق و مغرب کے درمیانی مسافت کی مقدار پہنچ جاتا ہے۔ ترمذی نے روایت کی ان الرجل

لیتکلم بالکلمۃ لایری بھا بأسا یھوی بھا سبعین خریفا فی النار آدمی ایک ایسا کلمہ کہتا جس میں وہ کوئی خرابی نہیں پاتا لیکن اس کلمہ کی وجہ سے ستر برس کی مسافت کی مقدار دوزخ کی گہرائی میں گرتا ہے۔

امام احمد نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الرجل لیدنو من الجنۃ حتی ما یکون بینہ وبینھا الا ذراع فیتکلم بالکلمۃ فیتباعد منھا أبعد من صنعاء آدمی جنت سے اس قدر قریب ہوتا ہے کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر وہ ایک کلمہ کہتا ہے جس کی وجہ سے وہ جنت سے اس قدر دُور ہو جاتا ہے جس قدر صنعاء دُور ہے۔

زبان سے متعلق بہت سارے احکام ہیں جن میں شہادتین، تکبیرۃ الاحرام، اذکار الصلوٰۃ، اذکار حج، اذان، اقامت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، ادائے شہادات، اقرار حقوق، قرأۃ قرآن اور علوم وغیرہ شامل ہیں۔ شریعت کا مدار پانچ احکام پر ہے۔ واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام، ان کا علاقہ ماموراتِ پر عمل اور منہیات کے ترک سے ہے اور وہ یا اقوال ہیں یا افعال۔ نیت بھی عمل قلب ہے۔ پس تمام احکام شریعت کا مرجع اقوال و افعال ہیں اور تمام اقوال کا تعلق زبان سے ہے اور افعال میں بھی بہت کم افعال ایسے ہیں جن کا قول سے تعلق نہ ہو۔ پس زبان کا انسانی اعضاء و جوارح میں عظیم مرتبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موقع امتنان میں فرمایا ألم نجعل لہ عینین ولسانا وشفتین (البلد) کیا ہم نے اس کے لئے دو آنکھیں جس سے وہ دیکھتا ہے اور زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے جو آلۂ نطق ہے جس سے وہ بات کرتا ہے۔ اور نیز فرمایا خلق الانسان علمہ البیان۔ انسان کو پیدا کیا بیان سکھلایا۔ یہی نطق و بیان ہے جو انسان اور دیگر حیوانات میں مابہ الامتیاز ہے۔

غرض لسان اور تعلیم بیان اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کی طرح لسان و قوت بیان بھی اگر ان کی قدر کی جائے، ان کا حق ادا کیا جائے اور ان کا صحیح استعمال کیا جائے تو وہ اللہ کی رحمت کا باعث ہوتی ہیں۔ اگر ان کی قدر نہ کی جائے، ان کا حق ادا نہ کیا جائے اور ان کا صحیح استعمال نہ ہو تو بجائے رحمت کے نقمت، زحمت و عذاب کا باعث ہیں۔

علماء کرام نے اللہ کی نعمتوں کے ذکر میں ہر نعمت کی آفتوں کا بیان بھی ضروری کیا ہے، چنانچہ زبان کی آفتیں بھی گنائی ہیں جن میں خاص طور پر الکلام فیما لا یعنی، کا ذکر بھی کیا ہے لا یعنی سے مراد وہ امور ہیں جو مقصود و مطلوب نہیں، جن کا ارادہ نہیں کیا جاتا اور اسی وجہ سے متکلم کی عنایت اور توجہ ان امور سے متعلق نہیں ہوتی۔ ترمذی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔ حافظ ابن رجب نے بیان کیا کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ ہوئی اور نفس کی نظر میں جو امور اہم نہیں یا جن کی طرف خواہشِ نفسانی کی توجہ نہیں یا جو مطلوب نفس نہیں ان کو ترک کر دیا جائے۔ اس باب میں فیصلہ یا حکم نفس کا نہیں بلکہ اسلام اور شریعت ہی کا حکم اور فیصلہ معتبر ہے۔ اسی لئے اس حدیث میں ترک مالا یعنیہ کو حسن اسلام میں سے شمار کیا گیا ہے جس شخص کا اسلام صفت حسن سے متصف ہے تو وہ اسلام میں جس کی اہمیت نہیں شریعت میں جو مستحسن نہیں اس کو ترک کر دیتا ہے، چاہے وہ قول ہو یا فعل۔ اسلام صرف فعل الواجبات اور فعل المندوبات (مستحبات) کا مطالبہ کرتا ہے۔ غرض مالایعنی سے مراد محرمات و مشتبہات، مکروہات اور وہ مباحات ہیں جن کی حاجت نہیں۔ وہ مسلم جس کا اسلام کامل ہو اور احسان کے درجہ کو پہنچا ہو، ان میں سے کسی امر کی طرف توجہ نہیں کرتا اور نہ اس کا ارادہ کرتا ہے۔ اور احسان کے معنی ہیں ان تعبد ربک کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ وہ اپنے دل سے باری تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے یا وہ اپنے تئیں اللہ کے حضور میں پاتا ہے۔ ایسے شخص سے کوئی ایسا قول و فعل صادر نہیں ہوتا جس کے صدور سے اس کو حیا آئے جو اللہ تعالیٰ کے پاس پسندیدہ نہیں۔ اسی حیا کو شعبۃ من الایمان کہا گیا ہے، یا ایسے ہی ہو گئے ہیں جن کا یہ حال بیان کیا گیا رجال لا تلہیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ، وہ لوگ جنہیں تجارت یا لین دین اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے۔ دست بکار دل بیار، ان کا وصف لازم ہے اور اس وجہ سے ان کا ہر قول و فعل عبادت ہوتا ہے اور اگر وہ ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین کہتے ہیں تو صادقین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

عقیلی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے اکثر الناس ذنوبا اکثرھم کلاما فیما لا یعنی یعنی سب سے زیادہ گنہگار وہ ہے جو لایعنی امور میں کثیر الکلام ہے۔ اردو میں بھی لفظ لایعنی یعنی بیہودہ، ناسزا، لہو و لعب لغو، جیسے معنوں میں مستعمل ہے۔

سہل تستری نے کہا من تکلم فیما لا یعنیہ حُرم الصدق، جو لایعنی امور میں گفتگو کرتا ہے وہ صدق اور سچائی سے محروم رہتا ہے۔

معروف کرخی کا قول ہے کلام العبد فیما لا یعنیہ خذلان من اللہ عزوجل لایعنی امور میں بندہ کی گفتگو اللہ کی نصرت و یاری و یاوری سے بے نصیبی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا من کثر کلامہ کثر سقطہ ومن کثر سقطہ کثرت ذنوبہ ومن کثرت ذنوبہ کانت النار اولیٰ بہ، جو کثیر الکلام ہے اسکی لغزشیں بھی کثیر ہیں جسکی لغزشیں زیادہ ہیں، اور اسکے گناہ بھی زیادہ ہیں۔ اور جس کے گناہ زیادہ ہیں

وہ جہنم کا زیادہ سزاوار ہے۔ حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق کا یہ حال بیان کیا گیا ہے کان یأخذ بلسانہ ویقول ھذا الذی اوردنی الموارد' وہ اپنی زبان پکڑ کر کہا کرتے تھے کہ اس نے مجھے ہلاکت کے مواقع پر پہنچایا ہے ــــ

امام مالک کثرت کلام کو معیوب سمجھتے تھے اور کہتے تھے لایوجد الا فی النساء والضعفاء یعنی کثرت کلام عورتوں اور ضعفاء العقول میں پائی جاتی ہے۔ خبر ماثور میں ہے الخیر کلہ فی ثلاث السکوت والکلام والنظر فطوبی لمن کان سکوتہ فکرۃ وکلامہ حکمۃ و نظرہ عبرۃ ساری بھلائیاں اور اچھائیاں صرف تین امور میں ہیں' سکوت وکلام ونظر۔ پس مبارک ہے وہ جس کا سکوت غور و فکر ہو۔ جس کا کلام حکمت ہو۔ اور جس کی نظر عبرت واعتبار ہو۔

آفاتِ لسان میں سب سے نمایاں جھوٹ' جھوٹی شہادت' فحش اور قول الفجور' دشنام دہی' غیبت' چغلی نفاق' قول مالایفعل' افترا و بہتان۔ لوگوں کے ایسے نام رکھنا جس سے ان کو دکھ ہو۔ دو مسلمانوں یا دو مسلم جماعتوں میں دشمنی پیدا کرنا' جماعت میں افتراق' کسی مسلمان کی تحقیر' اور عیب جوئی' خودستائی اور استکبار۔ کسی کے راز کو فاش کرنا' فریب دینا' ٹھٹول اور استہزاء اور اس جیسی بہت سی باتیں آفاتِ لسان میں شامل ہیں۔

ان تمام برائیوں کو بالکل سہل معمولی' ناقابلِ اعتنا سمجھا جاتا ہے' ان سے بے پروائی برتی جاتی ہے اور کبھی تو ان کو نمک صحبت قرار دیا جاتا ہے۔ اسلامی اخلاق اور کردار سے ان کو کوئی مناسبت نہیں۔ دونوں ایک جا جمع نہیں ہو سکتی۔ ان برائیوں کو سہل اور معمولی سمجھنے کی وجہ سے ہمارے معاشرہ میں عام طور پر پھیل گئی ہیں اور ان برائیوں کو برائی نہیں سمجھا جاتا' ہم نے اسلامی اخلاق وکردار ضائع کر دیے اور خود اپنی نظر میں اپنا اعتبار کھو دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام برائیاں نصوص کتاب و سنت کی دلیلوں سے حرام ہیں اور اسی طرح حرام ہیں جیسے چوری' زنا' شراب خواری کسی پر زنا کی تہمت لگانا ڈکیتی حرام ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ چوری' زنا' شراب خوری قذف اور قطع طریق کی دنیوی عقوبتیں معین ہیں۔ ثبوت جرم وجنایت کے بعد یہ معین حدود وعقوبات توبہ کے باوجود عائد ہوتے ہیں اور دنیوی عقوبت سے بچاؤ ممکن نہیں۔ اگر توبہ نہیں کی گئی تو عقوبت دنیوی کے ساتھ عقوبت اخروی کا جو عقوبت کاملہ ہے مستحق ہوتا ہے۔ آفاتِ لسان کے ضمن میں جن حرام امور کا ذکر کیا گیا ان کی کوئی دنیوی عقوبت مقرر نہیں کیونکہ ان محرکات کے ارتکاب میں معصیت باری تعالے کے ساتھ حقوق العباد کی حق تلفی بھی متعلق ہے اور اس کے لئے اس کی عقوبت بھی زیادہ سنگین اور زیادہ کامل ہے۔

دنیوی عقوبت سے کبھی گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے لیکن یہ گناہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے جن کی حق تلفی کی

گئی، ان کی معافی حاصل نہ ہو تو بہرحال عذاب کا مستحق رہتا ہے۔ جان و مال کے ساتھ مومن کی عزّت بھی محترم ہے۔ اس حرمت کا اس بات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جان و مال کی حق تلفی میں النفس بالنفس اور الجروح قصاص اور قطع ید کے بعد کوئی دوسری دنیوی سزا نہیں لیکن کسی پہ زنا کی تہمت لگانے کی سزا میں اسّی کوڑے لگائے جانے کے بعد بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہ مردود الشہادہ قرار دیا جاتا ہے ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا۔

بزرگوں کا یہ مشہور مقولہ ہے خیر الکلام ما قل ودل، سب سے اچھا کلام وہ ہے جو مختصر ہو اور مقصود کلام پہ پوری طرح دلالت کرتا ہو۔ میری گفتگو طویل ہوگئی اور حشو و زوائد سے مملو ہے۔ میرا کلام ما قل ودل کا مصداق نہیں۔ میں اپنی عادت سے مجبور تھا۔ بات سے بات پیدا ہوتی گئی اور کلام طویل ہوگیا۔ کثرتِ کلام سے خود محفوظ نہ رہ سکا اور اپنے طلبہ کو کثرت کلام سے احتراز اور پرہیز کرنے کی نصیحت کر رہا ہوں۔ اس جرأت کا باعث صرف یہ مخلصانہ معذرت ہے ؂

من نہ کردم شما حذر بکنید۔ آفات لسان سے محفوظ رہنے کی ابھی سے مشق کرو، خوب مشق کرو۔ یہ آسان نہیں۔ اس میں نفس کی مخالفت کی تین منزلوں میں سے :-

لب بہ بند۔۔ و چشم بند و گوش بند
گر نہ بینی سرّ حق بر ما بخند

کی پہلی منزل میں قدم رکھنے کا عزم کرتے ہیں۔

چشم و گوش کے مقابلہ میں لب کشائی یا لب بندی کا ہمیں زیادہ اختیار ہے، اس لئے قہر نفس کی پہلی منزل ہے۔ پس ضروری ہے کہ اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھیں۔ بلاضرورت کثرت کلام سے پرہیز کریں۔

لب کشائی سے پہلے اچھی طرح سوچ لیں کہ کیا کہنا چاہیئے اور کس طرح کہنا چاہیئے۔ صرف ذکر الٰہی، دیگر اذکارِ مسنونہ، مذاکرۂ علمی اور اپنی ضروریاتِ زندگی کے وسائل مشروعہ کی طلب میں اپنی زبان کھولیں۔ جن معاملات کا تم سے کوئی علاقہ نہیں یا ان کی تمہیں حاجت نہیں ان کو لایعنی سمجھ کر ترک کر دیں۔ گپ شپ میں اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ وقت اللہ کی امانت ہے۔ ہر لمحہ کے استعمال کے لئے ہم جواب دِہ ہیں۔ بزرگوں نے صیانت وقت کے لئے پاس انفاس کا طریقہ تجویز کیا ہے اس طریقہ پہ عمل ہو تو کیا ہی اچھی بات ہے۔

تحصیل علم کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صلاحیت پیدا ہو تو صرف ابتغاء لوجہ اللہ اس فریضہ کی طرف متوجہ ہوں اور مسنون طریقہ پر لوگوں کو حکمت و موعظہ حسنہ کے ذریعے سبیل اللہ پر چلنے کی دعوت دیں اور اس حدیث کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلیقل خیرا او لیصمت جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے چاہیئے کہ وہ صرف خیر اچھی درست بات کہے اور یہ ممکن نہ ہو تو خاموش رہے۔ ....

ترجمہ و تلخیص :-

مولوی حافظ بشیر الحق قریشی ادھونی

استاذ دار العلوم

لطیفیہ

سوال ۳

درصورت ثبوت ایں مسئلہ بدلائل شرعیہ منکر آں کافر یا فاسق گردیدن ضروری است یا نہ ؟

جواب ۳ سوال سویم آنکہ ہر چہ از دلیل شرعی ثابت گردد منکر آں کافر یا فاسق شدن ضرور نیست زیرا کہ منکر فرض غیر متفق کافر نمی گردد بلکہ فاسق می شود وہکذا منکر واجب غیر متفق فاسق نمی گردد، نزد مجتہد یکہ وجوب او ثابت نبود، وہکذا منکر سنتے کہ ثبوت آں بخبر متواتر وخبر مشہور نیست بلکہ بخبر واحد است کافر و فاسق نمی شود بلکہ بدعتی و مسئی گردد وھکذا منکر مستحبے کہ ثبوت استحباب او بحدیث نیست نہ کافر است نہ فاسق نہ مبتدع نہ مسئی ۔ کذا فی کتب الاصول و مفتاح الصلوٰۃ ۔

اکنوں باید دانست کہ مسئلہ وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود بقیاس مجتہدان باطن، و مسئلہ اثنینیت وجود بوجود اصلی بقیاس مجتہدان ظاہر مستنبط گردیدہ است، پس ایں ہر ۳ مسئلہ از مسائل اجتہاد یہ اہل سنت است و اختلاف دراں ہمچو اختلاف مذاہب اربعہ

سوال ۳ مسئلہ وحدت الوجود دلائل شرعیہ سے ثابت ہونے کی صورت میں اس کے منکر کو کافر یا فاسق قرار دینا ضروری ہے یا نہیں ؟

جواب ۳

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جو چیز دلیل شرعی سے ثابت ہو، اس کا انکار کرنے والا کافر یا فاسق ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ فرض غیر متفق کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوتا ہے بلکہ فاسق ہوتا ہے، اور اسی طرح واجب غیر متفق کا انکار کرنے والا فاسق نہیں ہوتا جس کا وجوب کسی مجتہد کے نزدیک ثابت نہ رہے ۔ اور اسی طرح ایسی سنت کا انکار کرنے والا جس کا ثبوت خبر متواتر اور خبر مشہور سے نہیں بلکہ خبر واحد ہے، کافر اور فاسق نہیں ہوتا بلکہ بدعتی اور گنا ہگار ہوتا ہے اور اسی طرح ایسے مستحب کا انکار کرنے والا جس کا ثبوت استحباب حدیث سے نہیں ہے وہ نہ کافر ہے نہ فاسق، نہ بدعتی نہ گنہگار جیسا کہ اصول کی کتابوں اور مفتاح الصلوٰۃ میں ہے ۔

اب جاننا چاہیئے کہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا مسئلہ مجتہدان باطن کے قیاس سے اور وجود کی اثنینیت کا مسئلہ وجود اصلی سے مجتہدین ظاہر کے قیاس سے مستنبط ہے ۔ یہ تینوں مسئلے اہل سنت کے اجتہادی مسائل میں سے ہیں اور ان میں اختلاف، مذاہب اربعہ کے اختلاف کے مانند ہے جیسا کہ اس کی

کما مرّ فی جواب السوال الاول۔

اما قیاس مقلد عامی در ادلۂ شرعیہ دخلے ندارد و مثبت احکام شرعیہ نہ بود۔ کذا فی کتب الاصول۔

امام ربّانی در مکتوب پنجاہ و پنجم جلد دویم می فرماید: معتبر در اثبات احکام شرعیہ کتاب و سنت است و قیاس مجتہدان و اجماع امت، نیز مثبت احکام است بعد ایں چہار ادلۂ شرعیہ ہیچ دلیلے مثبت احکام شرعیہ نمی تواند شد۔ انتہی۔

پس مقلد بجز تقلید مجتہد چارہ نہ دارد و در اختیار یکے ازیں اختلافات اجتہادیہ مختار بود۔ اما در طعن و انکار مطعون و ملام و مکلف و معزّر است، مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی در مکتوب موسومہ مولوی نور اللہ می فرماید:۔

ہر کہ از قائلان توحید وجودی پا از جادۂ اعتدال بیروں نہادہ نوبت الحاد و زندقہ رساند البتہ ضالّ و گمراہ می گردد و ہمچنیں اگر کسے از قائلان توحید شہودی پا از جادۂ اعتدال بیروں نہادہ تکفیر و تضلیل جمع کثیر از علماء و صوفیہ نماید البتہ مطعون و ملام است۔ انتہی۔

و نیز مولانا در فتوئ خود می نگارد عامی کہ ہنوز باین مرتبہ یعنی مرتبہ صوفیہ صافیہ نرسیدہ

تفصیل پہلے سوال کے جواب میں گذر چکی ہے۔

لیکن ادلۂ شرعیہ میں کسی عامی مقلد کا قیاس کوئی دخل اور وزن نہیں رکھتا جیسا کہ اصول کی کتابوں میں ہے۔

امام ربّانی جلد دوّم کے ۵۵ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں احکام شرعیہ کے اثبات میں معتبر کتاب اور سنت ہے اور مجتہدین کا قیاس و اجماع امت بھی مثبت احکام ہے۔ ان چار ادلۂ شرعیہ کے بعد کوئی دلیل احکام شرعیہ کی مثبت نہیں ہو سکتی۔

مقلد، مجتہد کی تقلید کے سوا چارہ نہیں رکھتا ہے البتہ ان اختلافات اجتہادیہ (مذاہب اربعہ) میں سے کسی ایک مذہب کو پسند کرنے کا مختار ہے لیکن طعن اور انکار کی صورت میں تعزیر و ملامت اور سرزنش کے قابل ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولوی نور اللہ کے نام لکھے ہوئے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔ قائلین توحید وجودی میں سے جو شخص بھی جادۂ اعتدال سے پیر باہر رکھے تو نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچا دے گی۔ ضرور ضال اور گمراہ ہو جاتا ہے اور اسی طرح قائلین توحید شہودی میں کوئی شخص جادۂ اعتدال سے قدم باہر رکھتے ہوئے علماء و صوفیاء کے گروہ کثیر کی تکفیر و تضلیل کرے تو ضرور قابل طعن و ملامت ہے۔

و نیز مولانا اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں کہ ایک عامی شخص جو ہنوز صوفیائے صافیہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچا ہے

ونہ عالم متکلم شدہ مکلف است باآنکہ اجمالا بداند
کہ صوفیہ صافیہ آنچہ گفتہ اند حق است وفہم من بآں
نمی رسد مثل ایمان بمتشابہاتِ قرآن ۔ انتہیٰ ۔

و ملا علی قاری در رسالہ "سمّ القوارض" می
گوید واما ما اشتہر بین الحنفیۃ اذا انتقل الی
مذہب الشافعی یعزر واذا کان الامر بالعکس
یخلع فہو قول مبتدع ومخترع نعم لو انتقل
طاعنا فی مذہبہ الاول سواء کان حنفیا
اوشافعیا یعزر فتدبر ۔ انتہیٰ

مجتہد ومجدد قرن نہم حافظ احادیث
نبوی شیخ جلال الدین سیوطی در "جزیل المواہب
فی اختلاف المذاہب" می فرماید ومن العجب ایضا
من یاخذ فی تفضیل بعض المذاہب علی
بعض تفضیلا یودی الی تنقیص المفضل
علیہ وسقوطہ وربما ادی الی الخصام بین
السفہاء وصارت عصبیۃ وحمیۃ
الجاہلیۃ والعلماء منزہون عن ذلک ۔
وقد وقع الاختلاف فی الفروع بین
الصحابۃ وہم خیر الامۃ فما
خاصم احد منہم احدا ولا عادی
احد احدا ولا نسب احد احدا الی
الخطا والقصور ۔ انتہیٰ ۔

اور نہ عالم متکلم ہے ۔ وہ اس بات کا مکلف ہے، کہ
اجمالی طور پر جانے کہ صوفیہ صافیہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حق
ہے اور میرا فہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتا متشابہات قرآن پر ایمان کی طرح

ملا علی قاری "رسالہ سمّ القوارض" میں فرماتے ہیں
کہ احناف کے درمیان یہ بات جو مشہور ہے وہ قول مخترع
و مبتدع ہے کہ اگر حنفیہ، شافعی مذہب کی جانب
منتقل ہو جائیں تو ان کی تعزیر کی جائے ۔ اور اگر
شافعیہ مذہب حنفی کی طرف منتقل ہو جائیں تو ان کو معزول
کیا جائے ۔ ہاں اگر یہ انتقال مذہبِ اول سے سرکشی و طغیانی
کی وجہ سے ہو تو ضرور تعزیر کی جائے خواہ وہ حنفی ہو یا شافعی ۔

—— نویں صدی ہجری کے مجدد و مجتہد اور احادیث نبوی کے
حافظ شیخ جلال الدین سیوطی "جزیل المواہب فی اختلاف المذاہب"
میں فرماتے ہیں ، یہ بات بڑی تعجب خیز ہے کہ کچھ لوگ اس طرح سے
بعض مذاہب کی فضیلت بیان کرتے ہیں کہ اس سے دوسرے
مذاہب کی تنقیص لازم آتی ہے اور اس سے بسا اوقات بے علم
نادانوں کے درمیان خصومت و دشمنی اور جنگ جدال کی فضا
پیدا ہو جاتی ہے اور یہ چیز تعصب و حمیت جاہلیہ کا سبب
بن جاتی ہے ۔ البتہ علماء کا دامن اس قسم کی آلودگیوں سے
پاک و صاف ہے ۔ اور بے شک مسائل فروعیہ میں صحابہ کرام
کے درمیان بھی اختلافات رونما ہوئے ، حالانکہ یہ حضرات
خیر امت ہیں، لیکن انہوں نے کبھی آپس میں ایک دوسرے
سے دشمنی و عداوت نہیں کی اور نہ ہی ایک دوسرے کو خطا
اور غلطی سے منسوب کیا ۔

ازین بیان هویدا شد که هرچه از دلیل
شرعی ثابت گردد منکر آن کافر یا فاسق شدن
ضرور نیست و مقلد عامی در اختلافات اجتهادیه
طعن مطعون ملام و مکلف و معزر است۔

سوال ۴ در صورت ثبوت آن بکشف والهام بر دیگران حجت می تواند شد یا نه۔؟

جواب ۴ سوال چهارم آن که
مسئله وحدة الوجود کشف مجرد نیست تا دیگران
را حجت نباشد بلکه کشف مدلل است و دلائل
عقلیه و نقلیه بر وی قایم است پس چگونه
حجت نمی تواند شد مولانا شاه عبدالعزیز دهلوی
در فتوی خود می فرماید۔

وحدة الوجود حق و مطابق واقع است
چرا که دلایل عقلیه و نقلیه بران قایم است چنانچه
در رساله "ادلة التوحید" شیخ علی مهایمی گجراتی
مشروح و مبسوط است ۔ انتهیٰ۔

خصوصًا بیان این مسئله و ادلۂ آن
در "اجلة التائید شرح ادلة التوحید" که از مولانا
شیخ ابراهیم کردی است باید دید و معهذا
چند ادله در جواب سوال پنجم خواهند آمد
ازین هویدا شد که مسئلۂ وحدة الوجود کشف

اس بیان سے ظاہر ہوا کہ جو دلیل شرعی سے ثابت
ہو اس کا منکر کافر یا فاسق ہونا ضروری نہیں اور کوئی
عامی مقلد اختلافاتِ اجتہادیہ میں انکار و طعن کرے
تو وہ مطعون اور قابلِ ملامت و سرزنش ہے۔

سوال ۴ مسئلہ وحدة الوجود کشف والہام سے ثابت ہونے کی صورت میں دوسروں پر حجت ہوسکتا ہے یا نہیں ؟

جواب ۴ چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ
مسئلہ وحدت الوجود کشف مجرد نہیں کہ دوسروں پر
حجت نہ ہوگا۔ وہ تو کشف مدلل ہے جس پہ دلائل
عقلیہ و نقلیہ قائم ہیں۔ پھر کیسے حجت نہیں
ہوسکتا۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے
فتوی میں فرماتے ہیں۔

وحدة الوجود حق اور واقع کے مطابق ہے
کیونکہ اس کے ثبوت پہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ قائم ہیں
جیساکہ شیخ علی مہایمی گجراتی کی تصنیف "ادلة التوحید"
میں مشروح اور مبسوط ہے۔

بالخصوص اس مسئلہ کی تفصیل اور اس کے دلائل
کتاب "اجلة التائید شرح ادلة التوحید" میں دیکھنا چاہیئے۔
جو شیخ ابراہیم کردی کی تصنیف ہے۔ اس کے ساتھ
چند دلائل پانچویں سوال کے جواب میں پیش کئے جائینگے۔
اس بیان سے واضح ہوا کہ مسئلہ وحدة الوجود

مجرد نیست بلکہ کشف مدلل ہست دیگراں را حجت
می تواند شد۔

سوال ۵۔ و صاحب کشف را عرض کشف خود بر قرآن
و حدیث لازم ہست یا نہ ؟

جواب ۵۔ سوال پنجم انکہ
آری صاحب کشف را عرض کشف خود بر قرآن
و حدیث و شرع شریف لازم ہست برائے
ہمیں صاحبان کشف۔ پس از عرض کشف خودہا
دلایل بسیار یافتہ اند۔ اما از قرآن مجید
اینما تولوا فثم وجہ اللہ سنریہم
ایاتنا فی الآفاق و فی انفسہم حتی یتبین
لہم انہ الحق اولم یکف بربك انہ علیٰ
کل شیئ شہید الا انہم فی مریۃ من لقاء
ربہم الا انہ بکل شیئ محیط، ھو
الاول والآخر والظاہر والباطن وھو
بکل شیئ علیم ونحن اقرب الیہ
منکم ولکن لا تبصرون ونحن اقرب الیہ
من حبل الورید وھو معکم اینما کنتم
وفی انفسکم افلا تبصرون واذا سألك عبادی
عنی فانی قریب وما رمیت اذ رمیت ولکن
اللہ رمی وکان اللہ بکل شیئ محیط اللہ نور
السموات والارض وکل شیئ ھالك الا

کشف مجرد نہیں بلکہ کشف مدلل ہے جو دوسروں پر
حجت ہو سکتا ہے۔

سوال ۵۔ صاحب کشف کو اپنا کشف قرآن و سنت
پر پیش کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟

جواب ۵۔ پانچویں سوال کا جواب یہ
ہے کہ ہاں۔ صاحب کشف کو اپنا کشف قرآن و
حدیث اور شریعت کے مقابل پیش کرنا لازم ہے۔
اسی لئے صاحبانِ کشف نے اپنے کشف کو قرآن و حدیث
کے مقابل پیش کرنے سے بہت سی دلیلیں پائے ہوئے ہیں۔
چنانچہ قرآن مجید سے یہ ہیں۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ
تم جدھر منہ کرو ادھر وجہ اللہ ہے (خدا کی رحمت تمہاری
طرف متوجہ ہے) سنریہم ایاتنا فی الافاق الخ ہم انکو
دکھلائیں گے اپنے نمونے دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں
یہاں تک کہ اُن پر کھل جائے کہ یہ ٹھیک ہے۔ کیا تمہارے
رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں۔ سنو۔ انہیں ضرور اپنے
رب سے ملنے میں شک ہے۔ سنو وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔
ھو الاول والآخر الخ وہی ہے اول وہی آخر وہی ظاہر وہی
باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے نحن اقرب الیہ الخ اور ہم اس
کے پاس ہیں تم سے مگر تمہیں نگاہ نہیں۔ ونحن اقرب الیہ من
حبل الورید اور ہم شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں وفی انفسکم
افلا تبصرون۔ اور وہ خود تمہارے نفوس میں ہے کیا تمہیں سوجھتا نہیں
واذا سالك عبادی الخ اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں

وجهه وکل من علیها فان ویبقیٰ
وجه ربك ذوالجلال والاکرام۔
الی غیر ذلك من الایات الکریمة۔

واما از احادیث شریف اصدق
الکلمة ما قالت لها العرب کلمة لبید۔

الا کل شیٔ ما خلا الله باطل
وکل نعیم لا محالة زایل

ولا یزال عبدی یتقرب الی
بالنوافل حتی احبه فاذا احببته
کنت سمعه الذی یسمع به
وبصره الذی یبصر به ویده التی
یبطش بها ورجله التی یمشی بها
وان احدکم اذا قام الی الصلوٰة
فانما یناجی ربه فان ربه بینه
وبین القبلة وان الله یقول
اذا مرضت فلم تعدنی وجعت
فلم تطعمنی الی اخر الحدیث۔

و در باب بیست وپنجم
انجیل متی نیز همچنین آمده است۔

تو میں نزدیک ہوں۔ وما رمیت اذ رمیت الخ اے محبوب، وہ خاک
جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی وکان اللہ
بکل شیئ محیط اور ہر چیز پر اللہ کا قابو ہے۔ اللہ نور السموٰت
والارض اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا کل شیئ ھالك الا
وجهه ہر چیز فانی ہے سوائے اسکی ذات کے ویبقی وجه
ربك ذوالجلال والاکرام اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات
عظمت اور بزرگی والا۔ اور احادیث شریف میں یہ ہیں۔ اہل عرب
کی باتوں میں سب سے زیادہ سچی بات، لبید کا قول ہے:

الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل وکل نعیم لا محالة زائل
اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے اور لا محالہ ہر نعمت زائل ہونے
والی ہے ولا یزال عبدی الخ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ قرب
حاصل کرتا رہتا ہے تو میں اسکو محبوب بنا لیتا ہوں۔ جب اس کو محبوب
بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ
سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا
ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا
پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

وان احدکم اذا قام الخ۔ اور بے شک تم میں سے کوئی
شخص جب نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے تو وہ یقیناً اپنے رب سے
مناجات کرتا ہے بلاشبہ اس کا رب اسکے درمیان اور قبلہ کے
درمیان ہوتا ہے۔ وان اللہ یقول اذا مرضت الخ بے شک
اللہ بندہ سے کہے گا جب میں مریض ہوا تو تو نے میری عیادت
نہیں کی اور میں بھوکا رہا تو مجھے کھلایا نہیں (بندہ کہے گا

وروی الترمذی فی حدیث طویل والذی نفس محمد بیدہٖ لو انکم دلیتم بحبل الی الارض السابعۃ السفلی لھبط علی اللہ ثم قرأ صلی اللہ علیہ وسلم ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئ علیم الی غیر ذلک من الاحادیث الصحیحۃ ۔

شیخ ابراھیم کردی، در اجلۃ التائید فی شرح ادلۃ التوحید می فرماید: والجمھور اولوھا ای الآیات والاحادیث فقالوا المراد بالوجہ التوجہ فی الصلوٰۃ وفی قولہ انہ الحق ان خالقھا الحق وبالاحاطۃ العلم وبالظھور کثرۃ الدلائل وبالقرب المعیۃ العلم وبنسبۃ الرمی الاقدار علیہ وبقولہ کنت سمعہ وبصرہ کونہ سامعا الآیات الحق مبصرًا لھا وبقولہ لھبط علی اللہ علی متعلق علمہ ولا یخفی انھا خلاف الظاھر مع بقاء وجہ الاستدلال فی البعض فرارا من الشبھات شبھۃ

پروردگار تو کیسے بیمار ہو سکتا ہے تو تو دوسروں کو بیماری سے نجات دیتا ہے' اللہ کہے گا' بے شک ٹھیک ہے لیکن فلاں وقت میرا فلاں بندہ بیمار تھا' اگر تو اسکی عیادت کرتا تو وہاں مجھے پالیتا یعنی میری خوشنودی حاصل کرتا ۔

اور انجیل متی کے ۲۵ ویں باب میں بھی یہی بات آئی ہوئی ہے اور ترمذی نے ایک طویل حدیث کی روایت کی ہے والذی نفس محمد الخ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص رسی کو ساتویں زمین کی طرف ڈال دے تو اللہ پر ہی اترے گی یعنی اللہ ہر شئی پر محیط ہے۔ پھر حضور اکرمؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئ علیم۔

ان صحیح احادیث کے علاوہ بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

شیخ ابراھیم کردی: اجلۃ التائید فی شرح ادلۃ التوحید میں فرماتے ہیں کہ جمہور متکلمین نے مذکورہ آیات واحادیث کی تاویل کی ہے۔ چنانچہ ان کی تصریحات یہ ہیں:

آیت فاینما تولوا فثم وجہ اللہ میں "الوجہ" سے مراد توجہ فی الصلوٰۃ ہے۔

اور آیت حتیٰ یتبین لھم انہ الحق میں "الحق" سے مراد اس کا خالق ہے۔

اور آیت بکل شیئ محیط میں احاطہ سے مراد علم ہے اور آیت ھو الاول والآخر والظاھر سے کثرت دلائل مراد ہے۔

وحدۃ الوجود او الحلول اوغیرھما وسنرفعھا باثبات وحدۃ الوجود فلا یکون شبھۃ معدودۃ من الشبھۃ الموجبۃ للتاویل انتہیٰ۔

وامام ربانی باں کہ دریں مسئلہ مخالف ہست در مکتوب دولیست وہشتاد وششم جلد اول اعتراف می نماید باں کہ از ظہور آیات واحادیث توحید وجود مفہوم می شود وہمچنیں احاطہ وسریان وقرب ومعیت معلوم می گردد، بلکہ بزرگان وحدۃ وجود را وجداناً در خودھا یافتہ اند۔

قیصری در "مقدمۂ تائیۃ" میگوید المفھوم من الوجود لیس الا شئ واحد والمکابر منازع بوجدانہ اما ثبوت وحدۃ الوجود بدلائل عقلیہ از تصانیف شیخ اکبر محی الدین ابن عربی وشیخ کبیر صدر الدین قونوی وادلۃ التوحید، فقیہ علی مہایمی گجراتی وشرح ادلۃ التوحید، شیخ ابراہیم کردی، ومقدمۂ شرح فصوص قیصری وغیرہا باید طلبید واقوال

اور آیت نحن اقرب الیہ من حبل الورید میں "قرب" سے مراد معیت اور علم ہے۔ اور وما رمیت اذ رمیت کی آیت میں اللہ کا اپنی طرف رمی کی نسبت کرنے سے مراد حضورؐ اکرم کو قوت عطا کرنا ہے۔ اور حضورؐ کی حدیث کنت سمعہ وبصرہ سے آیات الٰہیہ کو دیکھنے اور سننے والا مراد ہے اور لھبط علی اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے علم سے نازل ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ساری تاویلات وحدۃ الوجود یا حلول وغیرہ کے شبہات سے بچنے کے لیے کی گئی ہیں لیکن یہ سب ظاہر کے خلاف ہیں اور بعض آیات اور احادیث کے اندر استدلال کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ ہم ان سارے شبہات کو وحدۃ الوجود کے اثبات سے دور کریں گے جس کے بعد کوئی ایسا شبہ باقی نہیں رہیگا جو تاویل کا متقاضی ہو۔

امام ربانی باوجود اس کے کہ اس مسئلہ کے اندر مخالف ہیں، جلد اول کے ۲۸۶ ویں مکتوب میں اعتراف کرتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ ظہور آیات واحادیث سے وجود کا ایک ہی ہونا معلوم ہوتا ہے اور اسی طرح سریان، قرب اور معیت معلوم ہو رہا ہے بلکہ اہل اللہ تو وحدۃ الوجود کو بطریق وجدان اپنے اندر پائے ہوئے ہیں۔

قیصری "مقدمۂ تائیۃ" میں فرماتے ہیں۔ وجود میں سے جو سمجھ میں آتا ہے وہ صرف ایک ہی چیز ہے۔ اس کا مکابرہ کرنے والا اپنے وجدان سے نزع وخلاف کرنیوالا ہے۔

اگر دلائل عقلیہ سے وحدۃ الوجود کا ثبوت

عرفاء و علماء حدے و حصری ندارند۔

اما چند اقوال علماء متاخرین کہ دریں قرن سیزدہم گذشتہ اند۔ پس از اجوبہ اسئلہ منقول خواہد کردید۔ ازیں بیان آنچہ ارباب کشف عرض کشف خودہا بر شریعت غرّا کردہ اند ہویدا کردید۔

سوال :-

دراین جا چندکس رد و انکار مسئلہ وحدۃ الوجود می نمایند و طعن و تشنیع و تضلیل و تکفیر شیخ ابن عربی، ملا نورالدین جامی و سائر قائلان وحدۃ الوجود می کنند۔

این طعن و تشنیع و تضلیل و تکفیر مردم را می رسد یا نہ ؟

جواب ۶

سوال ششم آنکہ وجودیہ و شہودیہ و متکلمین این ہر سہ طایفہ از اہل سنت و جماعت اند و اختلافے کہ درمیان اہل سنت بسبب تفاریق توحید وجودی و توحید شہودی واقع شدہ مانند اختلاف سنی و رافضی یا سنی و خارجی نیست تا تضلیل و تکفیر احد المجتہدین از جانبین باشد بلکہ مانند اختلاف مذاہب اربعہ است کما مرّ فی الجواب

چاہیئے تو ان بزرگوں کی تصنیف کا مطالعہ کریں۔

شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ کبیر صدرالدین قونوی کی تصانیف اور شیخ فقیہہ علی مہایمی گجراتی کی کتاب "ادلۃ التوحید" اور شیخ ابراہیم کردی کی کتاب "شرح ادلۃ التوحید" اور قیصری کی کتاب "مقدمہ شرح فصوص الحکم" وغیرہ۔

صوفیاء اور علماء کے اقوال کی کوئی حد اور حصر نہیں ہے البتہ علمائے متاخرین (جو تیرھویں صدی ہجری میں گذرے ہیں) کے چند اقوال تمام سوالات کے جوابات کے بعد نقل کئے جائیں گے۔ اس تفصیل سے وہ سب کچھ واضح ہوگا، جو ارباب کشف اپنے کشف کو شریعت کے مقابل پیش کئے ہوئے ہیں۔

سوال ۶ :- اس جگہ چند افراد مسئلہ وحدت الوجود کا

رد و انکار کر رہے ہیں اور ابن عربی، جامی اور تمام قائلانِ وحدۃ الوجود کی تکفیر و تضلیل اور طعن کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی طعن و تشنیع اور تکفیر و تضلیل ان لوگوں کو پہنچتی ہے یا نہیں ؟

جواب ۶

چھٹے سوال کا جواب یہ ہے کہ وجودیہ شہودیہ اور متکلمین یہ تینوں گروہ اہل سنت و جماعت میں سے ہیں اور جو اختلاف کہ اہل سنت کے درمیان توحید وجودی اور شہودی کے فرق و امتیاز کے باعث واقع ہوا وہ اختلاف سنی اور رافضی یا سنی اور خارجی کے اختلاف کی طرح نہیں ہے کہ جانبین سے ایک دوسرے کی تکفیر و تضلیل کی جائے بلکہ انکے درمیان واقع شدہ اختلاف مذاہب اربعہ

الاول مع الاسناد پس ازاں باید دانست
کہ شیخ الہند عبدالحق دہلوی "در تکمیل الایمان"
می فرماید کہ در حدیث آمدہ است کہ ہر کہ دیگری
را کافر گوید، اگر وے در نفس الامر کافر نبود
قائل بالفعل کافر گردد۔ انتہیٰ۔

وصاحب "تنبیہ الضالین" می گوید
شرع محمدی میں تو متفق علیہ مسئلہ ہے
کہ کسی مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت
کرنا بغیر پائے دلیل قطعی کے حرام ہے۔
تکفیر کا تو ذکر۔ وہ تو ایک نہایت دشوار
مقدمہ ہے کہ تکفیر ادنیٰ مومن کی کفر ہے۔
چہ جائے کہ علماء با عمل قاطع شرک و بدعت
کی۔ خصوص سادات جلیل القدر کی کہ اجزاء
رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم کی ہیں اشد
کفر ہوگا کیونکہ اولاد بتول رضی اللہ عنہا
بحکم آیۂ تطہیر مانند اہل بدر کے مغفور ہیں۔

ونیز دروہے می گوید: اور ابن
حجر مکی "صواعق" میں یہ حدیث شریف لکھے ہیں
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من
لم یعرف حق عترتی فلاحدی ثلاث
اما منافق واما ولد زنیۃ واما حملتہ

کے اختلاف کے مانند ہے جیسا کہ پہلے سوال کے جواب
میں اسناد و دلائل کی روشنی میں سپرد قلم کیا گیا ہے۔
لہٰذا اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ شیخ عبدالحق
دہلوی "تکمیل الایمان" میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں
وارد ہے کہ جو شخص کسی دوسرے شخص کو کافر کہے۔ اگر
وہ نفس الامر میں کافر نہ رہے تو کہنے والا خود ہی
اسی وقت کافر ہو جاتا ہے۔

اور صاحب "تنبیہ الضالین" فرماتے ہیں:۔
شریعت میں متفق علیہ مسئلہ ہے کہ بغیر دلیل قطعی
پائے کہ کسی بھی مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت
کرنا حرام ہے۔ تکفیر کا کیا ذکر، وہ تو ایک نہایت دشوار
بات ہے۔ ادنیٰ مومن کی تکفیر کفر ہے۔ چہ جائیکہ علماء
باعمل کی جو شرک اور بدعت کا قلع قمع کرنے والے
ہیں اور سادات جلیل القدر کی جو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے اجزاء ہیں، اشد کفر ہوگا کیونکہ اولاد
بتول رضی اللہ عنہا بحکم آیۂ تطہیر مانند اہل بدر کے
مغفور ہیں۔

و نیز صاحب تنبیہ الضالین اسی میں فرماتے ہیں
ابن حجر مکی نے "صواعق" میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ
حضور اکرم نے فرمایا "جو شخص میری آل کا حق نہ
پہچانے وہ ان تین صورتوں میں سے ایک ہوگا۔ یا وہ
منافق ہے یا ولد الزنا ہے یا اس کی ماں کو

امہ فی غیر طھر یعنی فرمائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم، جو شخص کہ میری آل کا حق نہ پہچانا سو ان تین وجہوں سے ایک وجہ ہو گا یا وہ منافق ہے یا ولد الزنا ہے یا اسکی ماں کو حیض کے وقت حمل رہا ہے۔

ونیز در روے می گوید: اور ملا علی قاری "شرح فقہ اکبر" میں لکھے ہیں من قال لعلوی علیو یا قصدا للاستخفاف فقد کفر یعنی جو کوئی کسی سید کو حقارت سے چھوٹا سید کہے گا تو کافر ہے۔ انتہیٰ۔

دریں جا قیاس باید نمود کہ کفر مکفر ہزارہا اولیاء کرام وسادات وعلماء عظام در کدام قوت خواہد بود، نعوذ باللہ من ذالک چوں اشاعت فاحشہ وتفضیح فاسق در شریعت حرام ومنکر است۔ پس تکفیر روس اسلام وتشہیر تکفیر اعلام چہ باشد بریدون ان یطفؤا نور اللہ با فواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ المجرمون۔ تکفیر بدترین دشنامہا است بریں امر رذیل وشنیع ہیچ کس اقدام نکند مگر کسیکہ دلش مریض وباطنش خبیث بود باید کہ مومن ازیں افراط وتفریط اجتناب نماید واز بربادی ایمان خود بترسد۔

(انشاءاللہ بقیہ اگلے شمارہ میں ملاحظہ کیجئے)

حیض کے وقت حمل رہا ہے۔

ونیز صاحب "تنبیہ الضالین" اسی میں فرماتے ہیں ملا علی قاری "شرح فقہ اکبر" میں لکھتے ہیں جو کوئی شخص کسی سید کو حقارت کی نظر سے چھوٹا سید کہے گا تو وہ کافر ہے۔

اس مقام پر قیاس کرنا چاہئے کہ ہزاروں اولیائے کرام، سادات اور علمائے عظام کو کافر قرار دینے کی ہمت کس میں ہو گی۔ جب شریعت کے اندر ایک فاسق کی تفضیح ورسوائی کرنا اور فحش وبدکاری کا پھیلانا حرام ہے تو سرداران اسلام اور قائدین ملت کو کافر کہنا اور ان اکابرین کی تکفیر کی تشہیر کیا ہو گی؟ یعنی یہ تو بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔ یریدون ان یطفؤا نور اللہ با فواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ المجرمون۔ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ نہیں مانے گا مگر اپنے نور کا پورا کرنا اور اگرچہ کہ مجرمین برا مانیں۔

کافر کہنا بدترین گالی ہے۔ اس رذیل اور شنیع کام کا اقدام کوئی شخص نہیں کرے گا، مگر وہی آدمی جس کا دل بیمار وگندہ اور اس کا باطن خبیث اور برا ہے مومن کو چاہئے کہ اس افراط وتفریط سے اجتناب کرے اور اپنے ایمان کی تباہی سے خوف کرے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصنیف لطیف

قدوۃ السالکین عمدۃ الکاملین سراج العارفین حضرت مولانا
شاہ ابو الحسن ثانی قادری قدس سرہ

مترجم :-

مولانا محمد حسین صاحب ایم اے

استاذ دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور۔

مخزن السلاسل سے فاروقیہ کے سات خرقے، عثمانیہ کا ایک خرقہ اور عبداللہ عباسیہ کا ایک خرقہ ترجمہ کے ساتھ حاضر ہے۔ صاحب مخزن السلاسل نے ایک سو اکانوے سلاسل میں اپنے نبیرۂ خاص حضرت مولانا سید شاہ عبد اللطیف قادری بیجاپوری ثم ویلوری کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

الحمد للہ آپ کی اولاد امجاد (یعنی بزرگان مکان حضرت قطب ویلور) میں ایک سو اکانوے سلاسل کے اندر اجازت وخلافت کا سلسلہ جاری ہے۔

مترجم محمد حسین عفرلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اما الخرقہ الفاروقیہ فسبعۃ۔

احدھا لبسھا الفقیر شاہ ابوالحسن من
عمہ السید نعمۃ اللہ وھو من ابیہ الشاہ
ابوالحسن وھو من ابیہ الشاہ بدرالعالم
بدرالدین حبیب اللہ وھو من ابیہ السید
عبدالقادر یوسف الثانی وھو من ابیہ السید
شمس بھاء الدین عارف وھو من ابیہ السید
یونس الثانی وھو من ابیہ السید عبدالرحمٰن
اشرف جہانگیر وھو من ابیہ السید یونس
شرف جہاں وھو من ابیہ السید یوسف
حاجی الحرمین وھو من ابیہ السید احسن الدین
وھو من ابیہ السید محمد صنو احمد وھو من ابیہ
السید ابی نصر محی الدین وھو من ابیہ السید
عمادالدین ابی صالح نصر وھو من ابیہ السید
تاج الدین عبدالرزاق وھو من ابیہ سلطان
السالکین غوث المسلمین امام المتصرفین رئیس
المحبوبین القطب الربانی المحبوب السبحانی
محی الدین ابی صالح السید عبدالقادر الحسنی
الحسینی الجعفری الجیلانی وھو من الشیخ
ابی الخیر وھو من الشیخ یوسف وھو من
ابی الحسن علی وھو من الشیخ احمد سن

خرقہائے فاروقیہ سات ہیں۔

ان میں سے پہلا خرقہ فقیر شاہ ابوالحسن نے
اپنے چچا سید نعمت اللہ سے پہنا اور انہوں نے اپنے والد
شاہ ابوالحسن سے اور انہوں نے اپنے والد شاہ بدرعالم
بدرالدین حبیب اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد
سید عبدالقادر یوسف ثانی سے اور انہوں نے اپنے
والد سید شمس بہاءالدین عارف سے اور انہوں نے اپنے
والد یونس ثانی سے اور انہوں نے اپنے والد سید عبدالرحمٰن
اشرف جہانگیر سے اور انہوں نے اپنے والد سید یونس
شرف جہاں سے اور انہوں نے اپنے والد سید یوسف
حاجی الحرمین شریفین سے اور انہوں نے والد سید احسن الدین
سے اور انہوں نے اپنے والد سید محمد صنو احمد سے
اور انہوں نے اپنے والد سید ابی نصر محی الدین سے، اور
انہوں نے اپنے والد سید عمادالدین ابی صالح نصر سے اور
انہوں نے اپنے والد سید تاج الدین عبدالرزاق سے اور
انہوں نے اپنے والد سلطان السالکین غوث المسلمین
امام المتصرفین رئیس المحبوبین قطب ربانی محبوب سبحانی
محی الدین ابی صالح سید عبدالقادر الحسنی الحسینی الجعفری
الجیلانی سے اور انہوں نے شیخ ابی الخیر سے
اور انہوں نے شیخ یوسف سے اور انہوں نے
ابی الحسن علی سے اور انہوں نے شیخ احمد

بن عبدالعزیز وھو من الشیخ کھف الدین
ابی بکر عبداللہ الشبلی وھو من سیّد
الطائفہ ابی القاسم الجنید البغدادی وھو
من الشیخ ابی سعید الخراز وھو من الشیخ
ابی عبداللہ المسوجی وھو من الشیخ
ابی تراب نخشبی وھو من بایزید
البسطامی وھو من الشیخ امین الدین
الشامی وھو من الشیخ عبداللہ علمدار
وھو من رئیس الاصحاب امیر المؤمنین
عمر بن الخطاب وھو من خاتم النبیین
رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد
الامین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ
وسلم وھو من امر ذی النور المبین
بواسطۃ الروح الامین۔

بن عبدالعزیز سے اور انہوں نے شیخ کہف الدین
ابی بکر عبداللہ الشبلی سے اور انہوں نے سید
طائفہ ابی القاسم جنید بغدادی سے اور انہوں
نے شیخ ابی سعید الخراز سے اور انہوں نے شیخ
ابی عبداللہ المسوجی سے اور انہوں نے شیخ ابی تراب
نخشبی سے اور انہوں نے بایزید بسطامی سے
اور انہوں نے شیخ امین الدین الشامی سے
اور انہوں نے شیخ عبداللہ علمدار سے اور
انہوں نے رئیس الاصحاب امیر المؤمنین
عمر بن الخطاب سے اور انہوں نے خاتم النبیین
رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد
الامین سے صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ
وسلم اور آپ نے بواسطۂ روح الامین ذی
النور المبین کے حکم سے۔

الثانیۃ

لبسما الفقیر شاہ ابوالحسن
من خالہ السید اسمٰعیل بن السید
میران وھو من ابیہ السید میران
وھو من السید عبداللہ وھو من
ابیہ السید وجیہ الدین حیدر علی
الثانی وھو من حاجی حمید المعروف

دوسرا خرقہ:

فقیر شاہ ابوالحسن نے اپنے ماموں
سید اسمٰعیل بن سید میراں سے پہنا اور انہوں
نے اپنے والد سید میراں سے اور انہوں نے
سید عبداللہ سے اور انہوں نے اپنے والد سید
وجیہ الدین حیدر علی ثانی سے، اور
انہوں نے حاجی حمید سے جو شیخ محمد غوث

بالشیخ محمد غوث وهو من الشیخ ظهور
حاجی حضور وهو من ابی الفتح هدایة الله
سرمست وهو من الشیخ قاضن وهو
من الشیخ عبد الوهاب وهو من الشیخ
عبد الرزاق وهو من الشیخ محمود وهو
من الشیخ عبد الغفار الصدیقی وهو من
الشیخ محمد وهو من الشیخ علی وهو من
الشیخ جعفر احمد وهو من الشیخ ابراهیم
وهو من الشیخ عبد الله وهو من السید
تاج الدین عبد الرزاق وهو من سلطان
السالکین غوث المسلمین امام المتصرفین
رئیس المحبوبین القطب الربانی المحبوب
السبحانی محی الدین ابی صالح السید عبد القادر
الحسنی الحسینی الجعفری الجیلانی وهو
من الشیخ احمد الاسود الدینوری وهو
من الشیخ ممشاد علو الدینوری وهو من
الشیخ ابی العباس النهاوندی وهو من الشیخ
ابی عبد الله محمد بن الخفیف وهو من الشیخ
ابی محمد احمد بن حسن الجزیری وهو من سید
الطائفه ابی القاسم الجنید البغدادی وهو
من الشیخ ابی سعید الخراز وهو من الشیخ
لبشر حافی وهو من الشیخ ابی رجاء العطاء

کے نام سے معروف تھے اور انہوں نے شیخ ظہور
حاجی حضور سے اور انہوں نے ابی الفتح ہدایت اللہ
سرمست سے اور انہوں نے شیخ قاضن سے اور انہوں
نے شیخ عبد الوہاب سے اور انہوں نے شیخ
عبد الرزاق سے اور انہوں نے شیخ محمود سے اور
انہوں نے شیخ عبد الغفار صدیقی سے اور انہوں نے
شیخ محمد سے اور انہوں نے شیخ علی سے اور انہوں نے
شیخ جعفر احمد سے اور انہوں نے شیخ ابراہیم سے
اور انہوں نے شیخ عبد اللہ سے اور انہوں نے سید
تاج الدین عبد الرزاق سے اور انہوں نے سلطان
السالکین غوث المسلمین امام المتصرفین رئیس المحبوبین
قطب ربانی محبوب سبحانی محی الدین ابی صالح
سید عبد القادر الحسنی الحسینی الجعفری
الجیلانی سے اور انہوں نے شیخ احمد
الاسود الدینوری سے اور انہوں نے شیخ
ممشاد علو الدینوری سے اور انہوں نے
شیخ ابی العباس النہاوندی سے اور انہوں نے
شیخ ابی عبد اللہ محمد بن الخفیف سے انہوں نے شیخ
ابی محمد احمد بن حسن الجزیری سے اور انہوں نے
سید طائفہ ابی القاسم جنید بغدادی سے
اور انہوں نے شیخ ابی سعید الخراز سے انہوں نے
شیخ لبشر حافی سے اور انہوں نے شیخ ابی رجاء العطاء

وھو من الشیخ فضیل بن عیاض وھو من الشیخ منصور السلمی وھو من الشیخ ابی عمران موسیٰ بن یزید الراعی وھو من الشیخ اویس القرنی وھو من رئیس الاصحاب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب وھو من خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم وھو من امر ذی النور المبین بواسطۃ الروح الامین۔

سے اور انہوں نے شیخ فضیل بن عیاض سے اور انہوں نے شیخ منصور سلمی سے اور انہوں نے شیخ ابی عمران موسیٰ بن یزید الراعی سے اور انہوں نے شیخ اویس القرنی سے اور انہوں نے رئیس الاصحاب امیر المومنین عمر بن الخطاب سے اور انہوں نے خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین سے صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ وسلم اور آپ نے بواسطۂ روح الامین ذی النور المبین کے حکم سے۔

الثالثہ

لبسھا الفقیر شاہ ابو الحسن من ابن عم امہ السید نور اللہ وھو من ابیہ السید علی محمد وھو من السید محمد وھو من ابیہ السید جلال ماہ عالم وھو من ابیہ السید حسن وھو من ابیہ السید عبد الغفور وھو من ابیہ السید احمد وھو من ابیہ السید راجو وھو من ابیہ السید محمد بن عبد اللہ الملقب بشاہ عالم من عند اللہ وھو من ابیہ السید برھان الدین ابی محمد عبد اللہ المشھور بقطب العالم وھو من الشیخ

تیسرا خرقہ

فقیر شاہ ابو الحسن نے اپنی والدہ کے بچیرے بھائی سید نور اللہ سے پہنا اور انہوں نے اپنے والد سید علی محمد سے اور انہوں نے سید محمد سے اور انہوں نے اپنے والد سید جلال ماہ عالم سے اور انہوں نے اپنے والد سید حسن سے اور انہوں نے اپنے والد سید عبد الغفور سے اور انہوں نے اپنے والد سید احمد سے اور انہوں نے اپنے والد سید راجو سے اور انہوں نے اپنے والد سید محمد بن عبد اللہ سے جنکا اللہ کی جانب سے شاہ عالم لقب تھا اور انہوں نے اپنے والد سید برہان الدین ابی محمد عبد اللہ سے جو قطب عالم مشہور تھے اور انہوں نے شیخ

ابی الفتوح احمد بن عبد الله الشیرازی
وهو من کمال الدین الشیخ مسعود وهو
من ابیه رکن الدین الشیخ یحیی وهو من
ابیه محمد منصور وهو من ابیه صدر الدین
الشیخ ابی المعالی مظفر وهو من ابیه الشیخ
سعید الدین ابی منصور محمد وهو من
ابیه الشیخ زین الدین مظفر وهو من
الشیخ فخر الدین زور بهان وهو من
ابیه الشیخ طاهر وهو من ابیه ابی
الحسین سالبة وهو من ابیه الشیخ
ابی الفتح منصور وهو من ابیه الشیخ
ابی نصر محمد وهو من ابیه الشیخ
عبد الرحمن ومن ابیه الشیخ علی و
هو من ابیه ربیعة وهو من ابیه الشیخ
محمد وهو من ابیه الشیخ عبد الرحمن
وهو من ابیه الشیخ عبد الله وهو من
ابیه الشیخ عبد العزیز وهو من ابیه الشیخ
عبد الله وهو من ابیه رئیس الاصحاب
امیر المؤمنین عمر بن الخطاب وهو من
خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع
المذنبین محمد الامین صلی الله علیه وعلی
آله واصحابه وسلم وهو من امر ذی النور
المبین بواسطة روح الامین۔

ابی الفتوح احمد بن عبد اللہ شیرازی سے
اور انہوں نے کمال الدین شیخ مسعود سے، اور
انہوں نے اپنے والد رکن الدین شیخ یحیی سے اور
انہوں نے اپنے والد محمد منصور سے اور انہوں نے
اپنے والد شیخ صدر الدین شیخ ابی المعالی مظفر سے اور
انہوں نے اپنے والد شیخ سعید الدین ابی منصور محمد سے
اور انہوں نے اپنے والد شیخ زین الدین مظفر سے اور
انہوں نے شیخ فخر الدین زور بہان سے اور انہوں نے
اپنے والد شیخ طاہر سے اور انہوں نے اپنے والد
ابی الحسین سالبہ سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ
ابی الفتح منصور سے اور انہوں نے اپنے والد
شیخ ابی نصر محمد سے اور انہوں نے اپنے والد
شیخ عبد الرحمن سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ علی
سے اور انہوں نے اپنے والد ربیعہ سے اور انہوں نے
اپنے والد شیخ محمد سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ عبد الرحمن
سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ عبد اللہ سے اور انہوں نے
اپنے والد شیخ عبد العزیز سے اور انہوں نے اپنے والد
شیخ عبد اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد رئیس
الاصحاب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب سے اور انہوں نے
خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین
محمد الامین سے صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم
اور انہوں نے ذی النور المبین کے حکم سے بواسطہ
روح الامین۔

الرابعة :

نبسها الفقير شاه ابوالحسن من ابن
عم امه السيد نورالله وهو من ابيه السيد
علی محمد وهو من السيد محمد وهو من ابيه
السيد جلال ماه عالم وهو من السيد
شير محمد بن احمد وهو من جده السيد
عرب شاه وهو من ابيه السيد محمد زاهد
وهو من اخيه السيد محمد بن عبدالله ،
الملقب بشاه عالم من عندالله وهو من
ابيه السيد برهان الدين ابی محمد عبدالله
المشهور بقطب العالم وهو من الشيخ ابی
الفتوح احمد بن عبدالله الشيرازی وهو من
الشيخ محمد بن الشيخ علی الملاسيانی الهروی
وهو من الشيخ پير كمال الدين وهو من ابيه
الشيخ پير ابراهيم وهو من ابيه الفقيه
احمد وهو من ابيه الشيخ بابا حسين الشبرخانی
وهو من الشيخ محمد المشهور بكنده كش
الحريری وهو من الخواجه محمد خوشناماث
وهو من بابا نعمت الشادآبادی وهو من
خوجگان وهو من عبدالرحيم الاصطخری
وهو من الشيخ احمد بن فرشتاقه الجستی
وهو من الشيخ ابی اسحاق الشامی وهو من

چوتھا خرقہ :

فقیر شاہ ابوالحسن نے اپنی والدہ کے چچیرے بھائی
سید نور اللہ سے پہنا اور انہوں نے اپنے والد سید علی محمد
سے اور انہوں نے سید محمد سے اور انہوں نے اپنے والد
سید جلال ماہ عالم سے اور انہوں نے سید شیر محمد
بن احمد سے اور انہوں نے اپنے دادا سید عرب
شاہ سے اور انہوں نے اپنے والد سید محمد زاہد سے
اور انہوں نے اپنے بھائی سید محمد بن عبداللہ سے
جن کا اللہ کی طرف سے شاہ عالم لقب تھا اور انہوں نے
اپنے والد سید برہان الدین ابی محمد عبداللہ سے
جو قطب عالم مشہور تھے اور انہوں نے شیخ محمد بن
شیخ ابی الفتوح احمد بن عبداللہ شیرازی سے اور
انہوں نے شیخ محمد بن شیخ علی ملاسیانی الہروی سے
اور انہوں نے شیخ پیر کمال الدین سے اور انہوں
نے اپنے والد شیخ پیر ابراہیم سے اور انہوں نے اپنے
والد الفقیہ احمد سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ
بابا حسین شبرخانی سے اور انہوں نے شیخ محمد سے جو
کندہ کش الحریری مشہور تھے اور انہوں نے خواجہ محمد
خوشناماث سے اور انہوں نے بابا نعمت شادآبادی سے
اور انہوں نے خوجگان سے اور انہوں نے عبدالرحیم الاصطخری
سے اور انہوں نے شیخ احمد بن فرشتاقہ الجستی سے
اور انہوں نے شیخ ابی اسحاق الشامی سے اور انہوں نے

الشیخ ممشاد علو الدینوری وهو من الشیخ هبیرة البصری وهو من حذیفة المرعشی وهو من ابراهیم بن ادهم وهما من الشیخ عمران موسی بن یزید الراعی وهو من اویس القرنی وهو من رئیس الاصحاب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب وهو من خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی الله علیه وعلی آله واصحابه وسلم وهو من امر ذی النور المبین بواسطة الروح الامین۔

شیخ ممشاد علو الدینوری سے اور انہوں نے شیخ ہبیرہ بصری سے اور انہوں نے حذیفۃ المرعشی سے اور انہوں نے ابراہیم بن ادہم سے اور ان دونوں نے شیخ عمران موسیٰ بن یزید الراعی سے اور انہوں نے اویس قرنی سے اور انہوں نے رئیس الاصحاب امیر المومنین عمر بن الخطاب سے اور انہوں نے خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین سے صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم اور آپ نے ذی النور المبین کے حکم سے بواسطۂ روح الامین

الخامسة

لبسها الفقیر شاہ ابو الحسن من ابن عمه السید نور الله وهو من ابیه السید علی محمد وهو من السید محمد وهو من ابیه السید جلال ماہ عالم وهو من ابیه السید حسن وهو من ابیه السید عبد الغفور وهو من ابیه السید احمد وهو من ابیه السید راجو وهو من ابیه السید محمد بن عبد الله الملقب بشاہ عالم من عند الله وهو من ابیه السید برهان الدین ابی محمد عبد الله المشهور بقطب عالم

پانچواں خرقہ

فقیر شاہ ابو الحسن نے اپنی والدہ کے چچیرے بھائی سید نور اللہ سے پہنا اور انہوں نے اپنے والد سید علی محمد سے اور انہوں نے سید محمد سے اور انہوں نے اپنے والد سید جلال ماہ عالم سے اور انہوں نے اپنے والد سید حسن سے اور انہوں نے اپنے والد سید عبد الغفور سے اور انہوں نے اپنے والد سید احمد سے اور انہوں نے اپنے والد سید راجو سے اور انہوں نے اپنے والد سید محمد بن عبد اللہ سے جن کا عند اللہ شاہ عالم لقب تھا۔ اور انہوں نے اپنے والد سید برہان الدین ابی محمد عبد اللہ سے قطب عالم کے

وهو من الشيخ ابي الفتوح احمد بن عبد الله
الشيرازي وهو من ركن الدين محمد
بن اسمٰعيل الخواني وهو من زين الدين
ابي بكر الفازآبادي وهو من الشيخ محمد
الحبكي وهو من الشيخ ابراهيم لك وهو
من الشيخ غامر بن نصر وهو من الشيخ
عبد الرحمن الطفونجي وهو من الشيخ عدي
وهو من الشيخ عقيل منجي الشامي وهو
من الشيخ مسلمة الشامي وهو من الشيخ
ابي سعيد احمد بن عيسىٰ الجرار وهو من
الشيخ محمد الفارسي وهو من علي الزيني
وهو من الشيخ عمّار بن سعيدي وهو
من الشيخ ابي الخمصي وهو من الشيخ
يوسف الغالي وهو من الشيخ يعقوب
المديني وهو من رئيس الاصحاب امير
المؤمنين عمر بن الخطاب وهو من
خاتم النبيين رسول رب العالمين شفيع
المذنبين محمد الامين صلى الله عليه وعلى
اله واصحابه وسلم وهو من امر ذي النور
المبين بواسطة الروح الامين۔

کے نام سے مشہور تھے اور انہوں نے شیخ ابو الفتوح
احمد بن عبد اللہ شیرازی سے اور انہوں نے رکن الدین
محمد بن اسمٰعیل الخوانی سے اور انہوں نے
زین الدین ابی بکر الفازآبادی سے اور انہوں نے
شیخ محمد الحبکی سے اور انہوں نے شیخ ابراہیم لک
سے اور انہوں نے شیخ غامر بن نصر سے اور انہوں نے
شیخ عبد الرحمٰن الطفونجی سے اور انہوں نے شیخ عدی
سے اور انہوں نے شیخ عقیل منجی الشامی سے اور
انہوں نے شیخ مسلمۃ الشامی سے اور انہوں نے شیخ
ابی سعید احمد بن عیسیٰ الجرار سے اور انہوں نے
شیخ محمد الفارسی سے اور انہوں نے علی الزینی سے
اور انہوں نے شیخ عمار بن سعیدی سے اور انہوں نے
شیخ ابی الخمصی سے اور انہوں نے شیخ یوسف
الغالی سے اور انہوں نے شیخ یعقوب المدینی سے
اور انہوں نے رئیس الاصحاب امیر المومنین عمر بن
الخطاب سے اور انہوں نے خاتم النبیین شفیع
المذنبین محمد الامین سے صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ
و اصحابہ وسلم اور آپ نے ذی النور المبین
کے حکم سے بواسطہ روح الامین۔

السادسة

لبسها الفقير شاه ابو الحسن من السيد محمد وهو من الشيخ عبد الصمد وهو من الشيخ حميد الدين بن صالح وهو من الشيخ محمد بن الشيخ حسين وهو من الشيخ زين الدين ابى المعالى ابراهيم المعروف بمخدوم جى وهو من الشيخ شمس الدين محمد بن ابراهيم الملتانى وهو من الشيخ بهاؤ الدين ابراهيم الانصارى وهو من السيد احمد بن حسن الجيلى المغربى وهو من السيد حسن وهو من السيد موسىٰ وهو من السيد على وهو من السيد محمد البغدادى وهو من السيد حسن البغدادى وهو من السيد محمد ضوا احمد وهو من ابيه ابى نصر محى الدين وهو من ابيه السيد عماد الدين ابى صالح نصر وهو من ابيه السيد تاج الدين عبد الرزاق وهو من سلطان السالكين غوث المسلمين امام المتصرفين رئيس المحبوبين القطب الربانى المحبوب السبحانى محى الدين ابى صالح السيد عبد القادر الحسنى الحسينى الجعفرى الجيلانى وهو من الشيخ ابى سعيد مبارك المخزمى وهو من الشيخ شرف الدين

چھٹا خرقہ

فقیر شاہ ابو الحسن نے سید محمد سے اور انہوں نے شیخ عبد الصمد سے اور انہوں نے شیخ حمید الدین بن صالح سے اور انہوں نے شیخ محمد بن شیخ حسین سے اور انہوں نے شیخ زین الدین ابی المعالی ابراہیم المعروف بہ مخدوم جی سے اور انہوں نے شیخ شمس الدین محمد بن ابراہیم الملتانی سے اور انہوں نے شیخ بہاؤ الدین ابراہیم الانصاری سے اور انہوں نے سید احمد بن حسن الجیلی المغربی سے اور انہوں نے سید حسن سے اور انہوں نے سید موسیٰ سے، اور انہوں نے سید علی سے اور انہوں نے سید محمد البغدادی سے اور انہوں نے سید حسن البغدادی سے اور انہوں نے سید محمد ضوا احمد سے اور انہوں نے اپنے والد ابی نصر محی الدین سے اور انہوں نے اپنے والد سید عماد الدین ابی صالح نصر سے اور انہوں نے اپنے والد سید تاج الدین عبد الرزاق سے اور انہوں نے سلطان السالکین غوث المسلمین امام المتصرفین رئیس المحبوبین قطب ربانی محبوب سبحانی محی الدین ابی صالح سید عبد القادر حسنی الحسینی الجعفری الجیلانی سے اور انہوں نے شیخ ابی سعید مبارک المخزمی سے اور انہوں نے شیخ شرف الدین

ابی الحسین علی بن محمد القرشی الهکاری وھو من الشیخ ابی الفرج یوسف الطرطوسی وھو من الشیخ رضی الدین ابی الفضل عبد الواحد الیمنی وھو من ابیہ عبد العزیز الیمنی وھو من العباس المکی وھو من کھف الدین ابی بکر الشبلی وھو من سید الطائفۃ ابی القاسم الجنید البغدادی وھو من ابی سعید الخراز وھو من الشیخ ابی عبید حسن المسوحی وھو من الشیخ ابی تراب النخشبی وھو من الشیخ ابی عبد الرحمٰن حاتم اصم وھو من الشیخ عبد اللہ الخواص وھو من الشیخ شقیق البلخی وھو من الشیخ ابراھیم بن ادھم البلخی وھو من الشیخ فضیل بن عیاض وھو من الشیخ منصور السلمی وھو من الشیخ ابی عمران موسی بن یزید الراعی وھو من الشیخ اویس القرنی وھو من رئیس الاصحاب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب وھو من خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم وھو من امر ذی النور المبین بواسطۃ الروح الامین۔

ابی الحسین علی بن محمد القرشی الھکاری سے اور انہوں نے شیخ ابی الفرج یوسف الطرطوسی سے اور انہوں نے شیخ رضی الدین ابی الفضل عبد الواحد الیمنی سے اور انہوں نے اپنے والد، عبد العزیز یمنی سے اور انہوں نے عباس المکی سے اور انہوں نے کہف الدین ابی بکر الشبلی سے اور انہوں نے سید الطائفہ ابی القاسم جنید البغدادی سے اور انہوں نے ابی سعید الخراز سے اور انہوں نے شیخ ابی عبید حسن المسوحی سے اور انہوں نے شیخ ابی تراب النخشبی سے اور انہوں نے شیخ ابی عبد الرحمٰن حاتم اصم سے اور انہوں نے شیخ عبد اللہ الخواص سے اور انہوں نے شیخ شقیق البلخی سے اور انہوں نے شیخ ابراہیم بن ادہم بلخی سے اور انہوں نے شیخ فضیل بن عیاض سے اور انہوں نے شیخ منصور سلمی سے اور انہوں نے شیخ ابی عمران موسی بن یزید الراعی سے اور انہوں نے شیخ اویس قرنی سے اور انہوں نے رئیس الاصحاب امیر المومنین عمر بن الخطاب سے اور انہوں نے خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم اور آپ نے ذی النور المبین کے حکم سے بواسطۂ روح الامین۔

السابعہ

لبسها الفقیر شاہ ابوالحسن من السید محمد المشھور بشاہ حضرة الحسینی وھو من الشیخ برھان الدین وھو من الشیخ عبدالقدوس وھو من ابی البرکة الشیخ عیسیٰ بن الشیخ قاسم وھو من الشیخ لشکر عارف محمد وھو من حاجی حمید المعروف بالشیخ محمد غوث وھو من الشیخ ظھور حاجی حضور وھو من ابی الفتح ھدایة اللہ سرمست وھو من الشیخ قاضن، وھو من الشیخ عبدالوھاب وھو من الشیخ عبدالرؤف وھو من الشیخ محمود وھو من الشیخ عبدالغفار وھو من الشیخ محمد وھو من الشیخ علی وھو من الشیخ جعفر احمد وھو من الشیخ ابراھیم وھو من الشیخ عبداللہ وھو من السید تاج الدین عبدالرزاق وھو من ابیہ سلطان السالکین غوث المسلمین امام المتصرفین رئیس المحبوبین القطب الربانی المحبوب السبحانی محی الدین ابی صالح السید عبدالقادر الحسنی الحسینی الجعفری الجیلانی وھو من الشیخ حماد ابی مسلم الدباس وھو من الشیخ ابی

ساتواں خرقہ

فقیر شاہ ابوالحسن نے سید محمد سے پہنا جو شاہ حضرت الحسینی کے نام سے مشہور تھے اور انہوں نے شیخ برہان الدین سے اور انہوں نے شیخ عبدالقدوس سے اور انہوں نے ابی البرکت شیخ عیسیٰ بن شیخ قاسم سے اور انہوں نے شیخ لشکر عارف محمد سے اور انہوں نے حاجی حمید المعروف لشیخ محمد غوث سے اور انہوں نے شیخ ظہور حاجی حضور سے اور انہوں نے ابی الفتح ہدایت اللہ سرمست سے اور انہوں نے شیخ قاضن سے اور انہوں نے شیخ عبدالوہاب سے اور انہوں نے شیخ عبدالرؤف سے اور انہوں نے شیخ محمود سے اور انہوں نے شیخ عبدالغفار سے اور انہوں نے شیخ محمد سے اور انہوں نے شیخ علی سے اور انہوں نے شیخ جعفر احمد سے اور انہوں نے شیخ ابراہیم سے اور انہوں نے شیخ عبداللہ سے اور انہوں نے سید تاج الدین عبدالرزاق سے اور انہوں نے اپنے والد سلطان السالکین غوث المسلمین امام المتصرفین رئیس المحبوبین قطب ربانی محبوب سبحانی محی الدین ابی صالح سید عبدالقادر الحسنی الحسینی الجعفری الجیلانی سے اور انہوں نے شیخ حماد ابی مسلم الدباس سے اور انہوں نے شیخ ابی سعید

سعید محمد المغربی وھو من الشیخ احمد بن عثمان المغربی وھو من الشیخ ابی الفضل عبد الواحد الیمنی وھو من کہف الدین الشیخ عبد اللہ السلمی وھو من سید الطائفۃ ابی القاسم الجنید البغدادی وھو من الشیخ ابی سعید الخراز وھو من الشیخ ابی عبید حسن المسوجی وھو من ابی تراب نخشبی وھو من ابی یزید البسطامی وھو من امین الدین الشامی وھو من الشیخ عبد اللہ علمدار وھو من رئیس الاصحاب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب وھو من خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم وھو من امر ذی النور المبین بواسطۃ روح الامین۔

محمد المغربی سے اور انہوں نے شیخ احمد بن عثمان المغربی سے اور انہوں نے شیخ ابی الفضل عبد الواحد الیمنی سے اور انہوں نے کہف الدین شیخ عبد اللہ السلمی سے اور انہوں نے سید الطائفہ ابی القاسم جنید البغدادی سے اور انہوں نے شیخ ابی سعید الخراز سے اور انہوں نے شیخ ابی عبید حسن المسوجی سے اور انہوں نے ابی تراب نخشبی سے اور انہوں نے ابی یزید البسطامی سے اور انہوں نے امین الدین شامی سے اور انہوں نے شیخ عبد اللہ علمدار سے اور انہوں نے رئیس الاصحاب امیر المومنین عمر بن الخطاب سے اور انہوں نے خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم اور آپ نے ذی النور المبین کے حکم سے بواسطۂ روح الامین۔

اما الخرقۃ العثمانیہ فواحدۃ

لبسھا الفقیر شاہ ابو الحسن من السید محمد المشھور بشاہ حضرۃ الحسینی وھو من الشیخ عبد الصمد وھو من الشاہ صبغۃ اللہ وھو من السید عمر بن عبد اللہ العیدروسی وھو من

خرقۂ عثمانیہ ایک ہے

اسکو فقیر شاہ ابو الحسن نے سید محمد المشہور بشاہ حضرت الحسینی سے پہنا اور انہوں نے شیخ عبد الصمد سے اور انہوں نے شاہ صبغۃ اللہ سے اور انہوں نے سید عمر بن عبد اللہ العیدروسی سے اور انہوں نے شیخ عبد اللہ بن

الشیخ عبداللہ بن محمد حکم باقشری
وھو من السید ابی بکر بن عبداللہ العید
روسی وھو من الشیخ محمد بن احمد بافضل
وھو من الشیخ جمال الدین محمد بن مسعود
ابی تسکیل الانصاری وھو من الشیخ
جمال الدین محمد بن محمد بن سعید الطیوری
وھو من الشیخ شہاب الدین احمد بن
ابی بکر الرداد وھو من اسمٰعیل بن ابراھیم
الجبرتی وھو من الشیخ سراج الدین ابی
بکر بن محمد بن ابراھیم السلامی وھو
من الشیخ فخر الدین بن ابی بکر بن محمد
نعیم وھو من الشیخ کبیر احمد بن محمد
بن احمد الاسدی وھو من الشیخ احمد
بن عبداللہ الاسدی وھو من الشیخ
حمامة بن عبداللہ بن یوسف الاسدی
وھو من الشیخ عبداللہ بن علی بن حسین
الاسدی وھو من سلطان السالکین غوث
المسلمین امام المتصرفین رئیس المحبوبین
القطب الربانی المحبوب السبحانی محی الدین
ابی صالح السید عبدالقادر الحسنی الحسینی
الجعفری الجیلانی وھو من الشیخ حماد بن
مسلم الدباس وھو من الشیخ ابی سعید

محمد حکم باقشری سے اور انہوں نے سید
ابی بکر بن عبداللہ العیدروسی سے اور انہوں نے
شیخ محمد ابن احمد بافضل سے اور انہوں
نے شیخ جمال الدین محمد بن مسعود ابی تسکیل
الانصاری سے اور انہوں نے شیخ جمال الدین محمد
بن محمد بن سعید الطیوری سے اور انہوں
نے شیخ شہاب الدین احمد بن ابی بکر الرداد
سے اور انہوں نے اسمٰعیل بن ابراہیم الجبرتی
سے اور انہوں نے شیخ سراج الدین ابی بکر بن
محمد بن ابراہیم السلامی سے اور انہوں نے
شیخ فخر الدین بن ابی بکر بن محمد نعیم سے
اور انہوں نے شیخ کبیر احمد بن محمد بن احمد
الاسدی سے اور انہوں نے شیخ احمد بن عبداللہ
الاسدی سے اور انہوں نے شیخ حمامہ
بن عبداللہ بن یوسف الاسدی سے اور
انہوں نے شیخ عبداللہ بن علی بن حسین
الاسدی سے اور انہوں نے سلطان السالکین
غوث المسلمین امام المتصرفین رئیس المحبوبین
القطب الربانی محبوب سبحانی محی الدین ابی صالح
سید عبدالقادر الحسنی الحسینی الجعفری الجیلانی
سے اور انہوں نے شیخ حماد بن مسلم الدباس
سے اور انہوں نے شیخ ابی سعید محمد المغربی

محمد المغربی وھو من الشیخ ابی بکر احمد
بن عثمان المغربی وھو من الشیخ ابی الفضل
عبدالواحد الیمنی وھو من الشیخ احمد بن
اسمٰعیل المکی وھو من الشیخ ابی المکارم
ابی بکر عبداللہ الشبلی وھو من سیّد
الطائفۃ ابی القاسم الجنید البغدادی
وھو من الخواجہ ابی سعید الخراز وھو
من الشیخ ابی عبید حسن المسوجی وھو
من الشیخ ابی تراب النخشبی وھو من الشیخ
ابی عبدالرحمن حاتم اصم وھو من الشیخ
عبداللہ الخواص وھو من الشیخ شقیق
البلخی وھو من الشیخ ابراھیم بن ادھم
البلخی وھو من الشیخ فضیل بن عیاض وھو
من الشیخ واحد زید وھو من کمیل بن زیاد
وھو من جامع القرآن کامل الحیاء والایمان
استحیت منہ ملائکۃ الرحمٰن امیر المؤمنین
عثمان بن عفان وھو من خاتم النبیین رسول
رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین
صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم و
ھو من امر ذی النور المبین بواسطۃ
الروح الامین ۔

سے اور انہوں نے شیخ ابی بکر احمد بن عثمان
المغربی سے اور انہوں نے شیخ ابی الفضل
عبدالواحد الیمنی سے اور انہوں نے شیخ احمد بن
اسمٰعیل المکی سے اور انہوں نے شیخ ابی المکارم
ابی بکر عبداللہ الشبلی سے اور انہوں نے سید
الطائفہ ابی القاسم جنید البغدادی سے اور
انہوں نے خواجہ ابی سعید الخراز سے اور انہوں
نے شیخ ابی عبید حسن المسوجی سے اور انہوں
نے شیخ ابی تراب النخشبی سے اور انہوں نے
شیخ ابی عبدالرحمٰن حاتم اصم اور انہوں نے شیخ
عبداللہ الخواص سے اور انہوں نے شیخ شقیق
البلخی سے اور انہوں نے شیخ ابراھیم بن ادھم
البلخی سے اور انہوں نے شیخ فضیل بن عیاض سے
اور انہوں نے شیخ واحد زید سے اور انہوں نے کمیل
بن زیاد سے اور انہوں نے جامع القرآن کامل الحیاء
والایمان جن سے ملائکۃ الرحمٰن حیاء کرتے تھے امیر
المؤمنین عثمان بن عفان سے اور انہوں نے خاتم
النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین
محمد الامین سے صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ
وسلم اور آپ نے ذی النور المبین کے حکم سے
بواسطۂ روح الامین ۔

اما الخرقة عبد الله العباسية فواحدة

وهي لبسها الفقير شاه ابو الحسن من ابن عم امه السيد نور الله وهو من ابيه السيد علي محمد وهو من السيد محمد وهو من ابيه السيد جلال ماه عالم وهو من السيد شير محمد بن احمد وهو من جده السيد عرب شاه وهو من ابيه السيد محمد زاهد وهو من اخيه السيد محمد بن عبد الله الملقب بشاه عالم من عند الله وهو من ابيه السيد برهان الدين ابي محمد عبد الله المشهور بقطب العالم وهو من الشيخ ابي الفتوح احمد بن عبد الله الشيرازي وهو من صفي الدين طاهر بن احمد الكازروني وهو من نور الدين ابي الفتوح وهو من شيخ عماد الدين حيدر بن الشيخ محي الدين عباس وهو من الشيخ ابي القاسم عبد الله وهو من الشيخ محي الدين العباس المذكور وهو من آخر خلفاء العباسية امير المومنين شرف الدين ابي احمد عبد الله المستعصم بالله وهو من ابيه امير المومنين ابي جعفر منصور المستنصر بالله وهو من ابيه امير المومنين الظاهر بالله وهو من ابيه امير المؤمنين المستضئ بالله وهو من ابيه امير المؤمنين

خرقۂ عبداللہ العباسیہ ایک ہے۔

اس کو فقیر شاہ ابوالحسن نے اپنی والدہ کے چچیرے بھائی سید نوراللہ سے پہنا اور انہوں نے اپنے والد سید علی محمد سے اور انہوں نے سید محمد سے، اور انہوں نے اپنے والد سید جلال ماہِ عالم سے، اور انہوں نے سید شیر محمد بن احمد سے اور انہوں نے اپنے دادا سید عرب شاہ سے اور انہوں نے اپنے والد سید محمد زاہد سے اور انہوں نے اپنے بھائی سید محمد بن عبداللہ سے جن کا اللہ کی طرف سے شاہِ عالم لقب تھا اور انہوں نے اپنے والد سید برہان الدین ابی محمد عبداللہ جو قطب عالم مشہور تھے اور انہوں نے شیخ ابی الفتوح احمد بن عبداللہ شیرازی سے اور انہوں نے صفی الدین طاہر بن احمد کازرونی سے اور انہوں نے نورالدین ابی الفتوح سے اور انہوں نے شیخ عماد الدین حیدر بن الشیخ محی الدین عباس سے اور انہوں نے شیخ ابی القاسم عبداللہ سے اور انہوں نے مذکورشیخ محی الدین العباس سے اور انہوں نے آخری خلفائے عباسیہ امیر المومنین شرف الدین ابی احمد عبداللہ المستعصم باللہ سے اور انہوں نے اپنے والد امیر المومنین ابی جعفر منصور المستنصر باللہ سے اور انہوں نے اپنے والد امیر المومنین الظاہر باللہ سے اور انہوں نے اپنے والد امیر المومنین المستضئ باللہ سے اور انہوں نے اپنے والد امیر المومنین

المستنجد باللہ وھو من ابیہ امیر المؤمنین المقتفی لامر اللہ وھو من ابیہ امیر المؤمنین ابی العباس احمد المستظھر باللہ وھو من ابیہ امیر المؤمنین ابی القاسم عبداللہ المقتدی بامر اللہ وھو من جدہ امیر المؤمنین ابی جعفر عبد اللہ القائم بامر اللہ وھو من ابیہ امیر المؤمنین ابی العباس القادر باللہ وھو من ابیہ ابی محمد اسحق وھو من ابیہ امیر المؤمنین ابی الفضل جعفر المقتدر باللہ وھو من ابیہ امیر المؤمنین المعتضد باللہ وھو من ابیہ ابو محمد طلحۃ الموفق بن المتوکل وھو من ابیہ امیر المؤمنین ابی الفضل جعفر المتوکل علی اللہ وھو من ابیہ امیر المؤمنین ابی اسحاق محمد المعتصم باللہ وھو من ابیہ امیر المؤمنین ابی جعفر ھارون الرشید وھو من ابیہ امیر المؤمنین ابی عبداللہ محمد المھدی باللہ وھو من ابیہ امیر المؤمنین ثانی الخلفاء العباسیۃ ابی جعفر المنصور باللہ وھو من ابیہ محمد وھو من ابیہ علی وھو من ابیہ المطھر عنداللہ وعند الناس عبداللہ بن العباس وھو من خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم وھو من امر ذی النور المبین بواسطۃ الروح الامین ۔

المستنجد باللہ سے اور انہوں نے اپنے والد امیر المومنین المقتفی لامر اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد امیر المومنین ابی العباس احمد المستظہر باللہ سے اور انہوں نے اپنے والد امیر المومنین ابی القاسم عبداللہ المقتدی بامر اللہ سے اور انہوں نے اپنے دادا امیر المومنین ابی جعفر عبداللہ القائم بامر اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد امیر المومنین ابی العباس القادر باللہ سے اور انہوں نے اپنے والد ابی محمد اسحق سے اور انہوں نے اپنے والد امیر المومنین ابی الفضل جعفر المقتدر باللہ سے اور انہوں نے اپنے والد امیر المومنین المعتضد باللہ سے اور انہوں نے اپنے والد ابو محمد طلحۃ الموفق بن المتوکل سے اور انہوں نے اپنے والد امیر المومنین ابی الفضل جعفر المتوکل علی اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد امیر المومنین ابی اسحاق محمد معتصم باللہ سے اور انہوں نے اپنے والد امیر المومنین ابی جعفر ہارون الرشید سے اور انہوں نے اپنے والد امیر المومنین ابی عبداللہ محمد المہدی باللہ سے اور انہوں نے اپنے والد امیر المومنین ثانی الخلفاء العباسیہ ابی جعفر المنصور باللہ سے اور انہوں نے اپنے والد محمد سے اور انہوں نے اپنے والد علی سے اور انہوں نے اپنے والد المطہر عنداللہ وعند الناس عبداللہ بن عباس سے اور انہوں نے خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین سے صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم اور آپ نے ذی النور المبین کے حکم سے بواسطۂ روح الامین ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی قانون سازی کا تاریخی جائزہ

بسلسلہ اشاعت بابت ۱۴۰۲ھ

ترجمہ و تلخیص :-

از مولوی حافظ بشیر الحق قریشی دھونی استاد دارالعلوم لطیفیہ

اس عہد میں تشریع کا اختیار کس کو تھا ؟

قرن اول کے اواخر میں جو تابعین مختلف امصار و دیار میں افتاء اور تشریع کے درپے ہوئے۔ وہ صحابہ کرام کے ساتھ رہے اور ان ہی سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی اور ان ہی سے احادیث کی روایت کی اور ان کے فتوؤں کی نگہبانی اور تحفظ فرمایا اور ان ہی سے تشریع کے اسرار کو سمجھا اور احکام معلوم کرنے طریقوں کو سیکھا۔ ان تابعین میں وہ بھی تھے جن سے صحابہ کی زندگی میں فتویٰ طلب کیا جاتا تھا اور وہ فتوے دیتے تھے جیسے مدینہ منورہ میں سعید بن المسیب اور کوفہ میں علقمہ ابن قیس اور سعید بن جبیر۔

روایت کی گئی ہے کہ جب اہل کوفہ حج کو آتے تو عبداللہ بن عباس سے فتویٰ طلب کرتے تو وہ ان سے کہتے۔ کیا تمہارے درمیان سعید بن جبیر نہیں ہیں ؟

جس طرح تابعین صحابہ کرام کی صحبت اور تربیت سے مستفیض ہوئے اسی طرح تبع تابعین کی جماعت بھی تابعین کی زندگی میں ان کے ساتھ وابستہ اور جڑی رہی اور ان سے وہ سب کچھ حاصل کیا جسکو تابعین نے صحابہ کرام سے حاصل کیا تھا یعنی قرآن سنت اور فقہی سرمایہ اور اسرار تشریع۔

اور اسی طرح آئمہ اربعہ مجتہدین اور ان کے معاصرین بھی تبع تابعین سے منسلک رہے اور تشریع و استنباطِ احکام میں مستفیض ہوئے۔

جب وہ صحابہ جو تشریع (قانون سازی) کا فریضہ ادا کرتے تھے۔ گذر گئے تو ان کے تابعین تلامذہ نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا اور جب تابعین کا دور ختم ہوا تو ان کے تبع تابعین تلامذہ اور پھر ان کے بعد ائمہ اربعہ مجتہدین اور ان کے معاصرین نے ان کی جگہ لے لی۔

یہی طبقات امصار مسلمین میں سے ہر شہر جیسے

مدینہ مکہ، کوفہ اور مصر میں موجود تھے اور ہر طبقہ
میں لوگ اپنے سلف کے شاگرد اور اپنے بعد آنے
والوں کے استاد رہے اور یہ بھی اپنے پیش رو سلف
کے ساتھ وابستہ رہے اور ان سے اپنا سارا علم اور
فقہ حاصل کیا اور ان کے بعد لوگوں کو فتویٰ دینے کی
ذمہ داری لی اور وہ ساری خدمات انجام دیتے رہے
جو انکے اساتذہ انجام دیتے تھے۔ اس طرح سے تشریع
کا یہ سلسلہ ایکدوسرے سے متصل رہا۔

مدینہ منورہ میں صحابہ کرام میں سب سے
زیادہ مشہور اساتذۂ تشریع حضرت عمر بن خطاب
حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عمر
اور زید بن ثابت تھے اور ان کے مشہور تلامذہ سعید
بن المسیب، عروۃ بن زبیر اور ساتوں فقہا مدینہ،
اور ان کے مشہور تلامذہ محمد بن شہاب الزہری،
یحییٰ بن سعید، اور ان کے سب سے زیادہ جانشین
مالک بن انس اور انکے ہم عصر

اور مکۃ المکرمہ میں صحابہ کرام میں مشہور
ترین اساتذہ تشریع عبداللہ بن عباس اور انکے
مشہور تلامذہ عکرمہ، مجاھد، عطا اور
انکے مشہور شاگرد سفیان بن عیینہ، مفتی الحجاز
مسلم بن خالد اور ان کے مشہور خلیفہ حضرت شافعی
(اپنے پہلے دور میں)

اور کوفہ میں صحابہ میں تشریع کے مشہور ترین
اساتذہ عبداللہ بن مسعود اور ان کے مشہور تلامذہ
میں علقمہ بن قیس اور قاضی شریح، اور ان دونوں
حضرات کے مشہور تلامذہ میں ابراہیم نخعی اور انکے
مشہور تلامذہ میں حماد بن ابی سلیمان جو حضرت
ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے استاد رہے

اور مصر میں صحابہ میں تشریع کے مشہور اساتذہ
عبداللہ بن عمرو بن العاص اور ان کے مشہور تلامذہ
میں مفتی مصر یزید بن حبیب اور ان کے مشہور تلامذہ
میں لیث بن سعد اور انکے ساتھی بنو عبدالحکیم، اور
انکے مشہور جانشین حضرت شافعی (اپنے آخری دور میں)

احکام شریعت کی وضاحت کرنے والے ان
طبقات میں سے کسی طبقہ نے بھی خلیفہ کے تعین
یا امت کے انتخاب کی راہ سے تشریع کا اختیار
اور اتھارٹی نہیں حاصل کی بلکہ مسلمانوں نے اس
معاملہ میں ان پر اعتماد کیا اور ایسا ہی اعتماد جیسا
کہ ان کے اساتذہ صحابہ پر کیا اور ان کے عدل و
تقویٰ اور ان کے حفظ و ضبط اور ان کے علم و فقہ
سے اطمینان حاصل کیا۔ انکی طرف مسلمان رجوع کرتے
اور حکام اور قضاۃ بھی خصومات اور قضایا میں
ان سے استفسار کرتے اور افراد اپنی ضرورتوں میں اور
ان کو درپیش آنے والی حاجتوں میں ان ہی سے

فتویٰ طلب کرتے تھے۔

اور ہر طبقہ اپنے سلف کے علم کا وارث ہوا اور جس طرح انکے سلف کو کتاب و سنت کے بیان اور انکے فتوؤں (کتاب و سنت میں جب کوئی نص نہ ہو) پر مسلمانوں کا اعتماد واطمینان حاصل تھا اسی طرح ان میں سے ہر طبقہ کو مسلمانوں کا اعتماد اور اطمینان حاصل ہوا۔

اور اس دور میں احکام شرلعیت کی وضاحت کرنے والوں میں سے اکثر کا مشغلہ علوم شرعیہ کی تدریس اور روایت حدیث رہا اور ان میں سے بعض وہ تھے جو عہدۂ قضا پر مامور ہوئے جیسے شریح شعبی اور ابویوسف اور ان میں سے بعض وہ تھے جو تجارت کرتے تھے۔ جیسے ابوحنیفہ اور فتویٰ دینا کوئی ایسا مشغلہ نہیں تھا کہ مفتی دوسرے مشاغل چھوڑ کر اسی کا ہو رہے۔ اور جو اپنے اندر اس فرض کی ادائیگی کی قدرت اور قابلیت پاتا وہ اپنے مشاغل یا تجارت یا تدریس کے ساتھ اس فریضہ کا ادا کرنا اسکے لئے ضروری تھا۔

اس دور میں تشریع کے اصول

اس دور میں اصول شرلعیت چار تھے، قرآن کریم، حدیث، اجماع اور اجتہاد چاہے وہ قیاس کے طریقہ پر ہو یا استنباط کے کسی طریقہ سے ہو جس بات میں فتویٰ طلب کیا گیا اگر اس پر دلالت کرنے والی قرآن وسنت کی کوئی نص ملے تو مفتی اسی پر اکتفا کرتا اور نص سے ثابت ہونے والے حکم سے تجاوز نہیں کرتا تھا۔ اور جب کسی واقعہ میں قرآن وسنت سے کوئی نص نہیں پاتا لیکن ایسے واقعہ میں مجتہدین سلف کا کسی ایک حکم پر اجماع اور اتفاق پاتا تو اسی کو اختیار کرتے ہوئے اسی کے مطابق فتویٰ دیتا تھا اور اس واقعہ کے حکم پر قرآن وسنت کی کوئی عبارت یا اس پر اجماع صحابہ نہ ملے تو اجتہاد کرتا اور استنباط کیلئے شارع نے جن طریقوں کی ہدایت فرمائی ہے ان طریقوں سے حکم دریافت کرتا تھا۔

اس دور میں اصول شرلعیت پر کیسی حالتیں طاری ہوئیں؟

اس دور میں اصول شرلعیت کے مصدر اول یعنی قرآن کریم پر دو حالتیں طاری ہوئیں جن کا اثر قرآن کے حفظ وضبط اور اسے ہر طرح کی تحریف سے بچاؤ پر پڑا۔

اول:۔ مسلمانوں کی ایک جماعت کی

توجہ پورے قرآن کریم کے حفظ کی طرف ہوی (جیسا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا تھا) اور اسی سے دوسری حفاظ سے قرآن حفظ کیا۔ جن میں مشہور ترین قراء سبعہ ہیں جنہوں نے حفظ وضبط اور اتقان کے باب میں نمایاں شہرت پائی۔ اور دوسری صدی ہجری میں جب انکا دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے حفظ وضبط میں اپنے تلامذہ پیدا کر لئے اور ان تلامذہ نے بھی اپنے شاگرد پیدا کئے اس طرح حفظ کی سند متصل ہو گئی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی گئی) اور قرآن کے حفظ میں ایکدوسرے کے آگے بڑھ جانا اور زیادہ سے زیادہ حفاظ کے پیدا ہونے کا سبب ہوا، تلاوت قرآن کا عبادت ہونا اور ہر نماز میں قرأت قرآن کا فرض ہونے نے دوسری حالت قرآن کریم کے رسم الخط اور اس حروف کی شکل میں اصلاح، چنانچہ جو مصحف حضرت عثمانؓ ابن عفان کے زمانہ میں مدون ہوا جسکے متعدد نسخے تیار کئے گئے اور امصار مسلمین میں تقسیم ہوئے۔ وہ خط کوفی میں بغیر شکل اور نقطوں کے لکھا گیا تھا اور حفاظ قرآن سے قرأت قرآن کے اخذ کرنے پر اعتماد تھا۔ لیکن جب غیر عربی قومیں اسلام میں کثرت سے داخل ہوئیں

تو بعض قارئین سے خطا کے واقع ہونے کا اندیشہ ہوا تو امیر عراق زیاد بن ابیہ کی طلب پر ابوالاسود دؤلی نے اواخر کلمات کی شکل کیلئے علامات وضع کئے اور حروف کے اوپر نقطہ کو علامت فتحہ اور اس کے نیچے نقطہ کو علامت کسرہ اور اس کے جانب نقطہ کو علامت ضمہ اور دو نقطوں کو علامت تنوین قرار دیا اس کے بعد خلیل بن احمد نے ان علامات کو ترک کر کے حرف کے اوپر الف کو علامت فتحہ اور اس کے نیچے یاء کو علامت کسرہ اور اس کے اوپر واو کو علامت ضمہ قرار دیا اور اواخر کلمات کی حرکات و سکنات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام کلمات کے حرکات و سکنات میں اضافہ کیا۔ اور نصر بن عاصم نے حجاج بن یوسف کی طلب پر جن حروف میں نقطے لگائے جاتے ہیں ان میں سے کسی میں ایک اور کسی میں دو لگائے

قرآن کے حفظ کرنے میں ایکدوسرے سے مسابقت اور حافظوں کی تعداد میں اضافہ اور رسم الخط اور حروف کی شکل اور نقطوں میں اس اصلاح کے ذریعہ سے اور ہر حرف کی صحیح ادائیگی کیلئے حروف کے درمیان امتیاز سے، اصل شرعی کے وسائل تکمیل اور حفظ وضبط اور ضروری سہولتیں پوری ہوئیں۔

اور دوسرا اصل شرعی سنت ہے۔ اس دور کے شروع میں اس پر بھی ایسی حالت طاری ہوئی جسکا تشریع اسلامی میں گہرا اثر ہے۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے اپنے عہد خلافت میں والی مدینہ ابوبکر بن حزم کو لکھا۔ دیکھو جہاں کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث دستیاب ہو اسکو ضبط تحریر میں لاؤ کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے گذر جانے کا خوف ہے۔ اور محمد بن شہاب الزہری کو حدیثوں کی تدوین کا حکم دیا چنانچہ ان دونوں نے حسب استطاعت تدوین سنت کا کام انجام دیا۔ ان سے پہلے قرن ہجری اول میں یہ ساری چیزیں (مواد سنت) صرف راویوں اور حفاظ کے سینوں میں تھیں اس طرح سے تدوین سنت کا کام شروع ہو گیا جس کے بعد بہت سارے علماء نے تدوین حدیث کا کام شروع کیا۔ چنانچہ ۱۴۰ھ میں امام مالک بن انس نے خلیفہ منصور کی طلب پر احادیث صحیحہ پر مشتمل اپنی کتاب موطا: مدون کی اور دوسری صدی ہجری میں اصحاب مسانید نے سنت میں اپنے مسانید مدون کی مسند وہ مجموعہ احادیث ہے جس میں مضمون حدیث سے قطع نظر کرتے ہوئے ایک ہی راوی کی تمام روایات ایک جا جمع کی جاتی تھیں مثلاً حضرت عمرؓ کی تمام روایتیں علیحدہ اور حضرت ابوبکرؓ کی تمام روایات علیحدہ اور ان مسانید میں سب سے زیادہ قدیم مسند جو ہم تک پہنچی ہے وہ مسند امام احمد ہے اور تیسری صدی ہجری میں کتب صحاح ستہ کی تدوین ہوئی اور وہ یہ ہیں صحیح البخاری، مسلم، ابی داود، النسائی، الترمذی اور ابن ماجہ۔ حدیث کی کتابوں میں جب رواہ الستہ کہا جائے تو اس سے مراد یہ چھ کتابوں کی روایت ہے اور اگر متفق علیہ کہا جائے تو بخاری ومسلم دونوں کی روایت ہے اور ان مجموعوں کے علاوہ دوسرے بہت سے لوگوں نے بھی سنت میں متعدد مجموعوں کی تدوین کی ہے

یہ تدوین جس نے سنت کو ضائع اور تلف ہونے سے بچایا لیکن اس تدوین نے مسلمانوں کو سنت کے ایسے کسی ایک مجموعہ پر متفق نہیں کیا جو مساوی طور پر امت کے خواص وعوام کا مرجع ہو جس طرح نصوص قرآن کے ایک ہی مجموعہ پر اتفاق ہوا۔ اسی لئے سنت کے تدوین کے بعد بھی اختلاف کیلئے میدان باقی رہ گیا اور وضع حدیث اور اختراع کی گنجائش رہ گئی۔

خلیفہ منصور عباسی نے سوچا کہ حدیث کا ایک ایسا مجموعہ ہو جس کو مسلمانوں کے درمیان

پھیلایا جائے اور اسی پر سب کو متفق کیا جائے اور سبھی اسی مجموعہ کی طرف رجوع کریں۔ اس کام کیلئے امام المدینہ مالک بن انس کو حکم دیا کہ سنتوں کی ایسی کتاب مرتب کیجئے جس میں ابن عباس کی رخصتوں اور ابن عمر کی سختیوں سے اجتناب کیا جائے۔

امام مالکؒ نے اپنی "موطا" لکھی اور منصور نے چاہا کہ اپنی تجویز نافذ کرے اور لوگوں کو صرف اسی کتاب کی طرف رجوع ہونے پر مجبور کرے۔

امام مالکؒ نے خلیفہ سے فرمایا: امیر المومنین یہ بات نہیں ہو سکتی کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام مختلف مقامات پر پھیل گئے اور وہ صحابہ ان ہی احادیث کی پیروی کرتے تھے جو ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوئی تھیں اور وہ سب کے سب ہدایت پر تھے اور ان میں کا ہر ہر فرد اللہ تعالیٰ کا طالب تھا اس پر منصور نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

اس دور میں تشریع کا طریقۂ کار

اس عہد کے شروع میں تشریع کا اختیار تابعین اور اکابر تابعین کے طبقہ میں تھا مصادر تشریع کی طرف رجوع کرنے میں اور مبادی عامہ کی رعایت کرنے میں ان کا طریقہ کار وہی تھا جو ان کے اساتذہ صحابہ کا تھا۔ اسی لئے ان کے فتوے واقعی حوادث اور قضایا سے متعلق تھے اور انکے اسباب اختلاف بھی وہی تین تھے جنکی وجہ سے صحابہ کرام کے فتوؤں میں اختلاف واقع ہوا تھا اور لیکن اس عہد کے شروع میں بعض فقہا کے درمیان مناظرات اور اختلافات واقع ہوئے جنکی وجہ سے ایک جدید طریقہ تشریع کے ظہور کا باعث ہوا۔ مثلاً مدینہ میں ربیع بن ابی عبدالرحمن اور محمد بن شہاب الزہری اور ان کے امثال وہم عصر کے درمیان شرعی بحثیں ہوئیں جنکی وجہ سے بہت سارے فقہائے مدینہ ربیعہ کی مجلس سے علیحدہ ہو گئے اور ان کو ربیعۃ الرأی کے لقب سے ملقب کرنے لگے اور اسی طرح کوفہ میں ابراہیم نخعی اور شعبی کے درمیان بحثیں ہوئیں

تشریع کا یہ کام دوسری صدی ہجری کے وسط میں ائمہ مجتہدین کے طبقہ ابوحنیفہ اور انکے معاصر اصحاب اور مالک اور ان کے معاصر اصحاب کی جانب منتقل ہونے تک تشریع کے طریقۂ کار میں متعدد آراء وجود میں آ گئی تھیں۔

اور چند ایسے اسباب پیدا ہو گئے جنہوں نے فقہا
کو گروہوں میں بانٹ دیا اور ہر گروہ کا استنباط
شریعت اور بعض مبادی عامہ میں ہر ایک کا
بنیادی نہج سے مختلف تھا اور اسی وجہ سے فقہا
کے اجتہاد کے طریقے متعدد ہونے جن سے مذاہب
فقہیہ کی بنیاد پڑی۔

ائمہ مجتہدین کے اختلاف کے اسباب اور مذاہب فقہیہ کا وجود

ہم نے بیان کیا ہے کہ عہد رسالت
میں احکام شرعی میں اس لئے کوئی اختلاف نہیں
ہوا کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم شریعت
بیان کرتے تھے اور جب صحابہ کرام کے دور میں حکم
شریعت بیان کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ
ہوا تو انکے درمیان بعض احکام میں اختلاف
رونما ہوا اور ایک ہی واقعہ کے اندر ان سے
مختلف فتوے صادر ہوئے اور اس اختلاف
کا پیدا ہونا ناگزیر تھا کیونکہ نصوص کے مطلب
سمجھنے میں ان کے نقطہ نظر کے اختلاف اور قوت
ادراک کی کمی وبیشی سے اختلاف واقع ہوا، اور
اس کے علاوہ یہ وجہ بھی رہی کہ ان سبھوں کو یکساں
طور پر تمام سنتوں کا علم نہیں تھا اور بسا اوقات
ان میں سے بعض کو کسی سنت کا علم ہوتا تو
دوسرے اس سے ناآشنا اور لاعلم رہتے اور
شرعی احکام کے استنباط کرنے میں جن مصالح کی
رعایت کیجاتی تھی ان میں فقہا کے ماحول کے
اختلاف کا بڑا دخل رہا۔ چنانچہ یہی وہ اسباب
تھے کہ اصول شریعت پر اتفاق اور ان اصول
کے باہمی مرتبوں کی ترتیب میں اور عام مبادی
شرعیہ میں اتفاق کے باوجود بعض وقائع اور
قضایا میں ان کے فتووں اور احکام میں اختلاف
ہوا یعنی انہوں نے اصول تشریع اور اس کے
طریقہ کار میں اختلاف نہیں کیا بلکہ فروع میں اختلاف
کیا۔ اور لیکن جب دوسری صدی ہجری میں آئمہ
مجتہدین کے طبقہ نے اجتہاد کیا تو فقہا کے درمیان
اختلاف کی خلیج وسیع ہو گئی اور ان کے اسباب
اختلاف / ان تین اسباب تک ہی محدود نہ رہ
سکے جن پر صحابہ کرام کے اختلاف کی بنیاد رہی بلکہ
مزید ایسے اسباب رونما ہوئے جنکا اثر اصول شریعت
طریقۂ اجتہاد اور ان اصول لغویہ پر پڑا جنکی روشنی
میں نصوص کی مراد معلوم کیجاتی تھی۔ اسی لئے انکا
اختلاف صرف فتووں اور فروع نہیں رہا بلکہ
شریعت کی بنیادوں اور اسکے طریقۂ کار میں بھی
پیدا ہوا اور احکام فرعیہ میں ان میں سے ہر فریق

کا ایک خاص مذہب ہو گیا جو خاص طریقہ سے استنباط کیا جاتا تھا۔

آئمہ مجتہدین کے طریقۂ کار کا اختلاف ان تین امور میں تھا۔ پہلا اصول شرعیہ میں ترجیح اور دوسرا استنباط کے میلانات اور رجحانات میں اور تیسرا بعض مبادی لغویہ میں جنکی روشنی میں نصوص کی مراد معلوم کیجاتی ہے،

بعض اصولِ شریعت کے اندازے اور ترجیح میں مجتہدین کا اختلاف جو اُمور ذیل میں ظاہر ہوا

پہلا: سنت پر وثوق واعتماد کے طریق میں، اور اس معیار میں جسکی بنا پر ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دیجاتی ہے بے شک سنت پر وثوق، سنت کی روایت اور کیفیت روایت کے وثوق پر مبنی ہے اور اس وثوق کے طریق میں آئمہ نے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ مجتہدین عراق ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب سنت متواترہ اور سنت مشہورہ کو حجت سمجھتے ہیں اور فقہا ثقات کی روایات کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی لئے ابویوسف نے کہا ان احادیث پر عمل کرنا لازم ہے جنکو جماعت محدثین نے اختیار کیا اور وہ فقہا کے درمیان مشہور رہیں۔

مدینہ کے مجتہدین مالک اور آپکے اصحاب اہل مدینہ کے اس عمل کو ترجیح دیتے ہیں جس میں وہ متفق ہوں اور اس خبر واحد کو ترک کر دیتے ہیں جو اہل مدینہ کے عمل کے خلاف ہو

اور بقیہ مجتہدین، عدول اور ثقہ راویوں کی روایات کو حجت سمجھتے ہیں چاہے وہ فقیہہ ہوں یا غیر فقیہہ چاہے وہ اہل مدینہ کے عمل کے موافق ہوں یا مخالف — اور اسی لئے مجتہدین عراق نے حدیث مشہور کا حکم بھی متواتر کا حکم سمجھا اور قرآن کریم میں اگر کوئی عام حکم آئے تو حدیث مشہور سے اسکے عموم میں تخصیص کرتے تھے اور اسی حدیث مشہور سے مطلق کو مقید کرتے تھے لیکن دوسرے فقہا نے حدیث مشہور کو اس قسم کی قوت بہم نہیں پہنچائی۔

اور اسی بنا پر کہ حدیث مرسل جسکو کسی صحابی نے امر رسول اللہ بکذا او نہی عن کذا او قضی بکذا یعنی (رسول اللہؐ نے یوں حکم دیا یا رسول اللہؐ نے اس سے منع کیا یا رسول اللہؐ نے یوں فیصلہ کیا) کہہ کر روایت کرے اور یہ تصریح نہیں کی کہ اس نے بذات خود رسول اللہ سے سنا یا رسول اللہؐ سے گفتگو کیا یا مشاہدہ کیا تو ایسی حدیث کو بعض فقہاء استدلال نے حجت مانا اور بعض نے حجت

تسلیم نہیں کیا۔

سنت پر وثوق و اعتماد کے طریقہ میں اس اختلاف کی وجہ سے فقہا میں بعض نے جس سنت کو قابل حجت سمجھا اور بعضوں نے جس سنت کو ترجیح دی وہی دوسروں کے نزدیک مرجوح رہی۔ اس سے احکام میں اختلاف پھیل گیا۔

(اسی سنت کو دوسروں نے حجت نہیں سمجھا)

دوسرا: ان فقہا کے اس نوع کے اختلاف کا اثر صحابہ کے فتووں اور ان میں ایک دوسرے پر ترجیح دینے میں واقع ہوا چنانچہ افراد صحابہ کے اجتہادی فتووں کے متعلق ائمہ نے اختلاف کیا۔

ابو حنیفہؒ اور آپ کے متبعین کا طریقہ کار ان فتووں کے متعلق یہ رہا کہ صحابہ کے فتووں میں سے کسی ایک فتویٰ کو اختیار کر لیا جائے لیکن کسی ایک معین فتویٰ کا اپنے کو پابند نہ کیا جائے اور صحابہ کے فتووں کے باہر بھی نہیں جانا چاہئے۔ یعنی ان کے فتووں کے خلاف فتویٰ نہیں دینا چاہئے ؏۱

شافعی اور آپ کے متبعین کا طریقہ کار یہ رہا کہ صحابہ غیر معصومین ہیں ان میں سے کسی ایک کا فتویٰ لیا جائے یا ضرورت ہو تو سب کو ترک کر کے ان فتووں کے خلاف فتویٰ دیا جائے۔

اس نقطۂ نظر کی وجہ سے بھی احکام میں اختلاف رونما ہوا۔ — تیسرا:- ان فقہا کے اس اختلاف کا اثر قیاس پر بھی پڑا شیعہ اور ظاہریہ مجتہدین نے قیاس کو حجت ماننے سے انکار کر دیا اور قیاس کے اصل شرعی ہونے سے نفی کی۔ اس لئے انکا نفاۃ القیاس (قیاس کی نفی کرنے والے) کا نام دیا گیا۔ اور جمہور ائمہ نے قیاس کو حجت مانا اور اسکو قرآن سنت اور اجماع کے بعد اصول شرع میں شمار کیا لیکن یہ ائمہ بھی قیاس کے حجت ہونے پر متفق ہونے کے ساتھ ساتھ اس امر میں اختلاف کیا کہ کونسی بات حکم کی علت ہو سکتی ہے جس پر قیاس کی بنیاد رکھی جائے۔

اس سے بھی احکام میں اختلاف ہوا اور لیکن انکا اختلاف تشریعی رجحانات میں اہل حدیث اور اہل رائے کی تفریق سے ظاہر ہوا۔ اہل حدیث اکثر حجاز کے مجتہدین ہیں اور اہل رائے اکثر عراق کے مجتہدین ہیں۔ اس تقسیم سے مراد یہ نہیں کہ فقہا عراق اپنے طریقۂ استنباط میں حدیث سے اور فقہاء حجاز اجتہاد بالرای سے استفادہ نہیں کرتے۔ بلکہ وہ تمام اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث لازمی طور پر حجت شرعیہ ہے اور اجتہاد بالرای یعنی قیاس ان

؏۱ مثلاً کسی ایک مسئلہ میں صحابہ کے تین قول ہیں تو ان ہی میں سے کسی ایک قول کو اختیار کر لینا چاہئے۔ اقوال صحابہ کو ترک کر کے چوتھا قول اختیار نہ کریں۔ سنتم

امور میں جن میں نص وارد نہیں۔ حجت شرعیہ ہے۔
اس نام اور تقسیم کا سبب صرف یہ ہے
کہ شارع کے اغراض و مقاصد ہیں اور شریعت کی
بنیادوں اور اصولوں میں فقہاء عراق نے امعان
نظر سے کام لیا۔ وہ اس بات کو مانتے تھے کہ احکام
شرعیہ معقول المعنی ہیں۔ اور انکا مقصد عامۃ الناس
کے مصالح اور بہبود ہے اور تمام احکام ایک ہی
نوع کے مبادی پر قائم ہیں اور ایک مقصد ہی مقصود
ہے اور وہ ہے تحقیق مصالح الناس اسلئے ضروری
ہے کہ تمام احکام ایکدوسرے کے ساتھ متناسب
ہوں اور انکے نصوص و احکام کے درمیان کسی قسم کا
تعارض اور تناقص نہ رہے۔ فہم نصوص میں اسی بنیاد
کا اعتبار کرتے ہیں اور اسی کے پیش نظر ایک نص کو
دوسری نص پر ترجیح دیتے ہیں اور جس میں کوئی نص
وارد نہیں اس میں استنباط کرتے ہیں۔ اگرچہ کہ اس
اساس پر استنباط کرنا انکو ظاہر نص کے ترک کرنے
پر آمادہ کردے۔ اور روایت کے اعتبار سے قوی تر
نص کے مقابلہ میں دوسری نص کو ترجیح دیتے ہیں
اور یہ اس لئے کہ وہ اجتہاد بالرائے کے میدان کی
توسیع میں کوئی تنگی محسوس نہیں کرتے اور اپنے اکثر
بحوث میں قیاس کو وسیع کرتے ہیں

اور لیکن فقہاء حجاز نے احادیث اور
اور فتاوی صحابہ کے حفظ اور بیان احکام میں ان
آثار کی عبارتوں کے مدلولات کے سمجھنے اور ان کو احکام
کے علل و مبادی کی بحث کے بغیر حوادث اور واقعات
پر منطبق کرنے کو اختیار کیا۔ جب انہوں نے دیکھا
کہ نص سے انہوں نے جو سمجھا اور وہ عقل کے تقاضہ
کے موافق نہیں ہے تو انہوں نے عدم موافقت کی
کوئی پرواہ نہیں کی اور کہا کہ اس واقعہ میں یہی نص
ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب تک انہیں انتہائی
سخت ضرورت نہ ہوتی قیاس نہیں کرتے تھے مثلاً
حدیث میں وارد ہے ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری
زکواۃ اور صدقہ فطر میں ایک صاع کھجور یا جو ہے
اور اگر کوئی شخص بیع کو فسخ کرکے شاۃ مصراۃ
کو دودھ دھونے کے بعد واپس کرے تو اس کے
ساتھ ایک صاع کھجور بھی دے۔

فقہاء عراق نے اقتضائے عقل اور شارع کے
ان احکام سے مقصود کی روشنی میں ان نصوص کو
سمجھا اور وہ یہ کہ چالیس بکریوں کے مالک پر واجب ہے
کہ فقراء کو ایک بکری یا اس کے مساوی چیز سے
فائدہ پہنچائے اور صدقہ فطر ادا کرنے والے پر
واجب ہے کہ فقیروں کو ایک صاع کھجور یا اس سے
مساوی چیز سے فائدہ پہنچائے اور خریدار نے
بکری سے جو دودھ حاصل کیا ہے اس کے مثل یا قیمت

کا ضامن ہو اور شارع کا مقصود صاع یا بکری کی تخصیص نہیں ہے لہٰذا جو شخص بکری کی قیمت زکوٰۃ میں دے یا ایک صاع کی قیمت صدقۂ فطر میں دے یا لبن مصراۃ (دھوئے ہوئے دودھ) کی قیمت کا ضامن ہو تو جائز ہے کیونکہ ان احکامات میں مقصود فقراء کو نفع پہنچانا اور تلف شدہ مال کا عوض دلانا ہے۔

اور لیکن فقہاء حجاز ان نصوص کو عبارت کے ظاہری مدلولات کے موافق سمجھتے ہیں اور وہ شریعت کی علت میں بحث و مباحثہ نہیں کرتے ہیں اور علل معقولہ کی بنیاد پر تاویل کے درپے نہیں ہوتے۔ اسی لئے بکری کو ہی زکوٰۃ میں دینا اور خاص طور پر ایک صاع کھجور ادا کرنے کو واجب سمجھتے ہیں۔ اور ان کے مذہب میں قیمت دینا کافی ہیں۔ اور وہ اہم اسباب جو ذیل کے دو رجحانات کے اختلاف کا باعث بنے۔

پہلا سبب یہ ہے کہ احادیث اور صحابہ کرام کے فتوؤں کا ذخیرہ جس قدر حجاز میں تھا اس قدر عراق میں نہ تھا۔ حجازیوں نے اپنے پاس ان آثار کا سرمایہ پایا اور اپنے استنباط میں اسی پر اعتماد اور بھروسہ کیا لیکن فقہاء عراق کے نزدیک یہ سرمایہ اتنا نہ تھا جس کی وجہ سے انہوں نے عقل و درایت سے بھی کام لیا اور معقول النص اور علت احکام کے سمجھنے میں اجتہاد کیا تاکہ نصوص کے معانی میں وہ وسعت پیدا ہو جس کی گنجائش نص کے الفاظ میں نہ تھی اور اس باب میں انہوں نے اپنے استاد عبداللہ بن مسعود کی پیروی کی۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ عراق میں ایسے فتنے رونما ہوئے جو جھوٹی حدیثیں گھڑنے اور احادیث میں تحریف و تبدیل کا باعث بنے کیونکہ عراق شیعیت کا گہوارہ اور خوارج کا گڑھ تھا۔ اور فقہاء عراق نے وضع احادیث اور ان میں تحریف و تبدیل پر جرأت و بے باکی کا جیسا مشاہدہ کیا ویسا مشاہدہ فقہاء حجاز نے نہیں کیا تھا۔ اسی لئے عراق کے فقہاء نے روایت کے قبول کرنے میں بہت سختی برتی اور اس بات کا التزام کیا کہ حدیث اہل فقہ کے درمیان مشہور ہو چنانچہ جب کبھی انہیں ایسی حدیث ملتی جو اقتضائے عقل اور شارع کی حکمت سے موافق اور مطابق نہ ہو تو اس کو ترک کر دیتے یا اس کی تاویل کرتے تھے۔

تیسرا سبب: یہ ہے کہ عراق کا ماحول حجاز کا ماحول نہیں تھا اور ان دونوں ملکوں کے واقعات اور قضایا بھی مختلف تھے کیونکہ عراق میں فارسیوں کی حکومت کی وجہ سے انواع و اقسام کے عادات و معاملات اور نظم و نسق پائے جاتے تھے جن کے

مثل بلاد حجاز میں کوئی چیز نہ تھی۔ عراق میں اجتہاد کا میدان وسیع اور بحث و مباحثہ کیلئے بڑی گنجائش تھی یہی وجہ ہے کہ عراق کے فقہاء میں بحث و تفکیر کا ملکہ وجود میں آیا اور ان سے احکام میں رائے اور نظر کی متعدد وجوہ ظاہر ہوئیں۔

اور لیکن فقہاء حجاز کو ایسی کوئی بات نہیں پیش آئی جس طرح انکے سلف تابعین یا صحابہ کو بھی نہیں پیش آئی تھی اس لئے کہ دونوں کا ماحول ایک ہی تھا اور ایسا موقعہ شاذ و نادر ہی پیش آیا کہ حجاز کے فقہا کا سامنا کسی ایسے واقعہ سے ہوا ہو جسکے حکم میں کوئی حدیث یا صحابی کا فتویٰ انکے نزدیک نہ ہے، جب فقہاء حجاز کو اجتہاد کا وہ میدان نہیں ملا جو عراق کے فقہا کو ملا تو انہیں نصوص کو انکے ظاہری مدلولات سے سمجھنے کی عادت ہو گئی اور نصوص کے علل میں انکے مقاصد میں تعمق اور غور و فکر کی حاجت نہیں ہوی۔

اور ان فقہا کا اختلاف جو بعض مبادی لغوی اصولیہ میں ہوا وہ عربی زبان کے اسلوب بیان کے استقراء میں نقطۂ نظر و فکر کے اختلاف سے ہے چنانچہ ان میں سے بعض کی رائے تھی کہ عبادت النص سے جو حکم ثابت ہوتا ہے اس میں نص حجت ہے اور اس کے مفہوم مخالف سے اسکے خلاف حکم ثابت ہوتا ہے اور بعضوں نے یہ نہیں سمجھا۔

اور ان میں سے بعض کی رائے یہ تھی کہ جس عام میں کوئی تخصیص نہ ہوی ہو ایسے عام کے حکم میں تمام افراد کا شامل ہونا قطعی ہے اور بعضوں کی رائے تھی کہ وہ قطعی نہیں ظنی ہے۔

اور ان میں سے بعض کی رائے تھی کہ اتحاد حکم کے وقت مطلق کو مقید پر حمل کیا جائیگا اگرچہ کہ سبب مختلف ہو اور بعضوں کے نزدیک اتحاد حکم و سبب کے وقت ہی مطلق کو مقید پر حمل کیا جائیگا

اور ان میں سے بعض لوگوں کے پاس صیغۂ امر سے وجوب اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی ایسا قرینہ یا دلیل نہ ہو کہ یہاں امر سے مقصود وجوب نہیں ہے۔ اور ان میں سے بعض کی رائے تھی کہ امر تو صرف طلب فعل کیلئے ہے اور قرینہ اور دلیل سے معلوم ہو جائیگا کہ یہ طلب فعل ایجاب کے طریقہ پر ہے یا استحباب یا اباحت کے طریقہ پر

اس دور میں ہر مجتہد کا طریقۂ استنباط ذیل کی چیزوں پر مبنی تھا۔

سنت میں وثوق کے لحاظ سے احادیث کے مراتب و درجات کی تعیین، اصحابہ کے فتووں میں ترجیح، اپنے مسلک قیاس اور فہم نصوص اور ان میں تعلیل و تاویل کے رجحانات اور استقراء احکام

شرعیہ اور اسالیب بیان سے جو اصول و مبادی انہوں
نے اپنے اجتہاد و استنباط کی بنیاد رکھی۔

اس عہد کا تشریعی ورثہ

اس دور نے اپنے پیچھے
جو اہم تشریعی ورثہ چھوڑا وہ دو تین چیزیں ہیں

اول: صحیح حدیثوں کی جمع و تدوین بعض
نے مسانید کے طرق پر اور بعض نے ابواب فقہ کی ترتیب
پر حدیثوں کو جمع کیا اور اس دور میں علماء حدیث نے
احادیث کی تدوین حفظ و ضبط اور راویوں کے
حالات سے متعلق تحقیق و تدقیق میں ایکدوسرے سے
سبقت لے گئے جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے

دوسری بات: یہ ہوئی کہ اس دور میں فقہ
اور اس کے احکام کی تدوین ہوئی اور تمام متعلقہ مسائل
ایکدوسرے کے ساتھ ایک ہی موضوع کے تحت اور
احکام کی تفصیل اور انکا استدلال جمع کیا کیونکہ اس
دور میں دولت اسلامیہ کی سرحدیں وسیع ہو گئیں
اور تمدن و حضارت کو وسعت ہوئی اور ان میں ایسے
قضایا و حوادث اور نظم و نسق کے معاملات پیدا
ہوئے جن میں مجتہدین اور اجتہاد کیلئے ایک وسیع
میدان تیار ہو گیا تو انہوں نے نصوص کے سمجھنے میں
اور ان امور میں جن میں نص وارد نہیں ہے حکم استنباط
کرنے پر بڑی کوشش کی اور اس کوشش میں ایک
دوسرے پر سبقت لیجانے کی سعی کرتے تھے۔ اور
انہی کتب اور طریقۂ اجتہاد میں ان طریقوں سے متاثر
ہوئے جو غیر عربی اقوام کے اسلام میں داخل ہونے
والوں سے کتنوں میں ظاہر ہوئے۔ اور ان علوم
وفنون سے جو مسلمانوں میں منقول ہوئے یہی وجہ
ہے کہ اس دور میں مجتہدین کے فتاوی صرف فتاوی ہی
نہیں بلکہ وہ دلیل و حجت سے مؤید تعلیل شدہ مباحث
و آراء بن گئے اور فقہ اور اسکے احکام ایک ایسا مستقل
علم ہو گیا جسکے مسائل کلیہ حوادث واقعیہ اور غیر واقعیہ
دونوں پر منطبق کیے جا سکتے ہیں۔ اور ان احکام میں
ان حوادث کے احکام بھی ہیں جو واقع نہیں ہوئے۔

اور اس دور میں جامع کتابوں کی تصنیف ہوئی
جو آج بھی مسلمانوں کا مرجع بنی ہوئی ہیں۔ اور ان مشہور
کتابوں میں فقہ حنفی کے اندر "ظاہر الروایۃ" کی چھ
کتابیں ہیں جنکی روایت ابوحنیفہ سے ابو یوسف
نے اور ابو یوسف سے محمد بن حسن نے کی ہے
اور ان ظاہر الروایۃ کی چھ کتابوں کو حاکم الشہید
نے اپنی کتاب "کافی" میں جمع کیا ہے۔ اور امام مالک رح
کے مذہب میں ایک کتاب "المدوّنۃ" جس کی
روایت امام مالک نے ابن القاسم سے اور ابن القاسم
نے سحنون سے کی ہے اور مذہب شافعی میں کتاب الام
جس کو خود امام شافعیؒ نے مصر میں اپنے تلامذہ سے املاء

کردیا۔ آئمہ اربعہ اور انکے علاوہ دیگر مجتہدین کے مذاہب میں بہت سی کتابیں ہیں۔

اور تیسری چیز یہ کہ اس دور میں اصول فقہ کی تدوین ہوئی۔ اس عہد میں ہر مجتہد حکم شرعیہ معلوم کرنے کیلئے مخصوص طریقوں کو اختیار کیا تو ایسے اصول و مبادی مقرر کئے جن پر انکے طریقۂ استنباط اور اجتہادِ کی بنیاد رہی۔ اور ہر مجتہد اپنے احکام و مسائل کے بیان کے درمیان میں اپنے مخصوص طریقۂ استنباط کے اصول و مبادی کو جابجا ذکر کیا۔ چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب "موطا" کے مختلف ابواب میں اپنے طریقۂ استنباط کے قواعد اور انکے مبادی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی طرح امام اعظم اور آپ کے اصحاب نے بھی اور حضرت ابو یوسف نے اصول فقہ میں مستقل طور پر ایک کتاب مرتب کی ہے لیکن پہلا شخص جو علم اصول فقہ میں ان قواعد کو باقاعدہ مرتب اور مدلل طریقہ سے بیان کیا وہ امام محمد بن ادریس شافعی ہیں جنکی مشہور کتاب "الرسالۃ فی علم الاصول" اس لئے وہ علم اصول الفقہ کے بانی اور واضع مشہور رہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ان قواعد کو مرتب کیا اور ان کو علمی رنگ میں پیش فرمایا انہوں نے ان قواعد کی ابتدا نہیں کی۔

اس عہد کے بعض اصحاب تشریع کا مختصر تذکرہ

امام اعظم ابوحنیفہ

اسم گرامی نعمان بن ثابت، ۸۰ھ میں کوفہ میں ولادت ہوی اور ۱۵۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ اور آپکے پوتے اسمٰعیل بن حماد فرماتے ہیں۔ ہم آزاد (احرار) فارسیوں کی اولاد ہیں۔ بخدا ہم پر کبھی غلامی کا دور نہیں آیا۔ ہمارے جد ثابت اپنے زمانۂ طفولیت میں علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوے اور انہوں نے آپکے حق میں اور آپ کی اولاد کے حق میں برکت کی دعا فرمائی

امام اعظم نے حماد ابن ابی سلیمان سے فقہ حاصل کیا اور حماد نے ابراہیم سے ابراہیم نے علقمہ سے علقمہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے

امام اعظم کوفہ میں خز (ریشم یا ریشم اور صوف سے تیار کردہ کپڑا) کی تجارت کرتے تھے اور آپ لوگوں کے درمیان معاملہ کی سچائی اور اشیاء کی قیمت میں زیادتی اور کمی کی ناپسندیدگی اور خریدار کو حقیقی قیمت بتلانے میں مشہور تھے۔

دوسری صدی کے شروع میں جب علم فقہ حاصل کیا تو اس میں عظیم فوقیت اور برتری کے مالک ہوگئے اور آپ مسائل اپنے تلامذہ کے

سامنے پیش فرماتے تھے جن پر بھی یہاں تک بحث و
مباحثہ کرتے کہ ان مسائل میں ایک ہی رائے پر متفق
ہوتے تھے یا ہر ایک اپنی اپنی رائے پر قائم رہتا
چنانچہ اسی سبب سے انکے مسائل فقہ عموماً مناظرہ
اور رد و قبول کے بعد ہی طے ہوتے تھے۔

فقہی احکام کے استنباط میں امام اعظم کا
طریقہ کار کیا تھا جسکی وضاحت خود انہوں نے ان
الفاظ میں کی ہے۔

اگر کتاب اللہ میں حکم مل جائے تو میں اسی سے
اخذ کرتا ہوں اور اس میں نہ ملنے کی صورت میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ان آثار صحیحہ
سے اخذ کرتا ہوں جو اصحاب فقہ کے درمیان مشہور ہیں
اور جب کوئی حکم قرآن وسنت میں نہ ملے تو صحابہ کے
اقوال میں سے کسی قول کو اخذ کرتا ہوں لیکن ان کے
اقوال کو چھوڑ کر اوروں کا قول نہیں اختیار کرتا ہوں
اور جب معاملہ ان پر یعنی ابراہیم شعبی حسن ابن
سیرین اور سعید ابن المسیب پر موقوف ہو تو میں اجتہاد
کرتا ہوں جیسا کہ انہوں نے اجتہاد کیا۔ اور امام اعظم
قیاس اور استحسان میں ماہر صاحب کمال ہوئے اور
ان دونوں میں بڑی وسعت پیدا کی۔ اسی طرح آپ
کے اصحاب نے بھی جسکی وجہ سے مسائل فقہیہ بے حد
وسیع اور کثیر ہوگئے۔ اور امام اعظم اور آپکے اصحاب
مسائل کی ایک خاص صورت فرض کرتے ہوئے اس
کا جواب تلاش کرتے تھے اور اسکی وجہ سے وہ اپنے
اسلاف کے طریقہ سے مخالف ہوگئے کیونکہ انکے سلف
ایسے حوادث کی جانب توجہ نہیں دیتے تھے جو اب تک
وجود میں نہیں آئے بلکہ انکے پیش نظر وہی حوادث تھے
جو بالفعل واقع ہوئے ہوں حتیٰ کہ ان میں سے بعض
افراد ایسے مسئلہ میں جواب دینے سے پیچھے ہٹتے تھے
جس میں کوئی نص وارد نہ ہو اور بالجملہ حضرت ابو حنیفہ
اور انکے اصحاب اور وہ فقہاء عراق جو آپ سے وابستہ تھے
انکے ہاتھوں فقہ الرائی (یعنی رائے و اجتہاد اور فکر سے
استنباط شدہ فقہ) کی اشاعت ہوئی اور اس رائے اور
احکام کے مناسب اوصاف اور انکے علل کی تلاش کی وجہ
سے یہ ممکن ہوا کہ وسائل شریعت میں باہم ربط و تعلق قائم
ہے اور ان میں سے ہر قسم کے مسائل کی ایک خاص بنیاد
اور قواعد منتظمہ کی طرف لوٹ سکے۔ ان امور کی وجہ سے
فقہ، اصول و قواعد والا ایک مستقل علم ہوگیا جو اس سے
قبل وہ ایسے منتشر و بکھرے ہوئے مسائل کا مجموعہ تھا
جسکے درمیان کسی قسم کا رابط اور تعلق نہ تھا۔ اس کے بعد
وہ افراد بھی جو صرف روایت پر اکتفا کرنے والے تھے اور
جن کو مسائل دینیہ میں رائے سے تکلم اور کلام کرنے
میں ہیبت تھی یہ لوگ بھی قیاس اور مصالح مرسلہ کے
نام پر رائے سے استنباط کرنے لگے۔ جیسا کہ یہ بات

مذاہب اربعہ اور انکے علاوہ دیگر مذاہب کی کتابوں کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتی ہے۔

اور امام اعظم کے جلیل القدر اصحاب تھے جنہوں نے آپ سے علم حاصل کیا اور اجتہاد و استنباط میں آپ کے ساتھ شریک رہے اور ان سے مذہب حنفیہ کے مسائل کی نشو ونما اور کثرت ہوئی اور ان کے اقوال انکے امام کے اقوال سے خلط ملط ہوئے اور اس پورے مجموعہ کو مذہب ابی حنیفہ کا نام دیا گیا حالانکہ وہ انکے اور انکے تلامذہ واصحاب کے آراء سے مخلوط ہے اور امام اعظم کے اصحاب میں سے کسی نے بھی اپنے استاد سے اپنے آراء ومسلک میں انفصال اور علیحدگی کا نہیں سوچا جس طرح کہ امام شافعی اپنے استاد امام مالک سے اور امام احمد اپنے استاد امام شافعی سے علیحدہ ہوئے۔ امام اعظم کے مشہور ترین اصحاب میں حضرت ابو یوسف اور حضرت محمد بن حسن ہیں۔

امام ابو یوسف کا نام یعقوب بن ابراہیم انصاری ہے۔ ۱۱۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور ۱۹۳ھ میں وفات ہوئی۔ ابتدا میں روایت حدیث میں مشغول تھے پھر امام اعظم سے وابستہ ہوگئے اور آپکے اصحاب میں سب سے بڑے اور آپکے معاونین میں سب سے افضل قرار پائے اور اموال و ٹیکس کے نظام میں آپکی تصنیف "الخراج" ہے جسکی متعدد مرتبہ طباعت ہوئی۔ امام ابو یوسف ہی نے مذہب ابی حنیفہ کی نشر و اشاعت کی کیونکہ وہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے اور اسی شخص کو قاضی بناتے تھے جو حنفی المسلک ہو

اور امام محمد بن حسن کی ولادت ۱۳۲ھ میں اور وفات ۱۸۹ھ میں ہوئی۔ کوفہ میں پرورش پائی اور بچپن ہی سے حضرت امام اعظم کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے امام ابو یوسف سے دراست کی تکمیل کی اور محمد ہی نے فقہ ابی حنیفہ کے مسائل کو جمع کرکے اپنی چھ مشہور کتابوں میں تحریر کیا وہ کتابیں یہ ہیں:۔

مبسوط محمد، الجامع الکبیر، الجامع الصغیر، کتاب السیر الکبیر، کتاب السیر الصغیر اور زیادات، امام محمد کی اور بھی تصانیف ہیں لیکن انہیں مذکورہ چھ کتابوں کی طرح شہرت نہ مل سکی۔ اسی لئے انہیں "النوادر" سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح امام ابو یوسف سے روایت کی ہوئی کتابیں بھی ہیں ان کتابوں کے بعد ایسے حوادث میں فتووں کے جوابات سے مزید اضافہ کیا گیا جن میں اصحاب سے کوئی فیصلہ اور فتویٰ منقول نہیں ہے۔ اس حصہ کا نام "واقعات" ہے۔

(جاری)

تصنیف انیف

سلطان المرشدین نخبۃ السالکین قدوۃ الواصلین شیخ الشیوخ حافظ القرآن المبین
حاج البلد الامین حضرت مولانا محی الدین سید شاہ،
عبد اللطیف قادری نقوی المعروف بہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ

ترجمہ و تلخیص:
مولوی حافظ بشیر الحق ادیبونی
استاذ دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت
قطب ویلور۔

حضرت قطب جیلوی قدس سرہٗ نے اپنی کتاب فصل الخطاب کے شروع میں بیس مقدمات تمہید یا پیش لفظ کے طور پر سپرد قلم کیا ہے اور یہ سبھی مقدمات باہم ایک دوسرے سے مربوط اور مسدود ہیں۔
گذشتہ قسط میں وضاحت کی گئی تھی کہ :۔

- ادلۂ شرعیہ چار ہیں اور ان کے بعد کوئی دلیل بھی احکام شرعیہ کو ثابت کرنے والی نہیں۔
- فقہا کے طبقات سات ہیں۔ مجتہد وہ شخص ہے جس میں پانچ قسم کے علم جمع ہوں۔
- فقہ اور اجتہاد، فقہا، وصوفیا کی ماہیت، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الہام کا حکم اولیائے کرام کے الہام کا حکم، اقسام علوم دینیہ، اجتہاد علماء فقہا کے ساتھ ہی مخصوص نہیں۔ صوفیا بھی اجتہاد میں فقہا کے ساتھ شریک ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

موجودہ شمارہ میں پیش ہونے والی قسط کے اندر درج ذیل موضوعات پر مفصل و مدلل گفتگو کی گئی ہے :۔

- قرآن و حدیث سے احکام استنباط کرنے کا حق مقلد کو نہیں ہے مجتہد کا قول ہی اس کے لئے دلیل و حجت ہے۔
- مقلد کو حق نہیں کہ بعض فقہا کے مذہب کو بعض دوسرے فقہا کے مذہب پر ترجیح دے اس کا کام فقہاء کے اختلاف اور فقہا نے جس چیز کو اختیار کیا ہے اس کا بیان کر دینا ہے۔
- اہل سنت وجماعت کا اختلاف چاہے وہ مسائل ظاہر شریعت میں ہوں یا باطن شریعت کے مسائل میں ہوں، وہ اختلاف اہل اسلام اور اہل کتاب یا اہل سنت و بدعتی فرقوں کے اختلاف کی طرح نہیں ہے کہ جانبین سے تکفیر کی جائے۔
- زمانۂ نبوت کے اجتہادات، خطا وصواب کے درمیان متردد نہیں ہیں بلکہ سراسر مفید یقین ہیں اور ان کے مطابق عمل و اعتقاد واجب ہے۔
- مجتہدین کے اجتہادات، خطا وصواب کے درمیان متردد ہیں۔ مفید عمل ہیں۔ موجب اعتقاد نہیں۔
- اور بغیر کسی سبب کے اپنے امام کے مسلک کے خلاف عمل کرنے کا حق نہیں۔ البتہ چند صورتوں میں ایک امام کے مقلدین، دوسرے امام کے مسلک کی پیروی کر سکتے ہیں۔
- چاروں مذاہب کی رخصتوں کی تلاش ذ تتبع تلفیق کی بحث وغیرہ وغیرہ۔

مترجم : بشیر الحق ادھونی حسن اللہ حالہ ومالہ
استاذ دار العلوم لطیفیہ ویلور

تیسرا مقدمہ

قرآن وحدیث سے احکام استنباط اور اجتہاد کرنے کا حق مقلد کو نہیں پہنچتا۔ مجتہد کا قول ہی اس کے لئے دلیل وحجت ہے۔ نہ مقلد کا ظن ہے اور نہ مجتہد کا ظن جیسا کہ کتب اصول میں مذکور ہے۔

شرح المسلم میں بحر العلوم نے فرمایا۔ وجوب العمل کے لئے ظن کے توسط سے علم حاصل کرنا اجماعاً مجتہد کی خصوصیات میں سے ہے جس میں مقلد کا کوئی حصہ نہیں کیونکہ مجتہد کا وہی قول جس میں وہ فتویٰ دے۔ مقلد کے لئے دلیل اور سند ہے۔ نہ مقلد کا ظن ہے اور نہ مجتہد کا ظن۔ اس وقت طرد[1] حاصل ہوگا کیونکہ مقلد کی معرفت اس تعریف سے خارج ہے۔ اس لئے کہ مقلد کو وجوب عمل کا علم ہی نہیں۔

اور امام ربانی مکتوبات کی جلد اول کے ۲۸۶ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں، مقلد کو اس بات کا حق نہیں کہ مجتہد کی رائے کے خلاف کتاب وسنت سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل پیرا ہو جائے۔

اور مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مقدمہ "ایضاح الحق" کی فصل اول کے اندر مسئلہ استنباط احکام میں فرماتے ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ قیاس کنندہ طبقہ مجتہدین میں سے ہوگا نہ کہ مقلدین میں سے۔

ان شہادتوں سے واضح ہے کہ مرتبۂ اجتہاد سے احکام اخذ کرنے کا حق پیدا ہوتا ہے اور مقلد کو مجتہد کی تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

اور علامہ ملیبندی "فواتح کے پہلے فاتحہ میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے تقلید کی رسی اپنے سر سے دور کر کے فطرت اصلی کو سرنگوں کر دیا ہے۔ بہت سے اولیائے کرام اور درویشوں کی نفی کر رہے ہیں۔ اور جو بات بھی ان کے کانوں میں پہنچتی انکار کرتے ہیں۔ اور ظاہر نبوت اور اس کے توابع پر قناعت نہیں کرتے اور اپنی طرف سے چند ایسی بے ہودہ باتیں گھڑتے ہیں کہ ان کی طبیعت نہ تقلید کی راہ چلنے دیتی ہے اور نہ انہیں توفیق ہوتی ہے کہ تحقیق کی بُو بھی سونگھیں۔ مذبذبین بین ذلك لا الی هولاء ولا الی هولاء۔

از بہر فساد وجنگ جمعے مردم
کردند بکوئے گمراہی خود را گم
در مدرسہ ہر علم کہ آموختہ اند
فی القبر یضرهم ولا ینفعهم

لوگوں کی ایک جماعت نے فساد اور جنگ کے واسطے گمراہی وضلالت کی راہ میں اپنے تئیں گم کر دیا ہے۔ مدرسہ میں جو علم کہ سیکھا ہے قبر کے اندر انہیں نقصان پہنچائے گا۔

---

[1] طرد۔ تلازم فی الثبوت کو کہا جاتا ہے یعنی حد جہاں ہو وہاں محدود بھی پایا جائے۔ مثلاً انسان کو حیوان ناطق سے حد کیا جائے تو یہ لازم ہے کہ جہاں حیوان ناطق ہو وہاں انسان ہونا لازمی ہے ۱۲

اور کچھ نفع نہ دیگا۔ یعنی جن لوگوں نے علم حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل نہیں کیا بلکہ اس کے ذریعہ فتنہ و فساد، اور انتشار پھیلایا تو یہی علم ان کے لئے آخرت میں ضرر رساں ثابت ہوگا۔

ونیز علامہ عبیدی "فواتح" میں لکھتے ہیں، کہ کتاب "المنقذ من الضلال" میں امام غزالیؒ نے ابو نصر فارابی اور ابو علی سینا (جو حکمائے مشائین کے اکابرین میں سے ہیں) کی تکفیر فرمائی ہے، کیونکہ ان لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں اور حشر اجساد نہیں اور عالم کا قدیم ہونا واجب ہے۔

ترک تقلید سے اکابر عقلاء اور حکمائے اسلام کا جب یہ حال تھا تو دوسروں کا حال کیا ہو سکتا ہے۔

محمدی فرقوں میں بہتر۷۲ بدعتی فرقے۔ مجتہدین اہل سنت کی تقلید چھوڑنے کے باعث گمراہی و ضلالت کی وادی میں حیران و پریشان ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے غیر معتبر قیاس سے مقلدین کتاب و سنت سے احکام اخذ کریں تو ہزاروں گمراہ اور باطل مذاہب پیدا ہوتے رہیں گے۔

چوتھا مقدمہ

مقلد کو حق نہیں کہ بعض فقہا کے مذہب کو بعض دوسرے فقہا کے مذہب پر ترجیح دے۔ زیادہ سے زیادہ اس کا کام اتنا ہے کہ وہ فقہا کے اختلاف اور فقہا نے جس چیز کو اختیار کیا ہے اس کا بیان کردے۔ مجدد و مجتہد حافظ احادیث نبوی شیخ جلال الدین سیوطی "جزیل المواہب فی اختلاف المذاہب" میں فرماتے ہیں:

یہ بات بڑی تعجب خیز ہے کہ کچھ لوگ بعض مذاہب کی فضیلت اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ اس سے دوسرے مذاہب کی تنقیص لازم آتی ہے اور اس کی وجہ سے بسا اوقات بے علم نادانوں کے درمیان خصومت و دشمنی اور جنگ و جدال کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ البتہ اہل علم کا دامن اس قسم کی آلودگیوں سے پاک و صاف ہے اور بے شک فروعات میں صحابۂ کرام کے درمیان میں بھی اختلافات رونما ہوئے، حالانکہ یہ حضرات خیر امت ہیں لیکن انہوں نے کبھی آپس میں ایک دوسرے سے عداوت اور دشمنی نہیں کی۔ اور نہ ہی ایک دوسرے کو خطا اور غلطی سے منسوب کیا۔

مولانا خرم علی "شفاء العلیل ترجمۂ قول الجمیل" میں فرماتے ہیں کہ بعض فقہا کے مذہب کو بعض دوسرے فقہا کے مذہب پر ترجیح اور فوقیت دینے کے بارے میں گفتگو نہ کریں بلکہ جملہ مذاہب کو قبولیت کے درجہ میں رکھا ہے، کیونکہ جمہور اہل سنت کے نزدیک مذاہب اربعہ میں حق دائر ہے۔ لہٰذا سب کو مجملاً حق جاننے کو فرمایا۔ اور ترجیح مذہب کی گفتگو سے اس واسطے منع کیا کہ ایک مذہب کو ترجیح

دینا اکثر ذہنوں میں باقی مذاہب کی تنقیص اور تذلیل کا باعث ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اسی سبب سے بعض حنفی، شافعی کے مذہب کو برا کہنے لگتے ہیں۔ اور بعض شافعی مذہب حنفی پر طعن کرتے ہیں۔ اسی بھید سے افضل الخلق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے یونس علیہ السلام سے افضل نہ کہو۔ واللہ اعلم۔

اور اسی طرح صوفیاء کے بعض طریقوں کو بعض دوسرے صوفیاء کے طریقوں پر ترجیح دینے کا حق مقلد کو نہیں پہنچتا۔ صاحب شفاء العلیل فرماتے ہیں کہ بعض صوفیاء کے طریقوں کو بعض دوسرے صوفیاء کے طریقوں پر ترجیح دینے کی بات نہ کی جائے اور ان میں سے، جو مغلوب الحال ہیں ان کا انکار نہ کیا جائے۔

پانچواں مقدمہ

اہل سنت وجماعت کا اختلاف چاہے وہ ظاہر شریعت کے مسائل میں ہوں یا باطن شریعت کے مسائل میں ہوں، وہ اختلاف اہل اسلام اور اہل کتاب کے اختلاف یا سنی و رافضی یا سنی وخارجی کے اختلاف کی طرح نہیں ہے، کہ ایک جانب سے دوسرے جانب کی تکفیر وتضلیل کی جائے بلکہ حق ان مختلف اقوال میں منحصر ہے۔ مجتہد اور مقلد ان دو باتوں میں سے کسی ایک بات کا یقین نہیں کر سکتے، اگر ایک قول کی دلیل زیادہ راجح ہو تو دوسرے قول کو گمراہی اور ضلالت نہیں سمجھنا چاہئے۔

صاحب "نور الانوار" لکھتے ہیں، اہل سنت وجماعت کا جو اختلاف ہے وہ صرف احکام فقہیہ کے اندر ہے۔ عقائد دینیہ میں نہیں۔ کیونکہ اعتقادیات میں خطا کرنے والا یقیناً کافر ہے جیسے یہود اور نصاریٰ، یا گمراہ و مضل ہے جیسے روافض، خوارج، معتزلہ اور ان جیسے دوسرے فرقے۔ اس سے یہ اشکال نہیں پیدا ہوتا کہ اشعریہ اور ماتریدیہ نے بھی بعض اعتقادی مسائل میں اختلاف کیا ہے اور ان دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کو گمراہ نہیں کہا۔ اس لئے کہ وہ اختلاف امہات مسائل میں سے نہیں ہے کہ جن پر دین کا دارومدار ہو۔

و نیز ان دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے پر تعصب اور عداوت سے کچھ نہیں کہا اور اسی طرح بعض کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ اختلاف جو ماتریدیہ اور اشعریہ کے درمیان ہے وہ صرف مسائل اجتہادیہ کے اندر ہے۔ کتاب وسنت کی تاویل میں نہیں کیونکہ ان میں یعنی قرآن وحدیث میں بالاجماع حق ایک ہی ہے اور تاویل میں خطا کرنے والا قابل عتاب ہے۔

اور شیخ الہند شاہ عبد الحق محدث دہلوی "مدارج" کے دسویں باب کے چھٹے نوع میں فرماتے ہیں۔ ایک جانب کا یقین کرنا اور اسی کو ترجیح دینا اور اس میں تعصب کا اظہار کرنا اختلاف کا مناسب طریقہ نہیں ہے۔

و نیز اسی میں لکھتے ہیں، اختلافی امر میں ایک دوسرے

پر عیب نہیں لگانا چاہیئے اور ہر ایک کو اپنے اپنے حال پہ چھوڑ دینا چاہیئے۔ فربکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلا تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ زیادہ ہدایت کی راہ پر کون گامزن ہے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولوی نور اللہ کے نام لکھے ہوئے مکتوب میں فرماتے ہیں، ہم لوگ جو اس اختلاف کے بعد پیدا ہوئے ہیں طرفین میں سے کسی ایک کا یقین نہیں کر سکتے۔ ہم لوگوں کے لئے یہی راہ باقی رہ گئی ہے، کہ جس طرح مذاہب اربعہ میں حق کو دائر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مثلاً مذہب حنفیہ درست وصواب ہے لیکن خطا کا احتمال ہے اور مذہب شافعیہ، مالکیہ اور دوسرے مذاہب خطا ہیں لیکن درست ہونے کا احتمال ہے بالکل اسی طرح مذہب توحید وجودی اور مذہب توحید شہودی کا حال ہے اگر ان میں سے ایک دلیل کی وجہ سے راجح ہو تو دوسرے کو گمراہی وضلالت نہیں سمجھنا چاہیئے۔

نیز اسی مکتوب میں فرماتے ہیں، توحید وجودی اور توحید شہودی کے فرق کی وجہ سے امت کے درمیان جو اختلاف کھڑا ہوا وہ سنّی اور خارجی یا سنّی اور رافضی کے اختلاف کی طرح نہیں ہے کہ جانبین سے ایک دوسرے کی تکفیر وتضلیل کی جائے۔ بلکہ یہ اختلاف مذاہب اربعہ کے اختلاف کے مانند ہے۔ فقہا، صوفیا، اور محدثین کے تمام اختلافات اہل سنت وجماعت ہی کے اختلاف ہیں جو رحمت کا باعث ہیں۔ اور وہ اہل سنت اور بدعتی فرقوں کے درمیان باہمی اختلاف کی طرح نہیں ہیں کہ جانبین سے ایک دوسرے کی تکفیر وتضلیل کی جائے۔

شیخ ابو نجیب ضیاء الدین عبدالقادر سہروردی "آداب مریدین" میں فرماتے ہیں:۔

صوفیا نے فقہاء اہل حدیث کا مذہب اختیار کیا، اور یہ حضرات فروع میں علماء کے درمیان اختلاف کا انکار نہیں کرتے ہیں اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے علماء کا اختلاف رحمت ہے بعضوں نے ان علماء کے بارے میں دریافت کیا جن کا اختلاف رحمت ہے۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے والے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت وپیروی میں جہاد، اور سعیٔ بلیغ کرنے والے اور حضرات صحابہ کی اقتداء کرنے والے ہیں اور وہ تین گروہ ہیں۔ محدثین، فقہاء علماء صوفیہ۔

اس اختلاف کی تفصیل "آداب المریدین" اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اور شیخ محمد گیسو دراز کی شروح میں ملاحظہ کریں۔

شیخ جلال الدین سیوطی "جزیل المواہب" میں فرماتے ہیں، جاننا چاہیئے کہ اس ملت میں مذاہب کا اختلاف بڑی نعمت اور عظیم فضیلت ہے اور اس کا لطیف راز ہے جس کا علماء نے ادراک کیا ہے اور اس سے جاہل ناواقف ہیں حتیٰ کہ بعض نادان لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک ہی شریعت لائے۔ پھر یہ چار مذہب (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کہاں سے نکل آئے۔

چھٹا مقدمہ

زمانۂ وحی کے اجتہادات، خطا و صواب کے درمیان متردد نہیں بلکہ سراسر مفید یقینی ہیں جس کی وجہ سے ان کے مطابق عمل اور اعتقاد واجب ہوتا ہے اور وہ احکام جو زمانۂ نبوت کے بعد مجتہدین کے اجتہاد سے حاصل کئے گئے ہیں وہ المجتہد یخطی ویصیب کے حکم کی رو سے خطا اور صواب کے درمیان متردد ہیں لہٰذا موجب ظن ہے موجب اعتقاد نہیں، اس کی وجہ سے ان کے مطابق عمل مفید ہے۔

شرح المسلّم میں بحر العلوم لکھتے ہیں:۔

جاننا چاہئے کہ اصول شرعیہ تین ہیں۔ کتاب، سنت اجماع اور اصل رابع قیاس ہے جس کی بنیاد مذکورہ تین اصولوں سے مستنبط شدہ معنی پر ہو۔ قیاس کا افادہ ظنی ہے اور جمہور فقہا کے نزدیک اس سے یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا قیاس سے عقائد ثابت نہیں ہو سکتے۔ و نیز اصول ثلاثہ میں سے کسی ایک اصل کے ساتھ بھی قیاس معارض ہو جائے تو وہ باتفاق ائمہ اربعہ معتبر نہیں۔ اور تین اصولوں میں کسی ایک اصل کی موجودگی میں قیاس کی ضرورت باقی نہیں رہتی لہٰذا کسی واقعہ سے متعلق ادلۂ ثلاثہ کے نہ ہونے کی ضرورت میں قیاس ضرورتاً عمل کے لئے حجت ہے اگرچہ کہ وہ بھی شارع علیہ السلام کی طرف سے مقرر ہے۔

اسی لئے شیخ اکبر خاتم فص ولایت محمدی ابن عربی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ واذاقنا ما اذاقہ نے قیاس کو اصول شرعیہ میں سے ساقط کر دیا اور یوں فرمایا۔ کہ اصول شرع کتاب سنت اور اجماع ہیں اور فرمایا قیاس اسی وقت معتبر ہے جب کہ اصول ثلاثہ میں حکم نہ ملے اور وہ موجب یقین نہیں۔

مجتہد سے اگر خطا بھی ہو جائے تو اس کو ایک اجر ہے اور اس مجتہد کی تقلید اگرچہ کہ خطا ہو نجات کا باعث ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ان اخطاوت تلك حسنة۔ اجتہاد میں اگر تم سے خطا بھی ہو جائے تو ایک نیکی اور اجر ہے اور دوسری حدیث میں ہے۔ مجتہد اجتہاد میں صحیح ہو تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر خطا ہو تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔ جیسا کہ توضیح اور دوسری اصول کی کتابوں میں یوں ہی مذکور ہے۔

امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ مکتوبات کی تیسری جلد کے ۲۲ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں مجتہد پر اعتراض کی کیا بات ہے۔ اس کی خطا پر بھی ایک نیکی ہے اور اس کی تقلید اگرچہ کہ غلط ہو، نجات کا باعث ہے۔

ساتواں مقدمہ

مقلد کے لئے مجتہد کی تقلید کے بغیر چارہ نہیں۔ اور بغیر کسی سبب اور وجہ کے اپنے امام کے مسلک کے خلاف عمل کرنے کا حق اس کو نہیں پہنچتا۔

صاحب "شرح سفر السعادت" "شیخ الہند شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے:

حاصل کلام مذاہب حق اور منزلِ مقصود کو پہنچنے کے راستے اور خانۂ دین میں داخل ہونے کے دروازے چار ہیں۔ اور جو شخص ان رستوں میں سے کسی ایک راستہ کو اختیار کرتے ہوئے اور ان دروازوں میں سے کسی ایک دروازے کو پسند کرتے ہوئے دوسرا راستہ چلنا اور دوسرا دروازہ اختیار کرنا عبث اور بے ہودہ پن ہوگا۔ اور کارخانۂ عمل کو ضبط و ربط سے خارج کرنا اور راہِ مصلحت سے باہر ہوجانا ہے۔ اور اگر ورع و تقویٰ اور احتیاط کے راستہ پر چلنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اپنے پسندیدہ مذہب کی وہ روایت اختیار کرے جس کی دلیل احسن اور اقویٰ ہو اور جس کا فائدہ زیادہ عام اور زیادہ مکمل ہو اور اس میں احتیاط زیادہ ہو۔ رخصت و سہل انگاری، اور حیلہ جوئی کی راہ اختیار نہ کرے۔ متاخرین کا یہی طریقہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ طریقہ بہت ہی مضبوط اور مستحکم ہے۔

اور کہتے ہیں کہ بیشتر حضرات (متقدمین صحابہ اور اوائل تابعین) کا طریقہ اس کے برخلاف تھا۔ یہ حضرات ایک مسلک کے تعین اور ایک ہی مجتہد کی اتباع کی تخصیص کو واجبات میں شمار نہیں کرتے تھے۔ مجتہدین کا عمل ان کے اجتہاد کے مطابق تھا اور عوام کا راستہ یہ تھا کہ ان مجتہدین کی جانب رجوع ہوں۔ لیکن یہ لازم نہیں تھا کہ کسی ایک مجتہد ہی کی پیروی کریں اور دوسرے مجتہد کا انکار کریں۔

اور علمائے متاخرین کی دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ مذہب و مسلک کی تبدیلی، نفس کی خواہش اور ہوا و ہوس کی پیروی اور فقہی رخصتوں کی تلاش و طلب نہ ہو۔ مگر یہ کہ دوسرے مجتہد کے حق بجانب ہونے کا اعتقاد راجح ہوا اور اس کو افضل جانے، یا دوسرے مذہب میں احتیاط اور ورع زیادہ پائے۔ یا کسی ایسے مشکل واقعہ اور حرج عظیم میں مبتلا ہوجائے کہ اس کو دوسرے مذہب کی جانب رجوع کئے بغیر کوئی چھٹکارا نہ ہو، تو اس صورت میں بحکم ضرورت تبدیلئ مسلک جائز ہے۔

علمائے متاخرین میں سے اس جماعت کی یہ دلیل ہے کہ تمام مجتہدین کتاب و سنت سے تمسک کرتے ہیں اور سبھی دین کے مقتدا اور پیشوا ہیں، لہٰذا کسی ایک مجتہد کے تعین اور تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اور نص فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون اور

حدیث اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم کا اشارہ بھی اسی طرف ہے یعنی جو چیز کہ تم نہیں جانتے ہو اہل علم سے پوچھو اور ان سے سیکھو (قرآن کریم) میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں اور راستہ دکھلانے والے ہیں (حدیث شریف) اور دوسرے علماء کو بھی اسی میں شامل سمجھیں۔

یہ مذہب بظاہر انصاف سے بہت قریب معلوم ہوتا ہے اور فوراً سمجھ میں آتا ہے لیکن علماء کی قرار داد اور ان کی مصلحت بینی آخر زماں میں ایک مذہب کا تعین اور تخصیص ہے۔ اسی صورت میں مردین و دنیا کا ربط ضبط بھی قائم رہتا ہے۔ ابتداء میں ہر شخص کو اختیار ہے کہ جس مجتہد کو چاہے اختیار کرے۔ اس کی ایک صورت ہے۔ اور لیکن کسی ایک مجتہد کو اختیار کرنے کے بعد دوسرے مجتہد کی طرف جانا پہلے مجتہد سے بدگمانی کا خیال اور اعمال و احوال میں تفرق اور تشعب کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی پر علمائے متاخرین کی قرار داد ہے اور وہی مختار ہے در اسی میں خیر ہے۔

اور وہ جو امام حجۃ الاسلام غزالی "کیمیا" کے رکن دوم اصل نہم میں فرماتے ہیں کہ شافعی کو جائز نہیں تھا کہ حنفی پر اعتراض کرے جب کہ وہ بے ولی نکاح کرے اور شفعۂ جوار حاصل کرے اور اس جیسے دوسرے امور پر اعتراض کرے لیکن اگر شافعی شخص بغیر ولی کے نکاح کرے یا کھجور کی نبیذ استعمال کرے تو اس کو منع کرنا جائز تھا کیونکہ اپنے امام کی مخالفت کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

یہ متفقہ بات ہے کہ جو شخص اپنے اجتہاد کے خلاف یا اپنے صاحب مذہب (امام) کے اجتہاد کے خلاف کوئی کام کرے تو وہ عاصی اور گنہگار ہے اور یہ حقیقت میں حرام ہے اور جو شخص قبلہ کے تعین میں اجتہاد سے ایک جہت متعین کرے اور پھر اسی جانب پشت کرکے نماز ادا کرے تو گناہ گار ہوگا۔ اگرچہ دوسرا یہ سمجھے کہ وہ درست جہت میں نماز ادا کر رہا ہے اور یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ ہر شخص جو مذہب چاہے اختیار کر سکتا ہے بیہودہ بات ہے اور اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہر شخص پر واجب ہے کہ اپنے ظن غالب کے مطابق عمل کرے۔ جب اس کا ظن غالب یہ ہو کہ مثلاً شافعی زیادہ فاضل ہیں تو اس کو شافعی کی مخالفت میں بجز مجرد شہوت کے کوئی عذر نہیں۔

امام غزالی کا یہ قول وجوب تعین مذہب پر مبنی ہے جس کو متاخرین کی ایک جماعت نے اختیار کیا جیسا کہ ابھی گذرا۔

مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی بادشاہ بخارا کے بھیجے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ حنفی کو بعض احکام میں مذہب شافعی پر عمل کرنے کی اجازت صرف تین صورتوں میں ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس شخص کی نظر میں دلائل کتاب و سنت اس مسئلہ میں مذہب شافعی کو ترجیح دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی حنفی مسئلہ پر عمل دشوار ہو اور اس مسئلہ میں شافعی مذہب پر عمل کئے بغیر کوئی چارہ

نہ رہے جیسے ہمارے ملک میں پانی کے مسائل، مفقود الخبر کے احکام، اور تیسری صورت یہ ہے کہ وہ حنفی شخص صاحب تقویٰ ہو اور وہ شافعی مذہب کے اس مسئلہ میں زیادہ احتیاط پاتا ہو تو عمل کر سکتا ہے جیسے مقدار سے کچھ زیادہ صدقہ دینا (دو آثار یعنی ایک صاع) اور مور کا گوشت نہ کھانا۔ لیکن ان تین صورتوں میں ایک قید یہ بھی رہیگی کہ تلفیق کی صورت نہ پیدا ہو جائے اور دونوں مذہب کی پیروی میں ایسی صورت اور شکل نہ نکلے جو دونوں مذہب کے لحاظ سے صحیح نہ ہو مثلاً امام شافعی کے نزدیک خون نکالنا ناقض وضو نہیں ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک ناقض وضو ہے۔ اگر کوئی شخص فصد کو ناقض وضو سمجھتا ہو اور پھر اسی وضو سے امام کے پیچھے بغیر قرأت فاتحہ کے نماز ادا کرے تو ان دونوں مذہب میں سے کسی مذہب میں روا نہیں کیونکہ حنفی مذہب کی بنا پر وضو باطل ہے اور شافعی مذہب کی بنا پر نماز باطل ہے۔

اگر ان تین صورتوں کے سوا حنفی کی اقتدا ترک کی اور شافعی کی اقتدا کی، یا اس کے برعکس تو یہ چیز مکروہ اور حرام کے قریب ہے کیونکہ یہ دین کے اندر کھیل تماشہ ہے۔

متاخرین کی دوسری جماعت جس طریقہ پر گامزن ہے جس کا ذکر ابھی اوپر گذرا وہ کسی خاص مذہب کے تعین کے واجب نہ ہونے پر مبنی ہے۔

اب جاننا چاہئے کہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہونا چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ چنانچہ مولانا باقر آگاہ مدراسی کا کلام جو انہوں نے اپنے فتویٰ میں لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

یہ انتقال مذہب چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ اپنے پہلے مذہب پر طعن اور عیب کی رُو سے نہ ہو۔ دوسری شرط۔ یہ تبدیلی مسلک کھیل اور عبث پر محمول نہ ہو، اور یہ دونو شرط اجماعی ہیں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ ہر مذہب کی رخصتوں کو تلاش کر کے ان کو اپنا مذہب نہ بنا لے اور اس بات کا اکثر علماء نے ذکر کیا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مذکورہ رخصتوں کی تلاش کر کے ان کو ایک مذہب کی شکل دینا گناہ اور فسق کا موجب ہے۔

سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلام نے فرمایا کہ عامل کو جائز ہے کہ اپنے مذہب کی رخصتوں پر عمل کرے اور اس کا انکار نادانی ہے۔

محقق کمال الدین ابن الہمام نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ کیا چیز اسکو عقل و نقل سے منع کرتی ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ تلاش مذکور، مجتہد متبوع کے قول سے وابستہ ہے اور جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے تخفیف کو پسند فرماتے تھے۔ صحابۂ کرام کے زمانے سے لے کر ہر زمانہ میں لوگ سوال کرتے رہے ہیں بغیر کسی پابندی کہ جو چاہتے تھے سوال کرتے تھے۔

اور چوتھی شرط یہ ہے کہ دوسرے مذہب کا مسئلہ اختیار کرنے میں دو قول کے درمیان تلفیق نہ کرے جس سے تیسرا مذہب پیدا ہو کہ دونوں مذہب والے اس کے قائل نہ ہوں۔ اگرچہ کہ تلفیق کی توجیہہ اور اس کے جواز اور عدم جواز میں بہت قیل و قال ہے لیکن محققین نے جو تحریر کیا ہے، وہ یہ ہے کہ ناجائز تلفیق وہ ہے جو ایک قضیہ میں واقع ہو جیسے ایک شخص امام ابو حنیفہ کی تقلید میں وضو کے بعد عورت کو چھوا اور امام شافعی کی تقلید میں فصد کیا، پھر اسی وضو سے نماز ادا کی تو البتہ دونوں اماموں کی متفقہ رائے سے اسکی نماز باطل ہوگی۔ برخلاف اس کے کہ تلفیق دو قضیوں میں ہو جیسے امام شافعی مطلبی کی تقلید پر جہت کعبہ کی جانب نماز ادا کی تو اس صورت میں اس کی نماز درست ہوگی، کیونکہ دونوں امام اس کی طہارت کے بطلان پر متفق نہیں۔

اور بعض علماء نے اس قسم کی تلفیق کو بھی منع کیا ہے لیکن جمہور محققین کے نزدیک مذکورہ ممانعت کی کوئی وقعت نہیں۔

اور زبدۃ المتاخرین مفتی حنفیہ بلد امین شیخ عبد العظیم مکی حنفی نے اپنے رسالہ "القول السدید" میں تلفیق اول کو بھی جائز رکھا۔ اور اس کے جواز پر دلیلیں روایتاً اور درایتاً تفصیلاً بیان کئے ہیں۔ یہاں اس مختصر بیان میں اس کے ذکر کی گنجائش نہیں، لہٰذا جنہیں تفصیل دیکھنی ہو وہ اس رسالہ کا مطالعہ کریں۔

و نیز جاننا چاہیئے کہ شیخ الہند شاہ عبد الحق محدث دہلوی "شرح سفر السعادت" میں فرماتے ہیں، صحاح میں جو احادیث آئی ہوئی ہیں ان پر بسر و چشم عمل کرنا دنیا اور آخرت کی سعادت کا باعث ہے لیکن اس پچھلے زمانہ میں یہ صورت ممکن نہیں۔ کیونکہ دین کے مجتہدین نے احادیث اور آثار کی تلاش کیا اور ناسخ کو منسوخ سے اور صحیح کو غیر صحیح سے جدا کیا اور ان کی تحقیق و تاویل کی اور ان کے درمیان مطابقت اور تطبیق دی۔ اور مسلمان عوام کے لئے ایک مذہب قرار دیا۔ اس زمانہ میں عوام تو درکنار علماء کو بھی یہ قوت و طاقت کہاں ہے کہ مجتہدین کا یہ کام ان سے ہو سکے۔ لہٰذا علماء کو مجتہدین کی متابعت اور ان کے پیچھے چلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں اور نہ کوئی راستہ ہے، اب ان کے اوپر یہ ذمہ داری ہے کہ متقدمین کے کام کو بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے سہل اور آسان طریقہ پر پیش کریں۔

اور حقیقت میں بغیر قیاس اور اجتہاد کے کام آگے نہیں بڑھ سکتا اور بالآخر اجتہاد اور قیاس کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ قیاس کے حجت ہونے اور اس پر عمل واجب ہونے کی دلیلیں کتاب کے خاتمہ کی شرح میں معلوم ہونگی۔ انشاء اللہ۔

اور مجتہد کا حکم حقیقت میں کتاب وسنت کا حکم ہے۔ لیکن اس سبب سے کہ یہ حکم کتاب وسنت میں پوشیدہ ہے اور صراحۃً مذکور نہیں۔ اس حکم کے دریافت کرنے کے راستہ میں مقصد تک پہنچنے میں کبھی خطا ہوتی ہے، اور کبھی صحت و درستگی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے آیا ہے کہ:۔

المجتھد یخطی ویصیب، ہر صورت میں چاہے وہ مخطی ہو یا مصیب، اس کا اجتہاد اس کے لئے باعث اجر و ثواب ہے کیونکہ اس نے حق کے طلب کرنے میں محنت و کوشش صرف کی، خواہ وہ حق کو پائے یا نہ پائے۔

و نیز شیخ الہند عبدالحق محدث دہلوی اسی میں لکھتے ہیں۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اکابر سلف اور ائمۂ مجتہدین نے جس چیز کی تنقید یا تصحیح کی ہے، اس پر اعتماد کرنا چاہئے اور جب یہ (مجتہدین) کسی حدیث کو قبول کرلیں اور اس پر عمل کریں تو (مشہور علماء محدثین کی تقلید میں) ان پر اعتراض اور انکار کرنا جائز نہیں، اور اس جماعت (علماء محدثین) کے بیان سے ان پر الزام لگانا تحکم اور مکابرہ ہے۔

(جاری)

ارشاداتِ حضرت محوی رح ویلوری علیہ الرحمہ

اے عزیز!

دُعا کے اسرار میں سے یہ ہے کہ بندہ جب پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے، اللہ کا حکم ہے ادعونی استجب لکم، لہٰذا بندہ پر لازم ہے کہ اپنی عبودیت اور عجز و احتیاج کا اظہار اس کی بارگاہ میں کرتا رہے، اس لئے کہ مانگنے والے سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے۔

سالک کو چاہئے کہ زبان پر ہر وقت لاالٰہ الا اللہ کا ورد رکھے اور ہر آن مخالفتِ نفس کرے۔

اے عزیز! اللہ نے ہمیں اس لئے پیدا کیا ہے کہ اس کی معرفت حاصل کریں مفسرین نے آیت وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون سے لیعرفون تفسیر کی ہے۔ لہٰذا ہر ایک پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو پہچانے تاکہ معرفت خدا حاصل ہو۔ حضور ؐ نے فرمایا جس نے اپنے نفس کو پہچانا وہ اپنے رب کو پہچانا۔

چاہے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستاں کی
یہ ہستئ دانا ہے، بینا ہے، توانا ہے

ناظرین کرام! خوارقِ حیدریہ سے تیرھواں خارقہ مفہوم خیز ترجمہ کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے جس میں اطراف جہاں میں ایک تند و تیز وبا چلنے کی خبر اور انسانی زندگی کی تباہی و بربادی کی پیش گوئی اور اپنی رفیقِ حیات سے اس وبا کے انسداد کے لئے گفتگو کرنا اور خود کو فنا کر دینے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

خارقہ سیزدہم "روزے پیش علیلہ خلیلہ جمیلہ عفیفہ خود المسمی بہ ھمایوں شاہ چنیں تقریر کرد کہ اے جفت ہمایوں نام میمون کام خجستہ فرجام دریں ایام فنا انجام امرے از امرہائے علیم العلام و بنام ہر خاص و عام انام نامزد و مقدر است الحق آں وبا بلائے ہست عظیم از بلاہائے خدائے کریم کہ بہجرد نزول دمار زندگی و معیشت از بنی آدم بر آرد، و خانماں آباد ازاں ویران و خراب گردد۔ دریں عالم او را مرگِ مفاجات می نامند، خفتہ خفتہ نشستہ نشستہ، ایستادہ ایستادہ جسم

تیرھواں خارقہ: ایک روز آپ اپنی عفیفہ شعار خلیلہ جمیلہ بیوی (جنہیں ہمایوں شاہ پکارتے ہیں) سے یوں بیان فرمایا کہ اے مبارک نام و صاحبۂ خوش خصال ہمایوں بیگم! اس دورِ فنا میں علیم العلام کے امور و معاملات میں سے ایک معاملہ مخلوق پہ صادر ہونے والا ہے اور وہ معاملہ خدائے کریم کی جانب سے ایک بہت بڑی بلا ہے جس سے انسانی زندگی اور اسبابِ حیات و زیست تباہ و برباد ہو جائیں گے اور اس واقعہ کو اہل عالم مرگِ مفاجات سے تعبیر کریں گے۔
سوتے بیٹھتے اٹھتے جسم بے جان ہو جائیں گے۔

بے جان شود۔

یقین داں کہ حیدر دافع بلیات است، و رافع قواعد سیآت وہر آئینہ دفع ایں بلا و رفع ایں عنا تعلق بقطب مدار آں زمانست چہ ہر گاہ تیر قضا از خدنگ امر ذو القدر ربانی بجہد ہر آئینہ بہ ہدف اجساد بنی آدم کارگر بے خطا آید دراں میاں اگر قطب فرو آندمان کہ مدار ہمہ جہاں بر سر اوست۔ کمر ہمت و حمایت و حراست لبستہ از وجود خود را در عوض آں در آماج گاہ او بدہد ہر آئینہ دفع بلا و دفع رنج و عنا از سر وقت جہانیاں شدہ آید پس دریں زماں بجز ذات حیدر کہ قطب وقت باشد و حامل ایں بارگراں باشد۔ پس عزم تمام و قصد کلی براں متفرع است کہ حمل گراں آں بلائے و باکہ قسمت بنی آدم است بہ نفس نفیس خود اختیار کردہ گردن خلائق ازیں گراں بار سہل گردانم۔ چوں آں جفت وفادار از آنسرور باوقا ایں حرف اندوہ آثار درگوش گردانست کہ حال چیست؟ بیشتر معاملہ چہ روئے خواہد داد و حادثہ چہ خواہد انگیخت نالہ و زاری آغاز کردہ گفتن گرفت: سہ

اے ذات تست واسطۂ امن و ہم اماں

یقین جانئے کہ حیدر تمام بلاؤں اور برائیوں کو ختم کرنے والا ہے کیونکہ دنیا سے بلاؤں اور برائیوں کے انسداد کا تعلق اس دور کے قطب سے وابستہ و منسلک رہتا ہے۔ جب کبھی تیر قضا قدرت کے کمان سے نکل جاتی ہے تو ضرور بنی آدم کے جسموں کو بے خطا نشانہ بنالیتی ہے ایسے وقت میں اس دور کا قطب جس پر ساری دنیا کا انحصار ہے، اگر وہ کمر ہمت و حمایت باندھ کر خود اس ہلاکت خیز آماجگاہ میں اتر پڑے تو ضرور اہل دنیا کے اوپر سے رنج و بلا کو دور کرسکتا ہے۔ لہٰذا اس بار گراں کا حامل قطب وقت حیدر کی ذات کے سوا کوئی نہیں، پس پورے عزم وارادے کے ساتھ وہ بلاء و مصیبت جو بنی آدم کی قسمت میں مقدر ہے اس کے بار گراں کو اپنے سر لیتے ہوئے مخلوق کو اس مصیبت سے نجات دلاؤں۔ آنجناب کی وفادار بیگم نے جب ان اندوہ گیں کلمات کو سنا تو جان گئیں کہ کیا حالت ہے، آگے کیا معاملہ ہے اور کونسا حادثہ رونما ہونے والا ہے۔ آہ و زاری شروع کی اور کہنے لگیں:

سہ

آپ کی ذات گرامی امن عالم کے لئے
ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے، مبادا کہ دنیا

خالی مباد عرصہ دور وزمال زاں
امیدوارم بر چنیں امر دشوار وقضائے
دشخوار قیام نہ نمائی وحمل ایں بارگراں کہ
صفت انا عرضنا الامانۃ علی السموات
والارض فابین ان یحملنہا موصوف
است موقوف داری

"شاہ فرمود اے ہمسر باوفا مگر آیۃ از
پیشتر او نمیدانی ونمی خوانی کہ فحملہا
الانسان پس انسان عین وعین انسان
دریں دور بجز ذاتِ من جائی کیست،
گفت آنسرورا، آرے ہمیں است لووازن
الکائنات ومافیھم مع شعر من ذاتک
لرجح علیہا ذاتت نہ آں ذات است کہ
انسان رابداں ویا اورا بذات انسان مماثلت
ومشابہت تواں داد بلکہ از گونے مرتبہ
انسانیت ولبشریت تجاوز کردی ملبر ربوبیت
رسیدہ لیس الوجود الاھو میخواند۔

پس ہمیں امید وارم کہ عرصۂ زمین و
زمان از برکت آں ذات عالی خالی نباشد اے
شاہ رشتۂ قدرت بدستِ تست و توقیع
وھو علی کل شیئ قدیر بنام تو بس
حاجت کہ بعینہ خود را بدل راحت ورفاہیت

آپ کی ذات وہستی سے محروم نہ ہوجائے۔

میں آپ کی ذات سے امیدوار ہوں کہ
آپ ایسے دشوار گذار مرحلہ کی طرف التفات فرمائیں
گے اور اس بارگراں کے اٹھانے سے توقف اور
کنارہ کش ہوجائیں جو انا عرضنا الامانۃ علی
السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا کی
صفت سے متصف ہے۔ شاہ نے فرمایا' اے
ہمسر باوفا! اس سے آگے کی آیت کو تم نہیں جانتیں
اور نہیں پڑھتیں؟ فحملہا الانسان پس انسان
عین اور عین انسان کو اس دور میں میرے ذات کے
سوا کہاں جگہ ہے بیگم باوفا نے کہا میرے آقا ہاں
یہ سچ ہے کہ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے آپ کے
ایک موئے مبارک کے مقابلہ میں موازنہ کریں تو آپ کے
موئے مبارک کا وزن زیادہ ہوگا' آپ کی ذات تو وہ
ہے کہ انسان کو آپ کی ذات سے اور آپ کی ذات کو انسان
کی ذات کے ساتھ کوئی مماثلت ومشابہت نہیں دے سکتے
بلکہ آپکی ذات مرتبۂ انسانیت ولبشریت سے تجاوز کر چکی ہے۔
اور مجرد ربوبیت کو پہنچ کر لیس الوجود الاھو کہتی ہے۔

پس اسی وجہ سے امیدوار ہوں کہ زمین وزماں
ذاتِ عالی کی برکت سے خالی نہ ہوجائے۔ اے شاہ
رشتۂ قدرت آپ کے ہاتھ میں ہے اور وھو علی
کل شیئ قدیر کا الفاظ و توقیع آپ کے نام سے ہے۔

و ملینت انساں و انسانیاں در زیر حکم و با
باید داد بلکہ می تواں کہ بیک چشم زدنی ہزاراں
ہزار و با و محن و بلا و اسقام و آفات و
اموات از سروقت ایشاں مندفع کنی ،
شاہ گفت اے ہمایوں آرے راست است
چوں سمند عزیمت بمیداں لامکاں جولان
دہم و بدرجہ قرب قاب قوسین او ادنی
لاحق شوم و از حق جل و علیٰ درخواست
نمودہ دریں کہ مخرج باد و با باشد سد کنم
پس اختیار بدست من است اگر خواہم
خیمۂ اقامت ہم نمایم در صحن قرب لامکاں
زنم و یا براشہب رجعت سوار شدہ بر تو
رسم الحق وعدۂ من بتو ہمین است کہ ازاں
جا تاخت و باخت نمود بار دیگر چشمہائے
مریداں و معتقداں خود منور گردانم و چوں
ایں چنیں در عالم فاش منتشر شد کہ شاہ
حمایت پناہ حمل گراں بار و با بر ذات
شریف و نفس لطیف خود اختیار فرمودہ عناں
عزیمت بسوئے عالم بقا معطوف گردن میخواہد
صغیر و کبیر برنا و پیر جوق در جوق طائفہ طائفہ
از محباں و مخلصاں و ہمجلیساں و مریداں
و خادماں و طالباں بر درگاہ عالی حاضر شدہ

پھر کیا ضرورت ہے کہ انسان و انسانوں کی راحت و
خوشحالی اور امن کے لئے اپنے آپ کو دبا کے ماتحت
کر دیں۔ بلکہ آپ کی ذات سے یہ ممکن ہے کہ چشم زدن
میں ہزاروں بلائیں و مصیبتیں اور آفاتیں انسانوں
کی اموات اسی وقت ہو سکتی ہیں۔
شاہ نے فرمایا' اے بیگم ہمایوں' ہاں یہ سچ
ہے' جب میں عزیمت کے گھوڑے کو میدان لامکاں
میں دوڑاؤں قاب قوسین اَو ادنیٰ کے قریب
ہو جاؤں اور حق جل و علا سے درخواست کر کے
اس باد و با کو روک سکوں پس اختیار میرے
ہاتھ میں ہے اگر چاہوں تو میں قرب لامکاں کے
صحن میں خیمہ زن ہو جاؤں یا پھر واپسی کے گھوڑے
پر سوار ہو کر تم تک پہنچوں۔ یقیناً میرا وعدہ تمہارے
سے یہی ہے کہ دوبارہ مریدوں اور معتقدوں کے
آنکھوں کو روشن و منور کردوں۔ یہ بات جب اہل عالم
پر آشکارا ہوئی کہ شاہ حمایت پناہ اس و با کے
گراں بار بوجھ کو اپنی ذاتِ شریف و نفسِ لطیف
پر محمول فرماتے ہوئے عالم بقا کی جانب اپنے ارادے
کی لگام کو پھیرنا چاہتے ہیں' آپ کی بارگاہ میں
چھوٹے بڑے جوان بوڑھے محبین و مخلصین
مریدین و خادمین حاضر ہو کر آہ و زاری کرتے
ہوئے کہنے لگے اے اجسام عالم کی روح' چشم بنی آدم

از الحاح تمام گفتن گرفتند اے روح اجساد عالم واے روشنی بخش چشم بنی آدم، امید داریم کہ ما ہمگناں را فدائے ذات خود نمودہ عوض آن در زیر باد وبا بسپری وسایۂ حمایت وحراست خود از سر وقت جہانیاں باز نگیری چوں آنحضرت الحاح وزاری ایشاں استماع فرمودے انواع انواع تقویت گونہ گونہ دلاسا بدیشاں دادے وباعادہ وارجاع خود مستظہر گردانیدے۔

چوں بریں روزے چند بگذشت اتفاقاً کمند حکم محکم وامر مبرم وباصیاد قضا در طول وعرض اقالیم گسترد ن آغاز کردہ ہزاراں ہزار لاشہ واجساد بنی نوع انسانی کشاں کشاں در صحن عدم ومیدان فنا انداختن قریہ بقریہ شہر بشہر محلہ بمحلہ بادے از قہر چیناں وزید کہ خفتہ خفتہ ونشستہ نشستہ استادہ استادہ بواسطہ الم ومرض جاں از قفس وجود پریدن گرفت وہیچ محلہ وخانہ نبود کہ ازاں جادۂ فنا وفوات پر نیامد، اتفاقاً ایں خبر وحشت اثر در خدمت آں سرور جمیع رفع نمودند کہ شاہا بحکم اعلام آنحضرت تند باد وبا در چہار سوئے اقلیم چناں در وزید لنست عجبے نیست کہ عنقریب

کو روشنی بخشنے والے، ہم آپ کی ذات سے یہ امید رکھتے ہیں کہ ہم گناہگاروں کی خاطر اپنے آپ کو اس وبا کے ماتحت نہ سوپیں گے اور اہلِ جہاں کو اپنی حمایت وحفاظت سے محروم نہ کریں گے۔ جب شاہ نے ان لوگوں کی آہ وزاری سنی تو مختلف طریقوں سے ان کو دلاسہ دیا اور اپنی واپسی کا ارادہ ظاہر فرمایا۔

اسی طرح چند دن گزرے تو اتفاقاً حکم محکم وامر مبرم کی جال قضا وقدر کے شکاری نے دنیا کے اطراف واکناف پر بچھانا شروع کر دیا جس سے ہزاروں بنی نوع انسان آہستہ آہستہ صحن عدم اور میدان فنا میں گرنے لگے۔ قریہ بقریہ، شہر بشہر محلہ بمحلہ قہر کی ہوا ایسی چلنے لگی کہ سوتے بیٹھتے اٹھتے اس مرض کی شدت کو تاب نہ لاکر ارواح انسان قفسِ عنصری سے پرواز کرنے لگیں۔ کوئی محلہ کوئی گھر ایسا نہیں رہا جہاں سے فنا کا دھواں نہ اٹھا ہو اور اموات واقع نہ ہوئے ہوں۔ اتفاقاً تمام لوگ اس خبر وحشت کو آپ سرور کی خدمت میں پہنچائے، کہنے لگے شاہا! اللہ کے حکم سے پوری دنیا میں ایسی تند وتیز وبا چل رہی ہے کوئی تعجب

و مار روزگار بنی آدم برآورده رشتۂ توالد و تناسل از ابنائے ابوالبشر منقطع گرداند۔

الغرض آنحضرت بعد از اصغائے ایں مقولہ بر نفرت شخصے از مریدانِ خود را در حرفت معماری نظیرے نداشت طلبیدہ چنیں فرمود کہ اے مرید عقیدت مند و اے چابک دست ہنرمند بزودی کن، فلاں جا و فلاں زمیں در فلاں وقت و تاریخ قبرے بدیں نوع۔

نہیں کہ عنقریب اس زمانے کے تمام بنی آدم ہلاک ہو جائیں اور نسلِ انسانی سے توالد و تناسل کا رشتہ ہی منقطع ہو جائے۔

الغرض آنحضرت ان نفرت آمیز باتوں کو سننے کے بعد اپنے مریدوں میں سے ایک مرید کو جو فنِ معماری میں بے نظیر تھا اس کو بلا کر یوں فرمایا اے مرید عقیدت والے چابکدست ہنرمند فلاں مقام پر فلاں وقت و تاریخ کے لئے ایک قبر جلدی تیار کرو۔

ناظرین چودھواں خارقہ بہت طویل ہے اس لئے آپ کے وصال کا بیان انشاءاللہ اگلے شمارے میں پیش کیا جائے گا۔

سالک مسالک شریعت وطریقت، واقف مواقف
معرفت وحقیقت حاج الحرمین الشریفین حافظ
القرآن المبین حضرت مولانا سید شاہ عبد اللطیف
المعروف بہ شاہ محی الدین قادری لقوی المشہور بہ
حضرت قطب ویلور قدس سرہ نے بعض مخلصین محبت انتما کے نام
پند ونصیحت اور حکمت وموعظت سے بھرپور مکتوبات روانہ فرمایا تھا جن
میں سے تین قلمی مکتوبات کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

پہلے مکتوب میں محمد علاؤ الدین صاحب جھکری کی جواں
سال دختر کی وفات پر تعزیت ادائی کے بعد نصیحت فرمارہے ہیں کہ
مقبول بندہ تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہر فعل سے راضی ہو۔ اب تو یہ وہ وقت ہے کہ دعا اور فاتحہ کے ذریعہ مرحومہ کی اعانت، اور
امداد کی جائے۔ وفات یافتگان، زندوں کے استغفار اور صدقہ کے شدید محتاج رہتے ہیں۔ اس بات کا خیال رکھیں کہ صدقہ اور
استغفار رسم وعادت کی بنیاد پر نہیں بلکہ شریعت کے طریقہ پر کریں۔

اور دوسرے مکتوب میں جناب محمد امام الدین صاحب جھکری کے قاضی ہوجانے کی خبر سن کر مکتوب الیہ سے یوں
مخاطب ہیں: خود کو پابندِ شریعت کرتے ہوئے عدالت کو مقدماتِ شرعیہ کی تنفیذ ونفاذ کے لئے ایک بہترین بہانہ سمجھیں۔ اگر ایسا نہ
کرکے تو عہدۂ قضا کو ایک بری بلا سمجھو۔

اور تیسرے مکتوب میں مولانا حسن شریف المعروف بہ شاہ علی قاضی لشکر بنگلور کو نہایت لطیف پیرایہ میں یہ ہدایت
اور تاکید فرمارہے ہیں کہ سعادتمند اور خوش بخت قرار دئے جانے کا مستحق وہی شخص ہے جو اسلام کے اس دورِ غربت واجنبیت میں مروجہ بدعتوں
کا قلع قمع کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ سنتوں کو زندہ کرے اور نماز جو سلامِ ربانی ہے تعدیلِ ارکان اور جمعیت وجماعت
کے ساتھ ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت موصوف نور اللہ مرقدہ وقدس سرہ العزیز کی تحریرات سے خلق کثیر کو نفع پہنچائے
آمین، بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم۔

ترجمہ وتلخیص:- مولوی حافظ بشیر الحق قریشی ادھونی
استاذ دار العلوم لطیفیہ۔ ویلور

مکتوب بنام محمد علاؤالدین صاحب فہکری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ اور سلام سنت خیر البریہ کے بعد خاطر کرم مآثر پر واضح ہو کر ان مصیبتوں کے دنوں میں آپ کی صاحبزادی اہلیہ سید نجم الدین صاحب قادری کی وفات کا واقعہ اس مسکین کی کانوں تک پہنچا اور اضطراب قلب کا باعث بنا۔ ایسی جواں سال دختر کی رحلت سے آپ کے قلب پر کس قدر نشتر لگے ہوں گے انا للہ وانا الیہ راجعون ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کے قضا و فیصلہ سے راضی ہیں، آپ بھی راضی ہو جائیں۔

مقبول و محبوب بندہ وہ ہے جو اپنے مولا کے فعل سے راضی رہتا ہے اور وہ شخص جو اپنی رضا کے تابع ہے، خود کا بندہ ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے۔ وفات یافتگان زندوں کے استغفار کے شدید محتاج رہتے ہیں اور جب زندے، مردوں کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کے پہاڑ ان کی قبروں میں داخل فرماتا ہے۔

لہٰذا اب یہ وہ وقت ہے کہ دعا اور فاتحہ کے ذریعہ مرحومہ و مغفورہ کی اعانت اور امداد کی جائے اور اس بات کا لحاظ رکھیں کہ صدقہ اور استغفار شریعت کے طریقہ پہ ہو۔ اور رسم و عادت کی بنیاد پہ کوئی کام نہ کریں۔ اور دنیا والوں کے پاس ولحاظ اور کسی ملامت گر کی ملامت کو نظر انداز کر دیں، کیونکہ یہ چیز موت کے بعد مفید اور کارآمد نہیں ہے۔ وہاں تو صرف خالق کے ساتھ معاملہ ہے۔

اور اس بات سے بچتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف، وقت اور مال و دولت صرف ہو اور سر پہ گناہ لازم آئے۔

زر دادن و درد سر خریدن
از عقل آخرت اندیش دور باشد

روپیہ خرچ کرنا اور دردِ سر مول لینا یہ کام آخرت کا خیال رکھنے والی عقل سے دور ہے۔

ہرگز ماسوی اللہ کا غم دل میں آنے نہ دیں۔ کیونکہ یہ چیز باطن کو تیرہ و تاریک کر دیتی ہے اور جب بھی کوئی خوفناک واقعہ یا کدورت باطن میں رونما ہو تو قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ لیا کریں۔ یہ سورتیں اس قسم کی کدورتوں کو دفع کرنے میں بڑی تاثیر رکھتی ہیں۔

حق سبحانہ، وتعالیٰ اپنے احسان اور لطف و کرم سے ہم کو اور سارے مسلمانوں کو جادۂ شریعت پہ استقامت کی عزت عطا فرمائے اور گوناگوں تعلقات سے

محفوظ اور باز رکھے جو فنا پذیر ہیں اور قبر میں ساتھ دینے والے نہیں ہیں۔

تائیدِ غیبی تمہارے ساتھ رہے تم جہاں کہیں رہو۔

مکتوب بنام محمد امام الدین حسن صاحب ٹھکری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ اور ابلاغ سلام و دعوات کے بعد خاطر محبت ذخائر پر واضح ہو کہ آنے والے لوگوں کی زبانی اور مخدومی محی الدین علی خان صاحب ٹھکری کے خط سے آپ کے دوامی قضا کی خدمت پر تقرری کی اطلاع پہنچی۔

آنجناب کے عہدۂ قضا پر فائز ہونے کے بعد سے خطوط یک قلم موقوف ہو گئے ہیں یہاں تک کہ خان صاحب ممدوح کے خطوط جو آپ کے خط سے لکھے ہوئے ہوتے ہیں، ان خطوط میں سلام تک متروک ہے۔ نامہ و پیام کا ذکر ہی کیا۔ معلوم ہوا کہ خدمتِ قضا ہم فقیروں کی محبت اور یاد سے باز رکھتی ہے۔ امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے محلہ والوں کی چند اونٹنیوں کا دودھ دوہا کرتے تھے۔ جب مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو دودھ دوہنے سے کنارہ کشی کو روا نہیں رکھا، تو آنجناب مسندِ قضا پر جلوہ افروز ہونے کے بعد کیسے ہم فقیروں کی یاد کو روا نہیں رکھتے ہیں۔

اے محبت آثار!

ع از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر است

دوست سے متعلق جو بھی بات چیت ہو وہ خوشتر ہے۔

چند باتیں جن سے اللہ کی یاد تازہ ہو جائے خان صاحب ممدوح کے مکتوب میں درج ہیں۔ ان کو اپنے لئے دستور العمل بنا لیں اور خود کو شریعت کا پابند و مقید رکھیں۔ عدالت کو احکامِ شرعیہ کے نفاذ کے لئے بہانہ سمجھیں اور اگر ایسا نہ کر سکے تو مسندِ قضا کو بری بلا سمجھیں۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ بہت سے عزت مند افراد، قضا اور فیصلہ کے دن ذلیل و خوار ہوں گے، اور بہت سے لوگ جو دنیا میں ذلیل اور بے اعتبار رہے ہے، اس دن درجۂ اعتبار اور عزت کے مقام پر ہوں گے۔

اللہ سے امید ہے کہ وہ تمہیں اور تمہیں عزت و وجاہت اور بے ثبات دنیا کے امور کا پابند و قیدی نہیں بنائے گا اور کامیاب عزت اور دائمی اخروی اعتبار و مقام سے مشرف فرمائے گا انہ قریب مجیب بلاشبہ رب تعالیٰ قریب ہے اور دعا سننے والا ہے۔

تم جہاں بھی رہو خدا کے الطاف و عنایات تمہارے ساتھ رہیں۔

....

مکتوب بنام مولانا حسن شریف المعروف بہ شاہ علی صاحب قاضی لشکر بنگلور

حمد و صلوٰۃ اور سلام و دُعاؤں کے بعد

خاطر شریف پر واضح ہو کہ ۱۶ شعبان ۱۲۴۶ھ کا عنایت نامہ جو کمال لطف و کرم سے اس فقیر کے نام تحریر کیا گیا۔ وہ اور مسائل مستفسرہ کے کاغذات مخلصی حافظ مرتضیٰ کی معرفت پہنچے۔ مسائل شرعیہ کے استفسار سے دل کو خوشیاں حاصل ہوئیں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

اس دَورِ غفلت نشان میں کون ایسا شخص ہے جو مسائل شرعیہ کے متعلق استفسار کرے اور احکام شریعت کی تنفیذ اور امور ملت کی ترویج کرے۔

ہائے افسوس بہت سے لوگوں نے کتاب و سنت کو بالکل ہی پس پشت ڈال دیا ہے۔ اگر کسی کو یا اس کے بیوی بچوں کو سخت و سست بات کہی جائے تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں لیکن اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی خاطر جان دینے کی کیا بات ہے ایک سخت بات سننا بھی گوارہ نہیں ہے۔

ع وائے نہ یکبار کہ صد بار وائے

افسوس ایکبار نہیں بلکہ سینکڑوں بار افسوس ایسے زمانوں میں مسائل شرعیہ کا جو استفسار کیا گیا اس سے بہت خوشی ہوئی۔ معلوم ہُوا کہ شریعت مطہرہ آپ کے باطن میں بھی جاگزیں ہے۔

ع از کوزہ بروں ہموں تراود کہ در وست

کوزہ سے وہی چیز باہر آتی ہے جو اس کے اندر ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہارے ہر کام میں خیر و برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ مسکین قلت فرصت کی وجہ سے مسائل کے جواب لکھنے سے اب تک قاصر رہا اور جانے والے لوگوں کی عجلت کے سبب جوابات کا مسودہ بغیر نظر ثانی کے مبیضہ کر واکر روانہ کیا گیا ہے اور اپنی صوابدید کی بنا پر سوالات میں قدرے کمی بیشی بھی کی گئی۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ خطا و نسیان سے عفو فرمائے گا ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا بہ۔

اے سعادت آثار!

آج وہ دَور ہے کہ اسلام انتہائی ضعف و غربت اور اجنبیت کی منزل میں ہے اور یہ ایسا زمانہ ہے کہ تھوڑا عمل بھی اجر جزیل کے عوض میں مقبولیت کے مقام کو پہنچتا ہے مسلمان غربت اور اجنبیت کے مقام میں ہیں۔ جیسا جیسا زمانہ گذرتا رہیگا اور بھی غریب تر ہوتے جائینگے۔

اس دَورِ غربت و اجنبیت میں سعادت مند شخص وہی ہے جو پھیلی ہوئی بدعتوں میں سے کسی ایک بدعت کو بھی مٹائے اور متروکہ سنتوں میں سے کسی ایک سنت کو بھی زندہ کرے اور پنج وقتہ نمازیں جو سلام بانی

ہیں تعدیل ارکان کے ساتھ سکون قلب اور جماعۃ سے ادا کرے۔ کیونکہ صف بستہ سلام کیا حاکم حقیقی اور کیا حاکم مجازی دونوں کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہے اور موجودہ لذتیں جو کہ فنا پذیر ہیں اور قبر میں ساتھ دینے والی نہیں ہیں ان سے فریب نہ کھائے اور موت کی یاد اور آخرت کی ہولناکیوں کو پیش نظر رکھے۔

کار این است و غیر این ہمہ ہیچ

کرنے کا کام یہی ہے اور اس کے سوا سب ہیچ ہے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس غیر مفید دنیا کی گرفتاریوں سے جو آخرت میں کار آمد نہیں ہیں دور رکھے اور جادۂ شریعت پر استقامت کی توفیق اور آخرت کے ثمرات حاصل کرنے کا شرف بخشے۔ آمین۔

تم جہاں بھی رہو خدا کی نُصرت ساتھ رہے۔

—. . . . .—

ترجمہ از قلمی بیاض:
مترجم مولوی محمد ابو بکر ملیباری لطیفی
استاذ دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

پیش کش: سید علی قادری عرف اشرف حیدر آبادی

مملکتِ دنیا و دین کے سلطان، اربابِ یقین و عرفان کے سردار، غوثِ وقت حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ جن کی ذات زمانے میں بے نظیر، صاحب بلند ہمت جن سے بے حساب کرامات ظہور پذیر ہوئیں۔ آپ حضرت شیخ علاؤ الحق والدین بنگالی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ ہیں۔

مصنف لطائف اشرفی فرماتے ہیں کہ آپ کے والدِ بزرگوار سلطان ابراہیم سادات نوربخشیہ سے تھے۔ نیز سمنان پر آپ کی حکومت تھی۔ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ مادر زاد ولی تھے۔ علم لدنی کے تمام اسرار و رموز کو آپ پر منکشف کیا گیا تھا۔ ایک سال میں قرأت سبعہ کے ساتھ قرآن کریم کو حفظ فرمالیا۔ اس وقت آپ کی عمر سات سال کی تھی۔ چودہ سال کی عمر میں مروجہ علوم منقول و معقول کی تکمیل فرمائی۔ ان ہی دنوں آپ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ اور ارکان دولت و سلطنت کی کوشش سے حکومت سمنان کا بار آپ کو سنبھالنا پڑا اور آپ امور سلطنت سے بیزار تھے۔

بچپن ہی سے آپ کا دل خدا کی طرف مائل تھا اور اکثر اوقات حضرت شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی اور دیگر مشائخ کرام کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ امور سلطنت آپ کے مذہبی کاموں میں دخل انداز نہیں تھے۔ فرائض و واجبات اور نوافل کی ادائیگی، یہاں تک کہ مشائخ کے آداب بھی آپ سے متروک نہیں ہوتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کا قلبی اضطراب بڑھتا ہی رہا اور امور سلطنت میں آپ کا دل نہیں لگتا تھا۔

ایک رات حضر علیہ السلام کو دیکھا آپ نے فرمایا ابھی آپ کے ذمہ امور سلطنت باقی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کو بے واسطۂ زبان کے، دل میں پیوست فرمالیں، نفس کو پہچاننے کی کوشش میں لگے رہیں۔ انہیں امور کی انجام دہی میں دو سال گذر گئے۔

اس کے بعد حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے بھی چند اذکار کی اجازت سے

سے مشرف فرمایا۔ اس میں سات سال گذر گئے۔ اتفاقاً رمضان مبارک کے آخری عشرہ میں شب قدر کو جاگ رہے تھے تو حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا۔ انہوں نے بشارت دی کہ آپ کی آرزو کی تکمیل ہوئی۔ اب ترکِ سلطنت کا وقت آگیا ہے۔ دوست کا وصال چاہتے ہو تو اٹھو! اور ہندوستان کا رُخ کرو۔ وہاں پیرِ حق حضرت شیخ علاؤ الدین تمہارے منتظر ہیں۔

چنانچہ صبح ہوتے ہی آپ کاروبارِ جہاں سے دستبردار ہوئے اور اپنے چھوٹے بھائی سلطان محمد سے ترکِ سلطنت کا ارادہ ظاہر فرمایا اور انہیں کو سلطنت بعد پند و نصائح کے سونپ دی اور اپنی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ بیگم (جو حضرت خواجہ احمد یسوی کی اولاد سے تھیں) سے رخصت چاہی۔ والدہ صاحبہ نے اپنے دلبند عزیز کو خوشخبری سنائی کہ بیٹا! ابھی تم پیدا نہیں ہوئے تھے کہ روحانیہ خواجہ احمد یسوی نے مجھے یہ بشارت سنا دی تھی کہ اے خدیجہ! تمہیں ایک فرزند پیدا ہوگا جس کی ولایت اور نورِ ہدایت سے عالم کی گمراہی اور تاریکی دُور ہو جائے گی۔

اب وہ وقت آگیا ہے۔ جاؤ خدا مبارک کرے میں اپنا حق تمہیں بخشتی ہوں اور تمہیں خدا کے حوالہ کرتی ہوں۔

چنانچہ تئیس سال کی عمر میں پورے کمالِ عزم وہمت کے ساتھ ملک سمنان سے باہر نکلے۔

از راہِ شفقت و اکرام حضرت شیخ علاؤ الدولہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہمراہ کچھ دُور چلے اور چند وصیتیں فرما کر رخصت فرمایا۔ ان کے علاوہ بھی آپ کے ساتھ اکثر احباب سمرقند تک رخصت کرنے کے لئے آئے اور واپس چلا گئے۔ یہاں سے آپ تن تنہا خطہ اوچ تشریف لے گئے، اور وہاں حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری سے شرفِ ملاقات و صحبت پائی اور مقامِ قطبیت و غوثیت کی نعمت سے مستفیض ہو کر دہلی پہنچے۔ اور مشائخ چشت کی زیارت سے بہرہ ور ہوئے۔ اسی سفر میں آپ بہار تشریف لے گئے اور وہاں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

اس کے بعد آپ اپنے شیخ و مرشد شیخ علاؤ الحق کی ملاقات کے لئے بنگال روانہ ہوئے۔

آپ سمنان سے نکل کر منزلِ مقصود تک پہنچنے کے درمیان حضرت خضر علیہ السلام نے ستر مرتبہ شیخ علاؤ الحق علیہ الرحمہ کو آپ کے سمنان سے نکلنے کی خبر پہنچائی۔ چنانچہ جب آپ بنگال کے قریب پہنچے تو شیخ علاؤ الحق اصحاب و مریدین کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے آموجود تھے۔ توجہ باطنی سے آپ کو پہچان لیا۔ سنکھاسن سواری (جو حضرت شیخ اخی سراج قدس سرہٗ سے آپ نے پائی تھی) میں پورے کمال شفقت و مہربانی کے ساتھ ہاتھ پکڑ کر حضرت اشرف قدس سرہٗ کو بٹھایا۔

اور خود دوسرے ایک سکھاسن میں بیٹھ کر شفقت و مہربانی کے ساتھ سفر کے احوال پوچھتے رہے۔ اور اپنی خانقاہ لے گئے۔ خادم نے شربت اور روٹی پیش کی جس میں سے چند ٹکڑے آپ نے تناول فرمایا اور اس کے بعد حضرت اشرف کو پیش کیا اور چند پان بیڑے اپنے دستِ مبارک سے بنا کر موصوف کو عنایت فرمایا۔ اس کے بعد حضرت اشرف کو حجرہ میں لے جا کر شرف ارادت سے نوازا اور چشتیہ اور اد و اشغال کی تلقین فرمائی۔ اور اپنا خاص لباس پہنایا۔ اس وقت حضرت کی عمر ۲۷ ستائیس سال تھی۔ وہیں ایک فرحت بخش پاک صاف جگہ متعین فرما کر قسم قسم کی صوری و معنوی مہربانیاں کیں یعنی مکمل چار سال تک حضرت کی خدمت میں رہ کر ریاضات و مجاہدات اور تربیت کی تکمیل فرمائی۔

انہیں دنوں میں آپ کے شیخ آپ کو ایک لقب سے نوازنے کے لئے ایک حجرہ میں مراقب ہوئے تو چاروں طرف آواز آئی "سید اشرف جہانگیر"۔

اس دن سے آپ کو سید اشرف جہانگیر پکارنے لگے۔ یہ لقب سن کر حضرت جہانگیر نے فی البدیہہ یہ شعر کہا:

مرا از حضرتِ پیرِ جہاں بخش
خطاب آمد کہ اے اشرف جہانگیر
کنوں گیرم جہانِ معنوی را
کہ فرماں آمد از شاہم جہانگیر

جہاں کو بخشنے والے حضرت پیر سے مجھکو یہ خطاب ملا کہ "اے اشرف جہانگیر" اب میں جہانِ معنوی پر حکومت کروں گا۔ اس لئے کہ میرے شاہ کا فرمان ہے جہان پر حکومت کروں۔

اس کے بعد خواجگانِ چشت کے خلافت کی نعمت سلطان المشائخ کے خرقۂ خاص کے ساتھ (جس کو شیخ اخی سراج قدس سرہٗ سے آپ نے بنایا تھا) اور تمام پیروں کی امانت آپ کو عطا فرما کر دیارِ جونپور کے لئے صاحب ولایت بنایا گیا اور آپ کو ٹھہرنے کے لئے کچھوچھہ مقام متعین فرمایا۔ نیز ایک علم و نشان اور نقارہ بھی عنایت فرمایا۔ پھر وہیں آپ کی خدمت میں دو سال گذارے۔ اس کے بعد یہ بات مقرر ہوئی کہ آپ کو جونپور جانا ہے۔ اس وقت آپ نے اپنے شیخ و مرشد کے سامنے یہ معروضہ پیش کیا کہ اس دیار میں ایک شیر ہے اس کے ساتھ ہمارا نبھاہ کیسے ہوگا۔ (اس شیر سے مراد حضرت شیخ حاجی چراغ ہند سہروردی خلیفۂ حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتح ملتانی ہیں جو ظفر آباد میں سکونت فرما تھے) تو حضرت نے مراقبہ کیا اور فرمایا وہ شیر تمہیں کچھ نہیں کریگا۔ کیونکہ وہاں ایک بچہ تمہارا مرید ہوگا۔ وہ خود اس شیر کو سنبھال لیگا۔ اس بچہ سے مراد حضرت شیخ کبیر ہیں۔ جو حضرت اشرف جہانگیر سے ملاقات کے بعد آپ کے معتقد اور مرید بن گئے۔

اس کے بعد آپ اپنے شیخ سے اجازت لے کر

جونپور تشریف لے گئے۔ جب آپ راستہ میں قصبۂ منیر پہنچے تو سید شیخ شمس الدین اودھی سے آپکی ملاقات ہوئی۔
سفر کے وقت آپ کی یہ عادت رہی ہے کہ آپ اپنے ساتھ دنیاوی علائق و ساز و سامان لے جاتے تھے جس میں گھوڑے، اونٹ، خدمت گار، معتقد اور بھی مختلف قسم کے ساز و سامان ہوتے، جوں ہی شیخ سید شمس الدین نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو برجستہ فرمایا:

"درویشوں کو ان دنیاوی علائق سے کیا سروکار؟"

حضرت سید اشرف جہانگیر کے دل روشن پر یہ بات عیاں ہوئی تو آپ نے جواباً حضرت ابوسعید ابوالخیر کا یہ جملہ ارشاد فرمایا:

"میخ وطویلہ در گل زدہ ام، نہ در دل"

قصبۂ منیر سے آپ آہستہ آہستہ قصبہ محمد پور گوبنہ پہنچے اور وہاں قیام فرمایا۔ یہاں اس قصبہ کے اطراف و اکناف سے علماء آپ سے ملنے آتے اور قسم قسم کے علمی مباحث پر گفتگو فرماتے۔ اس اثناء میں خلفائے راشدین پر بھی گفتگو ہوئی تو حضرت سید اشرف جہانگیر نے سنّی عقیدہ کے مطابق خلفائے راشدین کے فضائل ومناقب بیان فرمایا۔

نیز آپ نے کہا مناقب خلفائے راشدین پر میں نے ایک رسالہ بھی ترتیب دیا ہے۔ اس پر سب نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ کی ایما پر آپ کے خادم مولانا حسین نے رسالہ پیش کیا۔ تمام علماء نے اسے دیکھا۔ اس رسالہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل ومناقب میں قدرے زیادتی کی گئی تھی۔ اس پر بعض علماء شدت کے ساتھ بحث و اعتراض کرنے لگے تو حضرت سید اشرف جہانگیر نے مختلف معقولی ومنقولی دلائل پیش کیا۔ لیکن غلبۂ تعصب کی وجہ سے علماء اپنی ضد پہ قائم رہے سبھوں نے بالاتفاق آپ کو رفض سے منسوب کیا اور آپ کے رافضی ہونے کا فتویٰ جاری کر دیا۔ اور کچھ لوگوں نے ایک جمعہ میں نماز کے بعد جمع ہو کر آپ کے خادموں کو ستانا شروع کیا۔

اس رات ایک دانشمند عالم سید خان نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ سید اشرف جہانگیر وہ نہیں ہیں جو تم لوگ سوچ رہے ہو۔ تم لوگوں نے غلط سمجھا ہے۔ تم لوگ ان کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے۔ اگر تمہیں دونوں جہاں کی بہبودی مقصود ہے تو توبہ کرو، اور ان سے معذرت چاہو۔

سید خان نے صبح سویرے حضرت سمنانی کی خدمت میں حاضری دی اور آپ کے قدموں میں سر رکھتے ہوئے معذرت طلب کی اور کہنے لگے جناب والا آپ کچھ تردد نہ فرمائیں۔ ان علماء کا جواب میں خود دوں گا۔

دوسری جمعہ اسی طرح لوگ جمع ہوئے اور استفتاء پیش کیا گیا۔ سید خاں نے استفتاء ہاتھ لیا اور لوگوں

سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو حضرت پر یہی اعتراض ہے نا کہ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مدح میں زیادتی کی ہے۔ لوگوں نے جواب دیا۔ ہاں۔ سید خاں نے کہا۔ یہ اعتراض غیر سید پر ہو سکتا ہے، سید پر نہیں، کیونکہ اگر کوئی آدمی اپنے ماں باپ کی تعریف میں زیادتی کرے تو جائز اور درست ہے۔ اس پر علماء نے اس دلیل کی سند مانگی۔

سید خاں نے کتاب جامع العلوم سے یہ عبارت دکھائی کہ الناس ابناء الوالدین ولا یلام الرجل علی حب ابویہ و بمدحھا لوگ اپنے ماں باپ کی اولاد ہے، ان پر ملامت کرنا ٹھیک نہیں جبکہ وہ ماں باپ کی محبت یا مدح کریں۔

یہ جماعت اس عبارت کو سن کر دم بخود رہ گئی۔ اور آخر ہر ایک نے عذر پیش کیا۔ حضرت اشرف نے مخلصین کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ نیز سید خاں کی کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ نے ان کو چار اولاد ہونے کی بشارت دی، اور فرمایا ان میں سے ہر ایک عالم و فاضل ہوگا اور یہ لوگ اپنے زمانہ میں دوسروں پر سبقت لے جائیں گے۔

اس کے بعد آپ ظفر آباد پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے قسم قسم کی نیازیں اور عقیدتیں پیش کیں۔ ایک روز چند مسخروں نے بعض حاسدین کے اشارے پر ایک شخص کو کفن پہنا کر چارپائی پر مردہ کی طرح پیش کیا، اور رونا پیٹنا شروع کیا اور درخواست کی اس جنازے کی نماز درویش حضرات ہی پڑھائیں۔ آخر کار حضرت کا انکار ان کے اصرار میں ضم ہو گیا۔ غیرت کے خیال سے حضرت سید اشرف جہانگیر نے اپنے مریدین میں سے ایک کو حکم دیا کہ یہ لوگ جو کہتے ہیں وہ کرو۔ ایک مرید آگے بڑھا اور صرف تکبیر کہی تھی کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔

ان مسخروں کا منصوبہ یہ تھا کہ جب نماز شروع ہو جائے تو اشارہ کرتے ہی مردہ زندہ اٹھ کھڑا ہو جائے تاکہ لوگوں کے سامنے شرمندہ کریں۔ تکبیر کے بعد کئی اشارات مُردہ کو کئے گئے ہرگز وہ اُٹھ نہ سکا۔

حاصلِ کلام اس خارقہ کا شور و غل پورے قصبہ اور اس کے اطراف واکناف میں پھیل گیا اور بے حساب لوگ آپ کی خدمت میں آتے رہے۔ بھیڑ کی زیادتی کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اسی زمانے کے ایک بزرگ شیخ حاجی چراغ ہند کو یہ واقعہ ناگوار خاطر گذرا۔ انہیں دنوں شیخ کبیر سرہرپوری نے تحصیل علوم سے فارغ ہونے کے بعد کسی مرشد کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کا ارادہ کیا تو اسی رات خواب میں ایک نورانی چہرہ کو مرید بناتے ہوئے دیکھا تو شیخ کبیر نے اپنے دل میں سوچا کہ اس دیار میں شیخ حاجی چراغ ہند کے سوا تو کوئی بزرگ نہیں ہے۔ صبح بیدار ہوئے اور شیخ حاجی چراغ ہند کے پاس تشریف لے گئے۔ لیکن جب یہ دیکھا کہ یہ وہ صورت نہیں ہے جو خواب میں دیکھی تھی تو واپس چلے آئے۔ پھر حضرت سید اشرف جہانگیر کی شہرت سن کر آپ کے پاس گئے، صورت

دیکھتے ہی پہچان گئے اور آپ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ فوراً مرید ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد شیخ سمنان حضرت اشرف نے اپنے مریدین و مصاحبین سے فرمایا۔ یہی وہ بچہ ہے جو اس ولایت کا شیر ہے۔ میرے پیر و مرشد کے فرمان کے مطابق میں ان ہی کا انتظار کر رہا تھا۔

الغرض اس ارادت و بیعت کا واقعہ جب حاجی چراغ ہند کو معلوم ہوا تو انہیں ناگوار گذرا۔ حضرت اشرف جہانگیر فرماتے ہیں۔ چراغ ہند کی یہ ناراضگی ان کے لائق نہیں تھی۔ یہ ان کی بشریت کا قصور تھا جو ابھی تک ان میں موجود رہ گئی۔ اس ناراضگی کے سبب حاجی چراغ ہند کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ کبیر جوانی میں مرے۔

جب حضرت کبیر اور حضرت سید اشرف کو حضرت چراغ ہند کی خفگی اور اس کلمہ کا علم ہوا تو آپ نے حضرت کبیر سے فرمایا۔

"اے کبیر! غم مت کھاؤ کہ کبیر پیر بوڑھا ہو کر مریگا۔ تم بھی کہہ دو کہ پہلے ان پر حکم قضا جاری ہو گا۔

غرض اس طرح دونوں بزرگوں کا فرمان صحیح ثابت ہوا۔ پچیس سال کی عمر میں حضرت کبیر پر بڑھاپے کے آثار نمودار ہو گئے۔ جوانی میں پیری کا ضعف بڑھ گیا۔ اور جلد وفات پا گئے۔

اور شیخ کبیر کے انتقال سے پانچ سال پہلے شیخ حاجی چراغ ہند کا وصال بھی ہو گیا۔

اس کے بعد آپ وہاں سے جونپور پہنچے۔ شہرت عظیم آپ کو ملی۔ حاکم جونپور آپ کی بہت قدر کیا کرتا تھا۔ نیاز و عقیدت کا سلسلہ جاری رکھا اور آپ کی صحبت سے بہرہ ور ہوا۔

نیز قاضی شہاب الدین آپ کی شہرت اور فیضان کو سن کر آپ کے معتقد ہوئے اور آپ کی خدمت میں رہنے لگے۔ اپنی تمام تصنیفات کو حضرت اشرف جہانگیر کے پاس اصلاح کے لئے دئے۔ آپ نے چند مقامات پر اصلاح فرمائی اور داد تحسین دیتے ہوئے ملک العلماء کے خطاب سے نوازا۔ اور اشغال چشتیہ کی تلقین فرماتے ہوئے ایک خرقہ عطا کیا۔

حضرت اشرف نے تقریباً دو مہینے جونپور ہی میں قیام فرمایا۔ ارادت اور بیعت سے ایک عالم کو فیض پہنچاتے رہے۔ اس کے بعد اپنے مرشد کی وصیت کے مطابق کچھوچھہ شریف کی جانب متوجہ ہوئے۔ وہاں ایک جوگی پانچسو معتقدین کے ساتھ حق کی تلاش میں رہتا تھا اور قسم قسم کے تصرفات اس سے ظاہر ہو رہے تھے، آخر سید اشرف جہانگیر کی قوت نے اسے ماند کر دیا۔ حضرت سے صادر ہونے والی قوتوں کو دیکھ کر وہ جوگی اپنے پانچسو معتقدین کے ساتھ مشرف باسلام ہوا اور آپ کی صحبت کے فیض سے وہ ایک کامل ولی بنا۔ جس کے بعد یہ بزرگ مقام رشد و ارشاد پر فائز ہوئے۔ یہی دن تقریباً،

پانچ ہزار لوگ مشرف بارادت ہوئے۔ آپ پھر اسی جگہ اقامت پذیر ہو گئے۔ عمارت و خانقاہ، حجرۂ خاص اور دوسرے متعدد باغات وغیرہ کی بنیاد رکھی۔ تھوڑی مدت میں مذکورہ مقامات بہشت نما ہو گئے۔ جسکو "روح آباد" سے یاد کیا جاتا ہے۔

روح آباد میں سکونت فرمانے کے بعد اکثر اوقات مسافرت میں رہے اور کئی مرتبہ زیارتِ حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئے۔

لطائف اشرفی میں لکھا ہے۔ مکہ معظمہ کے ایک سفر میں حضرت شیخ بدیع الدین الملقب بہ شاہ مدار آپ کے ساتھ تھے۔ مکہ معظمہ سے حضرت شیخ بدیع الدین ہندوستان کی طرف آ گئے۔ اور حضرت سید اشرف جہانگیر وہاں سے مدینۂ منورہ گئے۔ پھر نجف اشرف اور کربلا ہوتے ہوئے روم گئے۔ وہاں کے مشائخ سے ملاقات کر کے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ پھر وہاں سے دمشق گئے۔ دمشق میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کے مزار مبارک پہ حاضری دی۔ پھر یہاں سے مصر اور یمن کے بزرگوں کی ملاقات سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد بیت اللہ، اور مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے اور زمین سعادت گاہ دارین کی برکتوں اور رحمتوں سے مالا مال ہو کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ آئمۂ اہل بیت اور دیگر بزرگان بغداد کی مزارات پر حاضری دی۔ پھر کاشان کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں عبد الرزاق کاشی سے ملاقات کی اور ان سے کتاب فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ اور اصطلاح کبیر کا درس لیا اور ان ہی اصطلاحات و حقائق کو پورے ہندوستان میں پھیلایا۔

وہاں سے پھر آپ سمنان کو روانہ ہوئے سمنان میں صرف آپ کی ایک بہن زندہ تھیں۔ ان کی ملاقات اور دلجوئی کر کے اور بزرگان سمنان سے ملاقات فرمایا، پھر وہاں سے مشہد گئے۔ چند روز حضرت امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ میں رہ کر ہر قسم کے روحانی فیوض و برکات سے بہرہ اندوز ہوئے۔ اتفاقاً ان ہی دنوں میں امیر تیمور صاحبقران بھی امام علی رضا کے آستانہ پر حاضر ہوئے، تو سید اشرف سے ملاقات ہوئی۔ کمال اعتقاد کے ساتھ آپ کی خدمت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا جس کی تفصیل "مکتوبات اشرفی" میں مذکور ہے۔

یہاں سے پھر آپ ہرات گئے اور بزرگان ہرات کی زیارت فرمائی اور ہرات سے ماوراء النہر گئے اور خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کی خدمت میں ایک مدت رہے۔ جنہوں نے آپ کو ایک خرقہ عطا فرمایا۔

یہاں سے آپ ترکستان روانہ ہوئے جہاں خواجہ احمد یسوی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ملاقات ہوئی، اور خدمت و صحبت کا موقعہ ملا۔

پھر ترکستان سے قندھار، غزنی اور کابل کی سیر

سیاحت کی اور وہاں کے بزرگوں سے ملاقاتیں کیں۔ پھر ملتان پہنچے۔ اور وہاں کے بزرگوں سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ پھر کمال اشتیاق کے ساتھ حضرت گنج شکر کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر اس کے بعد حضرت دہلوی اور حضرت اجمیری کی زیارت سے مشرف ہو کر ہر قسم کی نعمتوں سے مالامال ہو کر دکن کی طرف آئے اور حضرت میر سید محمد گیسو دراز کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اس دیار کے مشائخ سے ملاقات کی۔ پھر یہاں سے سراندیپ تشریف لے گئے، وہاں سے لوٹ کر چند روز ملکِ گجرات میں رہے۔ جہاں لوگوں کی ایک کثیر تعداد شرفِ بیعت سے مشرف ہوئی۔ دو تین افراد کو خصوصی تربیتِ باطنی کے بعد خرقۂ خلافت عنایت فرمایا۔

غرض آپ پورے ہندوستان کا ایک ایک شہر اور ایک ایک قصبہ و قریہ کی سیاحت فرمائی اور کوئی شہر بھی آپ سے نہیں چھوٹا۔ اس کی تفصیل لطائف اشرفی میں مذکور ہے۔

پھر آپ کچھوچھہ پہنچ گئے۔ ایک روز کچھوچھہ میں آپ کی مجلس مقامی بزرگوں سے بھری ہوئی تھی علی نامی ایک قلندر اپنے ساتھ پانچسو قلندروں کو لے کر آپ کی مجلس میں بے ادبی کے ساتھ داخل ہوا۔ آپ نے رسم پیری کا خیال کرتے ہوئے بڑی نرمی سے گفتگو فرمائی۔ اس نے پوچھا۔ جہانگیر یہ خطاب آپ کو کہاں سے ملا؟ آپ نے اپنے پیر کی جانب منسوب کیا۔ اور کئی دلائل سے ثبوت پیش کیا۔ لیکن وہ نہیں مانا۔ آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہوا اور غیرت جہانگیری جوش میں آئی اور کہنے لگے۔ اے مکار جہانگیری تو کیا تو بلکہ جان گیر بھی ہوں۔ یہ کہنا ہی تھا وہ قلندر بے ہوش ہو کر گر پڑا اور اس کی جان نکل گئی۔ اور پوری محفل میں کھلبلی مچ گئی۔ سب لوگ حیران و پریشان ہو گئے۔ بقیہ پانچ سو قلندر آپ کے قدموں میں سر جھکا کر عذر خواہی کرنے لگے اور بہت شرمندہ ہو گئے۔

ایک مرتبہ شہر بنارس میں علمائے ہند کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ آپ نے ایک ہندو کو زندہ فرمایا۔ اسی وقت کلمۂ توحید اس کی زبان سے جاری ہوا۔ کئی ہزار ہندو اس منظر کو دیکھتے ہی مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح ہزاروں کرامات اور خوارق کے واقعات ہیں جن کا اس دفتر میں لکھنا مشکل ہے۔

آپ کی عمر شریف جب سو سال سے متجاوز ہو گئی تو آپ روح آباد میں مقیم ہو گئے۔ عمارت روضہ اور حوض و باغ کی آراستگی کے لئے سعی بلیغ فرمائی۔ جمشید قلندر جو تمام قلندروں کے سردار تھے آپ کے پاس بارہ سال تک انہوں نے خدمت کی۔ لیکن حضرت اشرف ہی بذات خود اکثر باغ کے درختوں کو ترتیب دے کر سنوارتے تھے۔ یہی باغ آج آپ کے روضۂ مبارک کے اطراف و اکناف بے مرمتی کی وجہ سے ایک جنگل کی شکل میں موجود ہے۔ لیکن کوئی جانور وہاں بول و براز نہیں کرتا۔ اور کبھی حوض کا پانی گندہ نہیں ہوا۔ آسیب زدہ لوگ اس

حوض کے پانی سے شفا پاتے ہیں۔

حضرت اشرف جہانگیر کچھ مدت تک بیمار رہے۔ انہیں دنوں میں آپ کے پیر و مرشد کے فرزند دلبند حضرت شیخ نور قطب عالم آپ کے یہاں تشریف لائے اور جونپور، اودھ اور مقام منیر وغیرہ کے مشائخ و بزرگان بھی حاضر ہوئے۔ شیخ نور قطب عالم نے ازراہ شفقت فرمایا:

اللہ تعالیٰ ہمارے بھائی اشرف کو صحت بخشے کیونکہ آپ خلق کی ہدایت و رہنمائی کے لئے متعین ہیں۔ اسی وقت آپ نے فرمایا، یہ لقا اور صحت مخدوم زادے کو مبارک ہو، اب میرے اور میرے محبوب کے درمیان جو حجاب رقیق تھا باقی نہیں رہا۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ دوست اپنے دوست سے جا ملے۔ آپ کی ان باتوں کو اہل مجلس پر رقت کی کیفیت طاری ہوئی۔

محرم الحرام کی پندرہ تاریخ کو اقطاب، ابرار، اخیار، ابدال، اوتاد اور تمام رجال الغیب آپ کی عیادت کے لئے جمع ہوئے اور بیمار پرسی کی تو آپ نے فرمایا:

آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ خود مجھے محبوب بلایا ہے اور بارہ سال سے زمین و آسمان کے تمام خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھ میں دے دی گئی ہیں اور مجھے حکم ملا کہ تصرف کروں، لیکن مقام ادب کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے تصرف نہیں کیا۔ میری زندگی کی باگ ڈور میرے ہی ہاتھ میں دے دی گئی ہے لیکن میں کب تک اس خاکدان سفلی میں معقید رہوں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ گلشن علوی کی طرف پرواز کر جاؤں۔

ماہ مذکور کی بائیس تاریخ کو مختلف شہروں سے لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں آنے لگے اور شرف ارادت سے مشرف ہوتے گئے۔ نیز بعض اہل صفا کو آپ نے بیعت سے نوازا، پھر آپ نے فرمایا اینٹوں سے ایک قبر تیار کی جائے، عرض میں اتنا ہو کہ نماز پڑھ سکوں، طول میں اتنا کہ میرے قد و قامت کے موافق ہو۔ سطح میں ایسا کہ میرے قد سے ایک ہاتھ بڑھ کر ہو۔

جب قبر تیار ہوئی تو آپ چند سفید کاغذوں کو لے کر قبر میں اتر گئے۔ ایک دن اور ایک رات اسی میں رہے۔ چنانچہ واقعات قبور اور دیگر مقامات علوی سے متعلق آپ نے بہت کچھ تحریر فرمایا۔ یہ تمام احوال و کیفیات رسالہ "بشارت المریدین" میں مذکور ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا، جو شخص پوری عقیدت کے ساتھ میری مرقد پر آئیگا انشاءاللہ وہ ہرگز نامراد و ناکام نہیں جائے گا۔ القصہ بعد نماز ظہر مردانہ وار بذوق تمام آپ بیٹھے رہے۔ خواجگان چشت کے مشرب کے موافق قوالوں کو طلب فرمایا۔ سماع ہوتا رہا۔ قوال لوگ حضرت شیخ سعدی کے اشعار سناتے رہے۔ غلبۂ شوق وصال سے موافقت فرماتے رہے ان اشعار میں سے ایک شعر یہ بھی تھا۔

گر بدست تو آمدہ است اجلم
قد رضینا بما جری القلم

دُنیا کی بے ثباتی پر ایک طائرانہ نظر

از عالیجناب
حضرت مولانا ابو الحسن
صدر الدین سید شاہ محمد طاہر
صاحب قادری دامت برکاتہم
ناظم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی برگزیدہ اُمت کو دینی، دنیاوی، تمدنی، معاشیاتی اور اخلاقی تعلیمات دی ہیں۔ ان ہی علوم کی تعلیم ان عربی مدرسوں میں حاصل کر رہے ہیں۔ سینکڑوں اصولوں کی تعلیم جو دی گئی ہے ان میں دو ایک بطور مثال کے پیش کئے جاتے ہیں:۔

اگر کوئی شخص بیمار رہتا ہے تو اس کی عیادت کرنا۔ اگر کسی کا انتقال ہوجائے تو اس کے گھر والوں کی تعزیت ادا کرنا۔ اور اگر پڑوسی پر کوئی حادثہ درپیش ہوتا ہے تو اس کی غمخواری کرنا، علماء حق اور بزرگان دین ان ہی اصولوں پر سختی سے پابند وکاربند رہتے جن سے نہایت ہی خوشگوار نتائج برآمد ہوتے۔

مولانا احمد حرب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان ہی علماء سے تھے۔ آپ ایک عالم باعمل اور اپنے وقت کے جید عالم اور صوفی منش بزرگ تھے۔ آپ کے پڑوس میں بہرام نامی ایک آتش پرست رہتا تھا۔ بہرام جب اپنا مال تجارت کے لئے بھیجا تو راہ میں ڈاکوؤں نے اس کے مال کو لوٹ لیا جب اس کی اطلاع آپ کو پہنچی تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ بھائی!

"ہمارے پڑوسی بہرام نے اپنا مال جب تجارت کے لئے بھیجا تو راہ میں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا ہے چلو ہم چل کر اس کی غمخواری و دلجوئی کریں"۔

لہٰذا آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کے مکان پر پہنچے۔ جب بہرام کو یہ کیفیت پہنچی کہ مسلمانوں کے روحانی پیشوا اس کے گھر آئے ہیں تو بخوشی جلد اُٹھ کر دروازہ پر استقبال کے لئے پہنچا۔

مولانا احمد حرب رحمۃ اللہ علیہ کی دست بوسی اور آستین بوسی کے بعد نہایت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کو اندر لے گیا اور بڑے ادب و احترام سے بٹھایا۔

آپ نے فرمایا کہ بہرام! ہمیں معلوم ہوا ہے، کہ ڈاکوؤں نے تمہارا مال لوٹ لیا ہے۔ ہم اظہارِ افسوس کے لئے تمہارے پاس آئے ہوئے ہیں۔

بہرام نے کہا کہ حضرت میں اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا شکر تین حیثیت سے ادا کرتا ہوں۔

اوّل یہ کہ لوگوں نے میرا مال لوٹا ہے اور میں ان لوگوں کا مال نہیں لوٹا۔ دوسرا یہ کہ انہوں نے آدھا مال لوٹا ہے اور آدھا مال باقی ہے۔ تیسرا یہ کہ انہوں نے دنیا کو لوٹا ہے۔ دین میرے پاس باقی ہے۔

مولانا احمد حربؒ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ بھائی ان باتوں کو لکھ لو۔ بہرام سے آشنائی کی بو آرہی ہے۔

پھر آپ نے بہرام سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ تو بتاؤ کہ تم آتش کی پرستش کیوں کرتے ہو؟ بہرام نے کہا کہ حضرت میں لکڑیاں جو اس قدر جلاتا ہوں تاکہ قیامت کے روز میرے سے بے وفائی نہ کر سکے اور یہ کہ مجھے خدا تک پہنچائے۔ آپ نے فرمایا:

آگ جیسی کمزور و ناتوان چیز جس پر ایک چھوٹا سالڑکا بھی ایک چلو بھر پانی ڈال دے تو وہ بجھ جاتی ہے اور ایسی کمزور چیز خدا تک کیسے پہنچا سکتی ہے؟ علاوہ ازیں آگ جاہل بھی ہے۔ اس کو مشک اور نجاست میں تمیز ہی نہیں اور یہ دونوں کو برابر جلا دیتی ہے۔ اگر تم بھی اپنا ہاتھ اس پر ڈال دیں تو وہ تمہارا بھی لحاظ نہ کرے گی۔

بہرام آپ کی ان باتوں سے متاثر ہوا اور کہا کہ حضرت میرے چند سوال ہیں جو میرے ذہن میں انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ کیا آپ ان کا جواب دیں گے؟

آپ نے فرمایا پوچھو، جو بھی پوچھنا ہے۔ بہرام نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کیوں پیدا کیا۔ اگر پیدا کیا ہے تو رزق کیوں دیتا ہے اور رزق دیا ہے تو مارتا کیوں ہے؟

مولانا احمد حربؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ اسکی خالقیت کو جانے اور وہ رزق اس لئے دیتا ہے کہ وہ رازق رزّاق ہے تاکہ اس کی رزّاقیت کو پہچانے اور وہ مارتا اس لئے ہے کہ اسکی قہّاریت کو جانے اور وہ پھر زندہ اس لئے کرتا ہے کہ وہ قادر المطلق ہے۔ تاکہ اس کی قادریت کا اظہار ہو۔

بہرام نے کہا حضرت یہ سب صحیح ہے، اگر آپ کا دین سچا ہے تو آپ اس آگ میں ہاتھ ڈالیں گے تو آگ کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ آپ نے بسم اللہ پڑھتے ہوئے آگ میں ہاتھ ڈالا اور بہت دیر تک اپنا ہاتھ آگ میں رکھا لیکن آگ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

یہ دیکھ کر بہرام کلمۂ طیبہ پڑھتے ہوئے آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف باسلام ہوا۔

بتایا جاتا ہے کہ بہرام ایک آتش پرست جو کافر تھا مسلمانوں کے ایک روحانی پیشوا کی تعظیم و تکریم کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اسلام کی دولت سے نواز دیا۔ مسلمان جو اپنے روحانی پیشواؤں اور علمائے حق کی تعظیم و تکریم نہیں کرتے تو وہ بدنصیب ہیں اور اللہ تعالیٰ کے

فضل وکرم اور اس کے دین وعطا سے محروم رہتے ہیں۔

علم بڑی نعمت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حدیث پڑھو اور حدیث پڑھاؤ۔ جب اس درس و تدریس کا سلسلہ جاری وساری رہتا ہے تو قیامت تک شاگردوں کے شاگرد کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور یہ ثواب جاریہ ہے اور یہ دنیا بے ثبات ہے اور اس دنیا کی بے ثباتی کے متعلق حضرت خضر علیہ السلام سے سنئے:

بنی اسرائیل کے ایک عالم و عابد کے پاس حضرت خضر علیہ السلام آیا کرتے تھے۔ جب اس کا علم اس وقت کے بادشاہ کو ہوا تو اس نے عابد و عالم کو بلا بھیجا، اور پوچھا کہ کیا تمہارے پاس خضر علیہ السلام آتے ہیں؟

انہوں نے کہا ہاں: بادشاہ نے کہا اب کے جب حضرت خضر علیہ السلام تمہارے پاس آئیں تو انہیں میرے پاس لے آنا۔ ورنہ نتیجہ ناخوشگوار ہوگا۔

جب خضر علیہ السلام ان کے پاس آئے تو انہوں نے سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا چلو، ہم تمہارے بادشاہ کے پاس چلیں۔ دونوں مل کر بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ آپ ہی خضر ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! تو بادشاہ نے پھر کہا کہ کوئی عجیب بات سنائیے، اور کچھ نصیحت کیجیے۔

آپ نے فرمایا کہ میں نے سینکڑوں عجائبات دیکھے ہیں اور سینکڑوں عجیب و غریب باتیں سنی ہیں، ان میں سے ایک عجیب واقعہ سناتا ہوں تو سنو!

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ نہایت ہی خوبصورت اور قدیم شہر سے گذرا اور وہاں کے چند باشندوں سے پوچھا کہ بھائی یہ شہر کب سے آباد ہے۔ انہوں نے کہا یہ شہر تو نہایت قدیم ہے۔ اسکی ابتدا کا علم نہ ہمیں ہے، نہ ہمارے آباواجداد کو ہے۔ میں وہاں سے روانہ ہوگیا اور پانچسو برس کے بعد میرا گذر پھر اس مقام پر ہوا تو میں نے دیکھا اس شہر کے بجائے نہایت گنجان جنگل واقع ہے اور وہاں چند لوگ لکڑیاں کاٹ رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ بھائی یہ شہر کب برباد ہوا اور یہ جنگل کب سے ہے۔ انہوں نے ہنسا اور کہا آپ جیسے شخص یہ سوال کریں۔ یہ جنگل تو بہت پرانا ہے۔ یہی ہمیں علم ہے اور ہمارے آباواجداد کو بھی یہی علم ہے۔ میں وہاں سے روانہ ہوا اور بعد پانچ سو برس کے پھر میرا گذر اس مقام پر ہوا۔ میں نے دیکھا اس گنجان جنگل کے بجائے ایک عظیم الشان دریا وہاں بہہ رہا ہے اور چند شکاری مچھلیاں پکڑ رہے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا، یہ دریا کب سے بہہ رہا ہے؟ انہوں نے ہنسا اور کہا، آپ جیسے شخص یہ سوال کریں۔ یہ دریا تو زمانہ دراز سے بہہ رہا ہے۔ یہی علم ہمیں ہے۔ اور ہمارے آباواجداد کو بھی یہی علم ہے۔ میں وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اور بعد پانچ سو برس کے پھر وہاں سے میرا گذر ہوا میں نے دیکھا دریا خشک ہو چکا ہے اور اس کے

بجائے ایک وسیع میدان ہی میدان ہے۔ وہاں سے ایک شخص گذر رہا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ بھائی یہاں کا دریا کب خشک ہوا اور یہ میدان کب سے ہے۔ اس نے ہنسا اور کہا، آپ جیسے شخص یہ سوال کریں۔ اس نے کہا یہ میدان بہت ہی قدیم ہے اور یہی ہمیں علم ہے، اور ہمارے آبا و اجداد کو بھی یہی علم ہے۔ میں وہاں سے روانہ ہوا اور بعد پانچ سو برس کے پھر میرا گذر اس مقام پر ہوا تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، کہ پہلے سے بڑھ کر بہت بڑا خوبصورت آباد شہر واقع ہے۔ میں نے وہاں کے چند باشندوں سے پوچھا کہ بھائی یہ شہر یہاں کب سے آباد ہے؟ انہوں نے ہنسا اور کہا آپ جیسے شخص یہ سوال کریں۔ یہ شہر تو بہت ہی قدیم ہے۔ ہمیں نہ اس کی ابتدا کا علم ہے اور نہ ہمارے آباؤ اجداد ہی کو اسکا علم ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ یہ دنیا ہزاروں رنگ بدلتی رہتی ہے۔ یہاں کسی چیز کو دوام اور قیام حاصل نہیں۔ اے بادشاہ! اس بے ثبات دنیا سے دل نہ لگا۔ اور ہمیشہ اپنی عاقبت کی فکر کر، جہاں کی ہر چیز کو قیام و دوام اور ثبات حاصل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بزرگان دین اور علمائے حق دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے الگ رہتے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اصولوں کی تعلیم میں مصروف عمل رہتے۔ تقویٰ و پرہیزگاری کو اختیار کرتے اور اپنے علم پر کبھی فخر نہیں کرتے۔

علم پہ فخر کرنے کی مثال ایک یوں بیان کی جاتی ہے کہ قاضی ابوبکر بن عربی، حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ سے علم حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن جارہے تھے۔ راستہ میں دریا ملا کشتی پہ سوار ہوکر دریا عبور کرنے لگے۔ دریا کی موجوں میں طوفان کی سی کیفیت پیدا ہوئی اور آپ نے دریا سے مخاطب ہوکر کہا، اے دریا، خبردار تجھ پہ تیرے ہی مثل ایک دریا جارہا ہے، (اپنے علم پہ فخر کرتے ہوئے آپ نے اپنے علم کو دریا سے تشبیہ دی) اتنے میں عجیب قسم کا جانور رونما ہوا اور کشتی روک کر کہنے لگا جس عورت کا شوہر عذاب مسخ میں مبتلا ہے اور ممسوخ ہوکر جانور کی شکل میں منتقل ہوچکا ہے تو اس عورت پہ کونسی عدّت واقع ہوگی؟

آپ لاجواب ہوگئے اور وہیں سے لوٹ گئے اور حضرت امام غزالی کی خدمت میں حاضر ہوکر یہی سوال پوچھا تو حضرت غزالیؒ نے فرمایا:

جو شخص ممسوخ ہوکر جانور ہوجاتا ہے تو اس عورت پہ طلاق کی عدت واقع ہوتی ہے اور جو شخص ممسوخ ہوکر پتھر ہوجاتا ہے تو اس میں روح باقی نہیں رہتی، لہٰذا اس عورت پہ وفات کی عدت لازم آتی ہے۔

یہ سن کر قاضی ابوبکر بن عربی وہاں سے روانہ ہوگئے اور کشتی پہ سوار ہوکر دریا عبور کرنے لگے تو وہی عجیب قسم

کا جانور پھر نمودار ہوا اور کشتی روک کر کھڑا ہو گیا۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے اس کو وہی جواب دیا۔ اس نے کہا کہ حضرت امام غزالیؒ علم کے دریا ہیں نہ کہ آپ۔

یہ بات سن کر قاضی ابوبکر بن عربی کو نہایت درجہ شرمندگی اور ندامت ہوئی۔

دنیا کی بے ثباتی کا ایک حیران کن واقعہ پیش ناظرین کیا جاتا ہے:۔

ہرقل بادشاہ روم کے شاہزادے کا انتقال ہو کر ایک سال کا عرصہ ہوا تھا۔ جب اسکی برسی کا دن تھا اس وقت حضرت حسن بصریؒ وہاں پہنچے، وزیر سے ملاقات ہوئی اور اس نے کہا، شاہزادہ کی پہلی سالانہ برسی ہے جس کی وجہ سے بادشاہ بہت مصروف ہے اور یہ منظر قابل دید ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ضرور دیکھونگا۔

چنانچہ وزیر نے آپ کو زریں خیمہ کے عقب میں ٹھہرایا، جہاں سے آپ بخوبی نظارہ کر سکتے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ عیسائی مقدس لوگوں کی ایک جماعت خیمہ کے اندر داخل ہوئی جس میں شہزادے کا مزار تھا۔

وہ لوگ کچھ دیر خیمہ کے اندر ٹھہر کر کچھ پڑھ کر روتے ہوئے چلے گئے۔ پھر طبیبوں اور دانشوروں کی ایک جماعت آئی۔ یہ لوگ بھی خیمہ میں کچھ دیر رہ کر روتے ہوئے چلے گئے۔ اس کے بعد فوج کے بڑے بڑے سپہ سالار اور افسروں کا گروہ ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے ہوئے آیا اور وہ بھی خیمہ میں کچھ دیر ٹھہر کر روتے ہوئے چلا گیا۔ بعدازاں حسین وجمیل خوبصورت عورتوں کی کثیر جماعت حاضر ہوئی جن کے بال کھلے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں موتیوں اور جواہرات کے طبق تھے۔ شاہزادے کی قبر کا طواف کر کے اور کچھ دیر بعد روتے ہوئے یہ عورتیں بھی چلی گئیں۔

آخر میں بادشاہ خیمہ کے اندر داخل ہوا اور کہنے لگا کہ اے عزیز فرزند تو مجھے بہت ہی محبوب تھا اور میں تجھ سے بہت محبت کرتا تھا۔ تو رحلت کر گیا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ان مقدس عیسائی راہبوں کی جماعت تجھے چھڑا سکتی ہے تو یہ مقدس لوگ حاضر ہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں، کہ تجھے مارنے والا بڑا ہی قدرت والا اور طاقتور ہے اور پھر تجھے زندہ کرنے کے لئے کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ بڑے بڑے طبیبوں اور دانشوروں کی تدبیر سے تیری رہائی ممکن ہے تو وہ بھی حاضر ہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ خدائے قدوس کی طاقت کے سامنے وہ بھی بے بس ہیں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ فوج کے سپہ سالاروں اور افسروں کی تدبیر سے تیری رہائی ہو سکتی ہے تو وہ بھی موجود ہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ بڑا ہی طاقتور اور قدرت والا ہے جس کے سامنے کسی کی بھی مجال ہو نہیں سکتی۔

اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ خوبصورت عورتوں، اور موتیوں وجواہرات کی وجہ سے تیری زندگی دوبارہ

حاصل کی جاسکتی ہے تو وہ بھی حاضر ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ خدا ہی قدرت والا ہے اور اس کے سامنے کسی کی مجال نہیں۔

اے عزیز فرزند! ایک سال کے لئے تجھے رخصت کرتا ہوں اور پھر آئندہ سال حاضری ہوگی۔

اس الم انگیز نظارہ اور دل دوز منظر سے حضرت حسن بصریؒ بے انتہا متاثر ہوئے اور دنیا کے مال و متاع کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت و ریاضت میں ایسے مشغول ہو گئے کہ دنیا اور دنیا والوں سے بے نیاز ہو گئے۔ اور ان ہی امور کے باعث آپ کے مراتب اتنے بلند ہوئے کہ اس زمانہ میں آپ جیسا کوئی نہ تھا۔

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ ایک اللہ والے بزرگ تھے جن کی خدمت میں ایک شب خلیفہ ہارون رشید حاضر ہوا۔ اور اس نے گذارش کی کہ آپ کچھ پند و نصیحت فرمائیں۔

حضرت فضیلؒ نے فرمایا، بزرگوں پہ مہربانی کرو، اور بھائیوں کے ساتھ احسان کرو۔ اور اولاد کے ساتھ احسان کرو۔ اور اولاد کے ساتھ نیکی کرو۔ اے خلیفہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ قیامت کے روز تمہیں اپنی رعایا کے بارے میں جواب دینا ہوگا، اور تم سے ہر ایک کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ اگر کسی رات کوئی بوڑھی عورت کسی مکان میں بھوکی رہ جائے تو اس کی بھی تم سے پوچھ پچھ ہوگی۔ عدل و انصاف کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

اے خلیفہ۔ جب میں تمہارے خوبصورت چہرے کو دیکھتا ہوں تو مجھے خوف ہوتا ہے کہ تمہارا یہ خوبصورت چہرہ کہیں دوزخ کی آگ میں جلایا نہ جائے۔ کتنے ہی امیر ہیں جو وہاں (قیامت کے دن) اسیر ہوں گے۔

ناظرین کرام! یہ دنیا مسافر خانہ ہے۔ اس دنیا کی بے ثباتی پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے اپنی عاقبت کی فکر کریں۔

ہو ابتدائے علم خدا کے کلام سے — بچہ زبان کھولے محمدؐ کے نام سے
آغازِ صبح ہو تو درود و سلام سے — روشن چراغ شام ہو اللہ کے نام سے

اِقرأ باسم رب پہ ہو تعلیم کی اساس
دل میں ہو نونہالوں کے قرآں کا انعکاس

امت کے نونہالوں میں کب بن آئیگا — وہ علم دیجیئے جو طہارت سکھائے گا
وہ علم دیجیئے جو عبادت سکھائے گا — امت کو جو حقیقی امامت سکھائے گا

وہ علم دیں جو بچوں کو قرآں سکھا سکے
انساں بنا سکے جو مسلماں بنا سکے

بچے ہیں بے لگام تو کس کا قصور ہے؟ — ان کا بڑوں میں نام تو کس کا قصور ہے؟
ہر فن میں ناتمام تو کس کا قصور ہے؟ — اخلاق میں ہیں خام تو کس کا قصور ہے؟

معصوم نونہالوں میں اتنے شرور کیوں؟
ان بے قصور بچوں میں اتنے قصور کیوں؟

ان کی ہر اک خرابی کے ضامن ہیں باپ ماں — اک اک انکی گالی کے ضامن ہیں باپ ماں
انکی ہر ایک خامی کے ضامن ہیں باپ ماں — اخلاق کی برائی کے ضامن ہیں باپ ماں

ماں باپ خود نما ہوں تو بچے بھی خود نما
والی خدا نما ہوں تو بچے خدا نما

بچوں کو زیر سایۂ قرآن پالیئے — بچوں کو دیکے دولتِ ایمان پالیئے
مومن بنا کے ان کو مسلمان پالیئے — بن کر غلامِ کاملِ انسانؐ پالیئے

اَولاد کو طریقِ صحابہؓ پہ لائیے
اور اولیاء کے نقشِ قدم پر چلائیے

اُن مدرسوں کو بھیجئے اولاد کو جہاں | بٹتا ہے نورِ علم نبوّت بصد اَماں
پیوست دل میں کرتے ہیں حق کی تجلّیاں | سینوں میں بھر دیجاتی ہیں ایمان کی تجلّیاں

ان مدرسوں میں بنتی ہے اولاد شیر دل
ان مدرسوں میں بنتا ہے ایمان مستقل

بچہ پڑھے قرآن تو ہو باپ سربلند | محشر میں اس قدر اسے مولیٰ کریں پسند
نورانی ایسے تاج سے ہوگا نیاز مند | ہوگا چمک میں مہرِ منوّر سے بھی دو چند

قرآں پڑھانے والوں کا اکرام دیکھئے
علاّم کائنات کا انعام دیکھیئے

جو طالبِ علم کو ٹوٹا قلم ہی دے | بدلہ میں اسکے گلشن جنّت اسے ملے
جو علم دیں کے نام میں درہم عطا کرے | گویا بقدرِ کوہِ اُحد زر لٹا ہی دے

درہم کے بدلے مخزنِ رحمت کو تول لو
ٹکوّں کے دام گلشنِ جنّت کو مول لو

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے جس قسم کی معیشت تجویز کی ہے وہ اس عقیدہ اور بنیاد پر ہے کہ ساری دنیا میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ سرکار دوعالم ؐ نے فرمایا کہ ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق ایک کنبہ کے مانند ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کنبہ کا مربیّ ہے معیشت کے لئے مشترکہ عمل کی ضرورت ہے جس کے ایک جانب اللہ تعالیٰ اور دوسری جانب یہ ساری کائنات جو اللہ نے پیدا فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں یہ صاف طور سے کہتا ہے کہ زندگی گذارنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوگی، اللہ تعالیٰ وہ بھیج دیگا۔ بندہ صرف اللہ کا شکر بجالائے اور دیا ہوا رزق خود بھی کھائے اور اپنے دیگر بھائیوں کو بھی کھلائے۔ یہ عظیم الشان ذمہ داری قبول کرتے ہوئے قرآن میں اللہ فرماتا ہے " زمین میں چلنے والا کوئی جانور نہیں جسکی روزی کا انتظام اللہ پر نہو۔ وہ نہ جانتا ہو کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہے اور وہ جگہ کہاں ہے جہاں بالآخر اس کا وجود سونپ دیا جائے گا" یہ سب کچھ علم الٰہی کی کتاب میں مندرج ہیں" (۸ : ۱۱)

"بے شک اللہ ہی سب کا رزق دینے والا ہے" (۵۸ : ۵۱)

"ہم نے ان کی دی ہوئی زندگی کی معیشت اور روزی ان میں تقسیم کی ہے" (۳۲ : ۴۳)۔

قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ یہ سب کچھ ہم ایک خاص منصوبے کے تحت کر رہے ہیں۔ اس کی نشو ونما کے لئے ہر بدلتے حالات میں جس کی بھی ضرورت ہو وہ ان کو دیجاتی ہے جسکی مثال خود انسان ہے۔ جب انسان پیدا ہوتا ہے اسوقت اور اس حالت میں اسکو جس قسم کے رزق کی ضرورت ہوتی ہے اس کا انتظام وہیں قریب میں ہوجاتا ہے۔ جب ماں اپنے پیارے لاڈلے کو محبت سے اپنے سینے سے لگالیتی ہے اس جگہ بچہ اپنا رزق پالیتا ہے۔ جس طرح بچے کی ضروریات بدلتی رہتی ہیں قدرت بھی ان تبدیلیوں کا ساتھ دیتی ہے۔ اول تو بچے کا پیٹ بہت ہی نرم ونازک رہتا ہے اس لئے دودھ بھی بہت پتلا ہوتا ہے تاکہ وہ بآسانی ہضم کرسکے۔ وقت کے گزرنے

کے ساتھ ساتھ جب پیٹ طاقتور ہو جاتا ہے تو دُودھ بھی گاڑھا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب بچّہ دوسری غذا کھانے کے قابل ہو جاتا ہے تو ماں کا دُودھ بھی کم ہونے لگتا ہے۔ تاکہ بچّہ اب دوسری غذا استعمال کرے۔

قرآن میں ہے کہ جن چیزوں کی کثرت سے ضرورت ہے ہم نے اسے بڑی مقدار میں دیا ہے اور جن کی ضرورت خاص موقعوں اور خاص حالات میں ہوتی ہے' وہ اُن مواقعوں اور حالات میں موجود کی جاتی ہیں اور بقدرِ ضرورت ہوتی ہیں۔

" اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ اس کے ذخیرے ہمارے پاس نہ ہوں' مگر ہم اُنہیں ایک مقررہ اندازے کے مطابق ہی بھیجتے ہیں۔" (۱۵ : ۲۱)

" اس کے یہاں ہر چیز ایک مقدار اور اندازے کے مطابق ہے" (۱۳-۸)

اس طرح قدرت نے ہر ایک پیدا شدہ چیز کو اس کے لحاظ سے قابلیت دی ہے جس سے وہ یہ قدرت رکھتے ہیں کہ اپنی روزی حاصل کر سکیں۔ اس خصوصی قابلیت کو ھدایت کہتے ہیں۔ اس کی پہلی کڑی بھوک ہے۔ جب کوئی دنیا میں آتا ہے تو اس کو بھوک لگتی ہے۔ اُس وقت اس کو قدرتی طور سے بھوک مٹانے کی ہدایت ہوتی ہے۔ رغبت دلانے والی چیز اصل ہے رغبت ایک اندرونی چیز ہے جو قدرت نے اپنے خزانۂ غیب سے عطا کی ہے۔ یا پھر ہم اس کو وجدان کہہ سکتے ہیں جو قدرتی طور سے پایا جاتا ہے۔ یہ ایک قدرتی شئے ہے۔

خود بہ خود بہر پیدا ہونے والی شئے یعنی انسان اور جانور کو اس کے زندہ رکھنے والی شئے یعنی غذا کی طرف کھینچ لاتی ہے۔ اس لئے جب بچّہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ اس کی غذا چھاتیوں میں ہے۔ جیسے ہی وہ چھاتی کو منہ لگاتا ہے خود بخود چوسنا شروع کرتا ہے۔ یہ چیز ہم جانوروں میں بھی دیکھتے ہیں۔ جب بلّی کا بچّہ پیدا ہوتا ہے اور وہ آنکھ بھی نہیں کھولتا کس طرح اپنا منہ ماں کے دُودھ کی طرف کرتا ہے۔ یہ ہدایت پاکر کہ اس کی غذا یہاں ہے' یہاں وہ اندرُونی رغبت ہے جو اس کی رہبری کرتی ہے۔

جب ہدایت کی ضرورت تھی اللہ نے ہدایت کی۔ اب اللہ نے ہدایت کے ساتھ ان سب جانوروں کو ان کی ضرورت کے لحاظ سے حواس کی ہدایت دی۔ سونگھنے یا دیکھنے کی' یا اور کوئی حاسہ جس کی ان کو ضرورت ہو عطا کی۔ یہ سب کے سب اس لئے کہ وہ اپنے ذریعۂ معاش کو ان عطا کی ہوئی چیزوں سے اس دنیا میں تلاش کریں۔ اس کے علاوہ اللہ نے اُن کو وہ سب چیزیں عطا کیں جس سے وہ دنیا میں اپنے دشمنوں سے حفاظت میں رہیں۔ اپنی نسل بڑھا سکیں۔ یہ حواس سب میں یکساں نہیں ہوتی ہیں۔ چیونٹی میں سونگھنے کی طاقت زیادہ ہوتی ہے' تاکہ وہ اس سے اپنا رزق تلاش کر سکے' چیل اور گدھ میں دیکھنے کی قوت زیادہ ہوتی ہے' تاکہ وہ بلندی پر رہ کر اپنا رزق تلاش کر سکے۔

انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے اللہ تعالےٰ نے

اس کو اپنے خزانے سے ایک اور انمول چیز عقل عطا کی ہے۔ وہ یہ کہ حق اور باطل کی پہچان اور بُرے اور بھلے کی تمیز۔ یہ چیز انسان کو قدرتی طور پر اس لئے دی گئی ہے کہ وہ نہ صرف اس کے استعمال سے اپنی ضروریات حاصل کرے، بلکہ جس ذریعہ سے وہ حاصل کرتا ہے، وہ حق اور درست بھی ہو۔ دیگر یہ کہ انسان کو پیدا کرنے کا مقصد صرف یہ نہیں ہے اس کو پیدا کرے اور اس کا ذریعۂ معاش تیار کرے اور پھر وہ فنا ہو جائے، بلکہ اس کو ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے، تاکہ اس مقصد کو پورا کرے اور اللہ کا شکر بجا لائے۔ وہ مقصد ہے "حق اللہ اور حق الناس" ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے روزی کے سارے ذرائع پیدا کر دیئے ہیں۔ اب انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ روزی کے ان وسائل کو حاصل کرے۔ یہ بات بیان کی گئی ہے کہ روزی کا معاملہ عمل مشترک ہے۔ اللہ روزی پیدا کرتا ہے، اور بندہ اس کو حاصل کرتا ہے اور بندے پر واجب ہے کہ وہ روزی کے ذرائع حاصل کرنے کی سعی کرے۔

اللہ نے قرآن میں فرمایا: "اے ایمان والو! تم میری مدد کرو —— کہ میں تمہاری مدد کروں تاکہ تم دنیا میں قدم جماؤ۔" (۴۷ : ۸) اللہ نے فرمایا "اللہ نے اپنی طرف سے تمہارا محکوم کیا سب چیزوں کو جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہے"۔ (۴۵ - ۱۳) وہ انسان کو رزق کی تلاش میں دنیا میں مادی راحت کے لئے طیب اور پاکیزہ چیزیں فراہم کر کے مدد دیتا ہے اور اقتصادیات کی اصطلاح میں دولت کی پیداوار کا باعث ہوتا ہے۔ اس مال سے انسان کو دو مقصد حاصل کرنا ہے۔ پہلا اللہ کے حکموں کی پابندی کرنا، دوسرا اپنے ہم جنسوں کا اپنے مال میں حصہ دینا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ انسان کا فرض ہے کہ وہ صحیح طریقے سے مال و دولت حاصل کرے اور اسے قرآن کے بتائے ہوئے طریقے پر خرچ کرے۔

قرآن کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کر کے کمانا اور خرچ کرنا ہی اسلامی معیشت ہے۔ اسلامی معاشیات کے تحت ساری دنیا میں بسنے والے انسان ایک کنبہ ہے اور ہر ایک کو اپنے بھائی کا خیال رکھنا فرض ہے۔ اس طرح اسلام میں خود غرضی اور نفسانیت کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ یہ اسلام کی بنیادی باتوں میں سے ہے جس پر اسلام کی معیشت قائم ہے۔ یہ بھی یقینی طور سے جان لینا ضروری ہے کہ جو کچھ بھی اس دنیا میں ہے اللہ کا ہے، ورنہ کوئی عمل بھی چاہے پیداوار یا تقسیم کا ہو قابل قبول نہیں۔ انسان کو اس بات کا پورا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس کائنات میں سے جو بھی چاہے اپنی اور لوگوں کی فلاح کے لئے استعمال کرے۔ انسان جو کچھ بھی پیدا کرے گا اس میں ہر شخص کا حصہ ہوگا۔ جو لوگ اس پیداوار میں ہاتھ بٹائے ہوں اور جو کسی معذوری کی وجہ سے یا بیماری کی

کی وجہ سے حصہ نہ لے سکے ہوں۔ اُن کا بھی حق اس مال
میں ہوگا۔ اس وجہ سے کہ سارے لوگ اسلام کی نظر میں
ایک کنبہ کے مانند ہے اور کنبہ کے ہر فرد کو اس کا حق دیا جانا
چاہئے۔ غُرباء جو سن رسیدگی اور بیماری کی وجہ سے کام
نہیں کر سکتے اُن کی مدد کے لئے اسلام سے قبل ایک چندہ
جو کوئی چاہے دے اور جو نہ چاہے نہ دے جمع ہوتا تھا۔
جس سے ان کی مدد کی جاتی تھی۔ مگر اسلام نے ان کو چندہ
پہ نہ چھوڑا بلکہ ہر ایک پہ اپنی استطاعت کے مطابق ادا کرنا
لازم قرار دیا اور اس میں تمام معذوروں محتاجوں کا حق
ہے، دینے والے پہ لازم ہے۔ اس کا دینا کسی پہ احسان نہیں۔
وہ مسکینوں، فقیروں، محتاجوں کا حق ادا کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے سونا اور چاندی کو اس لئے بنایا ہے کہ ان
کے ذریعہ دوسری چیزوں کی قیمت بیان کی جائے۔ سونا
چاندی سامان زینت نہیں بلکہ ان کو تجارت صنعت وغیرہ
کے لئے بطور سرمایہ استعمال کیا جائے۔ اس لئے حنفی مذہب
میں سونے چاندی کے زیور پہ زکوٰۃ کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔
اگر وہ سونے چاندی کی مقدار نصاب سے زائد ہو۔ اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ مقدار نصاب سے زائد سونے چاندی کے
زیور کا استعمال کو پسند نہیں کیا جاتا۔ ایسے سونا چاندی کو
اقتصادیات کی اصطلاح میں dead capital
کہا جاتا ہے۔ شریعت نے جس جس مال کو نامی بنایا ہے
اس کو غیر نامی بنا دینا ہے (نامی کے معنی بڑھنے والے
کے ہیں) اگر کسی کو زیور کا ایسا ہی شوق ہے تو اس کو
اختیار ہے لیکن اس کی زکوٰۃ یعنی اس کی قیمت کا
چالیسواں حصہ ہر سال ادا کرتے رہنا ضروری ہوگا۔
یہ قدرتی خزانہ جس پہ انسان محنت کرتا ہے اُس محنت
میں اللہ کی مدد بھی شامل ہے۔ بلکہ اصل خدا ہی کی مدد
ہے۔ اس لئے اس کمائے ہوئے مال میں ایک حصہ اللہ
کا بھی ہے۔ اس حصہ کو اللہ نے کمزور، غریب، یتیم، مسافر
بیوہ جن کا کوئی پرسانِ حال نہ ہو، اور دیگر اسی قسم
کے لوگوں کے حق میں دینے کا حکم دیا ہے۔ جس کو
زکوٰۃ کہتے ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ زکوٰۃ ادا
کرے تاکہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو۔ زکوٰۃ فرض ہے
اور جو ادا نہ کرے گا اُس سے زبردستی لی جائے گی۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی خلافت
کے دور میں عرب کے چند قبیلوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے
انکار کیا تو آپ نے جہاد کا اعلان کیا اور اُس وقت
تک جہاد کرتے رہے جب تک زکوٰۃ ادا نہ کی گئی۔

کمزور اور معاشی اعتبار سے غریب لوگوں کی
مدد کرنا اسلام میں ضروری ہے۔ قرآن کی معاشی منصوبہ
بندی کے تحت ہر مسلمان کو روٹی کپڑا اور مکان کی سہولت
ملتی ہے تو ہر اسلامی حکومت کو اپنی معاشی منصوبہ بندی
اس طرح کرنا چاہئے کہ وہاں کے ہر شہری کو روٹی کپڑا

اور مکان بن سکے۔ اسلام نے جو اپنی روزی کسی کمزوری کی وجہ سے حاصل نہ کر سکتے ہوں ان کا بندوبست کیا ہے، وہاں دوسروں کو اپنی دولت و پیداوار جائز طریقوں پر بڑھانے کی اجازت اور رغبت بھی دلائی ہے۔ مال و دولت کو خدا کا فضل کہا اور خدا کا فضل طلب کرنے کو پسند کیا ہے، اسلام میں دوسروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں، اس لئے سود کو حرام قرار دیا۔

حاکم اور محکوم کا تعلق سمجھاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا "وہ تمہارے بھائی ہیں"۔ آپؐ نے مزید فرمایا اللہ نے ان کو تمہارے ماتحت کیا ہے، اس لئے تم ان کو ایسا کام نہ دو جو ان کے لئے مشکل ہو۔ اور اگر یہ کام کرنا ہی ہے تو تم اس کام میں ان کی مدد کرو"۔

آپؐ نے یہ بھی کہا "تم ان کو وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور پہننے کو وہی دو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو"۔ مزدوری کی ادائی کے بارے میں آپ نے فرمایا "مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ سوکھنے سے پہلے دو"۔ آپ کی نظر میں مزدور اللہ کا دوست ہے "الکاسب حبیب اللہ" سرکار کے زمانے میں غلامی کا رواج تھا اور اُن سے غیر انسانی سلوک کیا جاتا تھا۔ اس کو فوری طور پر بند کرنا مشکل تھا۔ اس لئے آپ نے پہلے ان غلاموں کا درجہ بلند کیا۔ غلاموں کے حقوق بیان کئے۔ آپ کو غلاموں سے بہت محبت تھی۔ غلاموں کو آزاد کرنا بڑی نیکی قرار دیا۔ بعض گناہوں کے کفارہ میں غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔ آپؐ نے غلاموں کا درجہ اتنا بلند کیا کہ نماز پنجگانہ کی اذان کے لئے اپنے رفیق آزاد کئے ہوئے غلام حضرت بلالؓ کو مقرر کیا۔ حضرت بلالؓ روز اپنے ساتھیوں کو عبادت اور کامیابی کے راستہ کی جانب دعوت دیتے اور فجر میں نصیحت کرتے کہ نیند سے نماز بہتر ہے۔ مزدوروں کے متعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمدلی اور اُن سے محبت کے کئی واقعات ملتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک مزدور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پہنچا۔ اُس کے ہاتھ بُری طرح زخمی تھے۔ اس کے زخموں کی وجہ معلوم کی۔ مزدور سے جواب ملا کہ اُس کا مالک اس سے پتھر کھودنے کا کام لیتا ہے سرکار نے اُس مزدور کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا محبت سے دیکھا اور بوسہ دیا۔ اس سے تمام مالکوں کو سبق حاصل ہوا کہ مزدور سے زیادہ سخت کام نہیں لینا چاہئے۔ یہ سب پابندیاں اس لئے ہیں کہ انسان دولت کمانے کے جوش میں کسی کا حق نہ چھین لے۔

اسلامی حکومتوں کو اب یہ غور کرنا ہے کہ اس اسلامی معاشی منصوبہ بندی کو کس طرح عمل میں لایا جائے۔ ان ممالک کو آج کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلامی معیشت کو دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے تاکہ سرمایہ دارانہ نظام کی بے راہ روی آزادی اور سوشلزم اور کمیونسٹ نظام میں افراد انسانی پر جابرانہ پابندیوں سے رہائی حاصل ہو۔ سرمایہ دارانہ نظام میں افزائش مال کی راہ میں

کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں کسی کی حق تلفی ہوتی ہے اس کی کوئی پرواہ نہیں لیکن اسلام میں افزائش مال کی راہ میں ذرائع جمع مال کے حسن ہونے کی شرط ہے۔ ناجائز طریقوں سے مال جمع کرنا حرام ہے۔ اس طرح اسلام نے مال خرچ کرنے میں بھی پابندیاں لگادی ہیں۔ نہ من مانے جمع کر سکتا ہے نہ من مانے خرچ۔ ہر ایک کی حدیں مقرر کردی ہیں۔ ان حدوں کے اندر وہ آزاد ہے' جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسلام کے نظام کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی خاص شخص یا گروہ میں دولت کو محدود نہیں کرتا۔ قانونِ وراثت سے دولت بٹ جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص بڑی دولت کا مالک ہو' اور اس کے ملک میں قانون وراثت رائج ہو اور اس کے وارث اپنے حصہ کو صنعت یا تجارت یا افزائش مال کے لئے سرمایہ نہ بنائیں تو چوتھی نسل میں اس مال کا کوئی حصہ باقی نہ رہے گا۔

اسلام نے کاہلی اور بے عملی کو بھی ناپسند کیا ہے۔ وراثت کے علاوہ قرابت داروں کے حقوق بھی لازم ہیں۔ زکوٰۃ بھی تقسیم مال کا ایک ذریعہ ہے۔ زکوٰۃ تو سرمایہ پر عائد ہوتی ہے' آمدنی پر نہیں۔ ہر سال مالداروں کے سرمایہ کا ڈھائی فیصد حصہ زکوٰۃ میں دیا جاتا ہے۔ اور یہ فقیروں مسکینوں اور دیگر مدات زکوٰۃ میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی سرمایہ دار زکوٰۃ ادا کرتا رہے اور اپنے مال کی زیادتی کی جائز کوشش نہ کرے تو ایک مدت کے بعد زکوٰۃ ادا کرنے والوں کی صف سے نکل کر زکوٰۃ کے مستحقین میں شامل ہو جائے گا۔ تو ظاہر ہے کہ سرمایہ دار کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ سرمایہ کو بحال رکھنے اور بڑھانے کی ضرورت ہے۔

کیا آج کی دنیا اس اسلامی قانون پر عمل پیرا ہو سکتی ہے۔ اپنے غریب یتیم بھائیوں بہنوں کو دینے کے لئے تیار ہوں گے؟

کیا آج کے لوگ اس قسم کی زندگی گزار سکتے ہیں جس طرح قرآن کہتا ہے؟ اگر آج کی دنیا کے لوگ اس کو نہیں مانتے تو نہ مانے مگر مسلمان کو تو اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔ اگر وہ اس پر عمل نہیں کرتے ہیں تو غلطی پر ہیں اور اس میں تبدیلی ضروری ہے۔ اگر آج کا مسلمان یا مسلم حکومت اس قرآنی حکم پر عمل کریں اور اسلامی معیشت پر عمل کریں تو ساری دنیا کا بھلا ہوگا۔

زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حضرت مولنا مولوی الحاج حافظ شاہ سید عبد اللطیف المعروف بہ شاہ محی الدین صاحب قادری المشہور بہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز سے آپ کے مرید و خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبد الحی صاحب قادری بنگلوری علیہ الرحمہ نے سبعات عشر اور اس کے طریق ورد سے متعلق سوال کیا تو حضرت قطب ویلورؒ نے درج ذیل جواب مرحمت فرمایا جو ترجمہ کے ساتھ ہدیۂ ناظرین ہے۔

سوال از طریق ورد مسبعات عشر استفسار رفتہ بود۔

جواب! سعادت آثار! در تفسیر عزیزیہ تحت کریمہ ان لک فی النھار سبحاً طویلا می نگارند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از فجر تا اشراق در مکان نماز خود مشغول ذکر و فکر می بودند و بخواندن سبعات عشر حضرت خضر را دریں وقت و بعد از عصر تا غروب آفتاب امر فرمودہ اند۔ انتہیٰ۔

و در رکن اول در فصل دہم اوراد کیمیائے سعادت می فرمایند۔ اگر چیزی جامع خواہد قرآن و ذکر و دعا را آنچہ خضر علیہ السلام ابراھیم تیمی را آموختہ است در مکاشفاتے کہ او را بودہ است آن بخواند کہ در آن فضل بسیار است و آن را مسبعات

سوال مسبعات عشر کے ورد کے طریقہ سے متعلق استفسار کیا گیا۔

جواب! سعادت آثار، تفسیر عزیزیہ میں ان لک فی النھار سبحاً طویلاً کے تحت لکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے بعد اسی جگہ پر اشراق تک ذکر اور فکر میں مشغول رہتے تھے۔ حضور اکرمؐ نے حضرت خضر علیہ السلام کو اس وقت میں اور بعد نماز عصر سے مغرب تک سبعات عشر کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

اور اوراد کیمیائے سعادت کی دسویں فصل میں رکن اول میں لکھا ہے: اگر کوئی جامع ورد چاہیے تو قرآن، ذکر اور دعا جو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت ابراہیم تیمیؒ کو انکے مکاشفات میں سکھلائی ہے ان کا ورد کرے اور اسکی بڑی فضیلت ہے اور اس کو مسبعات

عشر گویند۔

وآں دہ چیز است ہر یکے ہفت بار الحمد
و معوذتین و اخلاص و قل یا ایہا الکافرون و
آیت الکرسی و ایں شش از قرآن است و
چہار ذکر ہست، یکے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ
الا اللہ واللہ اکبر و دیگر اللھم صل علی محمد
و علی آل محمد وسلم و دیگر اللھم اغفر
للمومنین والمومنات و دیگر اللھم اغفر لی
ولوالدیّ وافعل بی وبھم عاجلاً وآجلاً
فی الدنیا والآخرہ ما انت لہ اھل ولا تفعل
بنا یا مولانا ما نحن لہ اھل انک غفور رحیم۔

در فضل ایں حکایتے دراز ہست و در کتاب
احیا آوردہ ایم۔ انتہیٰ۔

از روایاتِ سابقہ معلوم شد کہ برائے وردِ
مسبعاتِ عشر وقت معین ہست، و قرأت آں
مسنون بود، اما برائے وقت قبل طلوع و وجوب
دوام ورد سندی یافتہ نشد۔ اما در مسنونات و
مستحبات غیر مؤکدہ نیز دوام بہتر است۔

و ایضاً رکعتین حفظ الایمان را بعضے از بزرگاں
نوشتہ اند، سندی قوی یافتہ نشد، چوں نماز مذکور از
فضائل اعمال ہست۔ ارتکاب آں افضل است اگر چہ
سندے معتبر و قوی در باب آں یافتہ نشود، از آیت

عشر کہتے ہیں۔

اور وہ دعا دس چیزوں پر مشتمل ہے اور ہر ایک کو
سات مرتبہ پڑھا جائے۔ سورۃ الفاتحہ، معوذتین یعنی قل
اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس، سورۃ الاخلاص، سورۃ
الکافرون اور آیت الکرسی، یہ چھ چیزیں قرآن سے ہیں اور چار
ذکر ہے، ایک سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر
اور دوسری اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وسلم اور
دوسری اللھم اغفر للمومنین والمومنات اور دیگر اللھم اغفر لی
ولوالدیّ وافعل بی وبھم عاجلاً وآجلاً فی الدنیا
والآخرہ ما انت لہ اہل ولا تفعل بنا یا مولانا ما نحن لہ
اہل انک غفور رحیم۔

اسکی فضیلت میں ایک طویل حکایت ہے جس کو
ہم نے کتاب احیاء میں نقل کیا ہے۔

روایاتِ سابقہ سے معلوم ہوا کہ مسبعات عشر کے ورد
کے لئے ایک مقررہ وقت ہے اور اس کا پڑھنا مسنون ہے
لیکن طلوع آفتاب سے قبل پڑھنے اور مداومت کے وجوب
پر کوئی سند نہ مل سکی۔ لیکن غیر مؤکدہ مستحبات اور مسنونات
میں بھی دوام بہتر ہے۔

و نیز حفظ الایمان کی دو رکعتیں جو بعض بزرگوں
سے منقول ہیں ان کی کوئی قوی سند نہیں پائی گئی۔ مذکورہ
نماز جب فضائل اعمال سے ہے تو اس کا ادا کرنا بھی افضل
ہے گرچہ کہ اس باب میں کوئی معتبر اور قوی سند نہیں پائی

الذی ینھیٰ عبداً اذا صلیٰ۔

وآنچہ درباب یزید پلید نوشتہ اند سند آں نیز در ہیچ جائے یافتہ نشد۔

زیادہ: وقت تنگ است

اللہ معکم اینما کنتم

گئی۔ ارأیت الذی ینھیٰ عبداً اذا صلیٰ

یزید پلید کے باب میں جو لکھا گیا ہے اس کی سند بھی کہیں دستیاب نہ ہو سکی۔

زیادہ: وقت تنگ ہے

خدا تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں رہو۔

اسلام اور دیگر مذاہب کا تقابلی مطالعہ

از مولوی موسیٰ کٹی کلفری باقوی
استاذ دار العلوم لطیفیہ
مکانِ حضرت قطبؒ ویلور

گذشتہ سالنامہ اللطیف میں بزیرعنوان "قرآن و دیگر کتب مذاہب کا تقابلی مطالعہ" چند صفحات راقم السطور نے قارئین کرام کے لئے پیش کیا تھا جن میں موجودہ تین آسمانی کتابوں (توراۃ، انجیل اور زبور) میں سے قرآن شریف کی فوقیت وعظمت پر روشنی ڈالی تھی، اب ہم وہ مذاہب اوران کی بنیادی کتابوں کا جائزہ لیں گے، جو آسمانی اور من عند اللہ ہونے پر قرآن اور احادیث میں کوئی دلیل نہیں پائی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ ایک زمانہ میں وہ دین توحید اوران کی کتابیں آسمانی تھیں لیکن مرورِ زمانہ کی وجہ سے ان کی اصلی شکل بگڑ گئی ہو۔ اُن کے حاملین کی مداخلت وخود غرضی سے وہ نہایت گندی وناقص ہوگئی ہوں اوران کی کتابیں ترمیم وتحریف حذف و اضافے اور تعبیر وتشریح کا ہدف بن گئی ہوں۔

آج کے زمانے میں ایک داعیٔ اسلام کو دیگر مذاہب کا صحیح مطالعہ اوران کی بنیادی مقدس کتابوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات حاصل کرلینا ضروری ہے۔ تاکہ وہ دین اسلام کی صحیح دعوت دے سکے اور دیگر مذاہب سے اسلام کی فوقیت وامتیاز ظاہر کرسکے۔

دیگر مذاہب کا مطالعہ کئے بغیر دین اسلام کی فوقیت وامتیاز اوراس کی کتاب بے نظیر قرآن مجید کی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا ہے۔

روشنی کی صحیح قدر وقیمت وہی آدمی جانتا ہے جو ظلمت وتاریکی کی تکلیف وپریشانی سے صحیح واقفیت رکھتا ہے نعمت سیرابی کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس نے پیاس کا نہایت تلخ پھل کھا چکا ہے۔

(تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِهَا) اشیاء کی وضاحت ان کی اضداد سے ہوتی ہے۔

قرآن شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون (التوبه، الصف)۔ اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ ہر دین پر اس کو غلبہ دے۔ خواہ مشرکوں کو بُرا ہی لگے گا۔

مذکورۂ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی تعریف دین حق سے کی ہے اور سب ادیان سے اسکی فوقیت بھی ظاہر فرمایا۔ اب ایک داعیٔ اسلام کا کام یہی ہے کہ وہ مختلف ادیان میں سے دین اسلام کی فوقیت کا صحیح جائزہ لے اور

اس دینِ حق کی تعلیمات وہدایات کے ذریعہ لوگوں کو کفروالحاد اور خرافات واوہام کی گمراہیوں سے بچائے جو موجودہ مختلف مذاہب کے ماحصل ہیں۔

مسلمان کے لئے تمام ادوار اور تمام اقوام میں آنے والے خدا کے تمام برگزیدہ پیغمبروں اور تمام آسمانی کتب پر ایمان رکھنا لازم ہے۔ ان انبیاء ورسل کی تعیین کا تو ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا ممکن نہیں۔ البتہ ان میں پچیس ۲۵ نبی ایسے ہیں جن کا قرآن مجید میں نام لے کر ذکر کیا گیا ہے:۔

(سورۂ انعام آیات ۸۳ تا ۸۶ سورۂ انبیاء آیات ۷۵ تا ۹۴۔ سورہ حاقہ آیات ۱۰۵ - ۱۲۴ ' ۱۴۲ ' ۱۶۱ ' ۱۷۷) سورہ الصّٰفّٰت آیات ۷۶ ' ۸۲ ' ۱۱۲ ' ۱۱۴ ' ۱۲۳ ' ۱۳۳ ' ۱۳۹ دیکھیں)

اور بھی بہت سے انبیاء ورسل ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں نہیں آیا۔ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ) "ان پیغمبروں میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کو بیان کردیا ہے اور بعض کے حالات آپ سے بیان نہیں کئے ہیں" وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ: "ہر امت میں کوئی ایک نذیر گذرا ہے"۔

بعض انبیاء پر ایمان رکھنا اور بعض کو تسلیم کرنا ایمان کے منافی قرار دیا گیا ہے۔ قرآن شریف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ و ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یفرقوا بین ذالک سبیلا ' اولئک ھم الکافرون حقا واعتدنا للکفرین عذابا مھینا (النساء ۱۵۰-۱۵۱)

"جو لوگ اللہ کا اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ نکالیں ایسے لوگ بلاشبہ کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے اہانت آمیز سزا تیار کرکے رکھی ہے"۔

اس لئے ہر مسلمان پر یہ لازمی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء پر ایمان لائیں۔ تمام انبیاء پر ایمان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ انسانیت کے مختلف ادوار میں اپنے بندوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اپنے رسول بھیجے۔ عمومی طور پر مسلمان ان تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ ان انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں جن کا ذکر ناموں کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے۔

ہمارے لئے یا کسی بھی مسلمان کے لئے اپنے طور پر یہ فیصلہ کرنا تو دشوار ہے کہ ان انبیاء کے علاوہ جن کا نام قرآن مجید میں بیان کردیئے گئے ہیں اور کون کون سے نبی مختلف قوموں میں مبعوث ہوئے یا جن شخصیتوں کو مختلف ملکوں اور مختلف قوموں میں تقدس احترام کا مستحق تصور کیا جاتا ہے ان میں سے کون واقعتاً اللہ کے بھیجے ہوئے رسول تھے۔ لیکن جن انبیاء کے نام قرآن مجید میں بیان کردیئے گئے ان کے نبی

ہونے میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

تمام انبیاء پر ایمان کے ساتھ ساتھ ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ اس بات پر بھی ایمان لائے کہ حضور سیدنا محمد صلعم خدا کے آخری نبی ہیں۔ سلسلۂ نبوت آپ پر ختم ہو گیا۔ اور آپ پر ہی دین و شریعت مکمل کر دیا گیا۔ اب ہر اہل ادیان کو حضورؐ کے اتباع کے سوا نجات کی کوئی راہ باقی نہیں ہے۔

مذاہب قدیم کے مصلحین میں زرتشت، گوتم بدھ جیسی شخصیتوں کی صحیح تاریخ سے جب تک یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ وہ توحید و عبادتِ الٰہی کی دعوت دینے والے تھے، انسان پرستی، بت پرستی اور شرک والحاد کی تاریکیوں میں سے لوگوں کو بچا کر خدا کی اطاعت و بندگی کی صحیح تعلیم دیتے تھے اور حشر و نشر، قیامت جیسے اصول میں صحیح عقیدہ رکھتے تھے، تب تک ایک مسلمان کو یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں کہ وہ خدائے تعالیٰ کے مبعوث پیغمبر تھے۔ کیونکہ تمام پیغمبروں کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ خدا کے بندے اور اس کے بھیجے ہوئے نبی تھے، جن پہ کلام اللہ اترتا تھا۔ وہ اپنے عہد کے انسانوں کے لئے رشد و ہدایت کا سرچشمہ اور اطاعت و بندگی کا نمونہ تھے جو احکام خداوندی اپنے بندوں تک پہنچاتا تھا۔ انبیاء کرام اپنی روزمرہ زندگی میں ان کی تعلیمات کا عملی نمونہ پیش کرتے تھے۔

مسلمان خدا کے کسی رسول کو بندگی و عبادت کے لائق نہیں سمجھتے ہیں اور نہ ہی کسی نبی کی پرستش کرتے ہیں۔ البتہ وہ ہر نبی کو واجب احترام سمجھ کر ان سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں اور ان کو خدا کی بندگی کا نمونہ اور معیار تصور کرتے ہیں۔ تمام رسول اور پیغمبر خدا کی اطاعت و بندگی کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے۔

اب ہم رائج الوقت دیگر مذاہب کا یہ جائزہ لینگے کہ ان مذاہب کی تعلیمات دورِ حاضر کے افکار اور علمی و سائنسی ترقی یافتہ دنیا کے سامنے کس قدر قابلِ قبول ہو سکتی ہیں؟ اُن مذاہب کی رائج کتابیں آسمانی اور معتبر و مستند قرار دینے کے لئے کیا کوئی مسلّم دلیل ان کے حاملین کے پاس موجود ہے؟ اور ان کتابوں کی تعلیمات دورِ حاضر کی انسانی زندگی کے لئے دستور العمل بن سکتی ہے، اور کیا موجودہ دنیا کے ہزاروں مشکلات کا کوئی تشفی بخش حل ان مذاہب کی تعلیمات میں موجود ہے؟ اوہام و خرافات اور پوجا پاٹ سے لبریز کتابیں کیا آسمانی و الہامی تسلیم کی جا سکتی ہیں؟

ہندومت

ہندومت ہندوستان کے قدیم مذاہب میں شمار کی جاتی ہے۔ یہ بات ہندوستان کے محققین کے نزدیک بھی ایک مسلّم حقیقت ہے کہ دیگر مذاہب کی طرح ہندومت کا کوئی پیشوا یا بانی معلوم نہیں ہے۔ ہندومت کی موجودہ تمام مقدس کتابیں بعید از عقل عجیب و غریب داستان اور غیر قابلِ تسلیم دیو و دیویوں کی کہانیوں سے لبریز

ہیں، اکثر ہندو ویدوں کو اپنی مقدس کتاب سمجھتے ہیں۔

وید وہ منتروں کے مجموعے ہیں جن میں ہزار مختلف دیوتاؤں کا ذکر ہے لیکن ہندوؤں کے بعض فرقے ویدوں کو اپنی مقدس کتاب تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ ویدوں کے علاوہ پُران، دھرم شاستر وغیرہ بھی اکثر ہندوؤں کے نزدیک اپنی مسلّم و مقدس کتابوں میں شامل ہیں۔ بعض تو "پُران" رامائن وغیرہ کو اپنے مذہب کی اتھارٹی تسلیم نہیں کرتے ہیں، صرف وید ہی کو اپنے مذہب و تہذیب کا سرچشمہ سمجھتے ہیں۔

ہندو مذہب جان کلارک آرچر کی نظر میں

ہندو مت کا کوئی بانی نہیں ہے جس نے کوئی بنیادی پیغام دیا ہو۔ نہ زردشت، عیسیٰ اور محمدؐ کی طرح کا کوئی رہنما۔

ہندوؤں کے یہاں کنفیوشس کی طرح کا کوئی شخص بھی نہیں ہے، جو طول طویل موروثی روایات کو پوری طرح مرتب کرنے والا ہو۔ سیدھی اور سچی بات یہ ہے کہ ان کے یہاں ایسی شخصیتیں نہیں ہیں۔ جینیوں کے یہاں مہاویر (سوامی) بدھوں کے یہاں گوتم، سانکھیہ کے کپل، اور سکھوں کے یہاں (گرو) نانک، ایک مفہوم میں ہندومت کا بانی ایک انبوہ ہے جس کی شخصیتیں تاریکی میں ہیں۔[1]"

ہندو مت: ہندوستان کے سابق وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے الفاظ میں:-

"ہندو مت۔ ایک عقیدہ و مذہب کی حیثیت سے مبہم، غیر مرتب اور بہت سے پہلو رکھنے والا ہے، وہ تمام انسانوں کے لئے سب طرح کی چیز ہے۔ اس کی تعریف بیان کرنا یا مذہب کے عام مفہوم کے اعتبار سے متعیّن طور پر یہ کہنا کہ وہ مذہب ہے، یا نہیں مشکل ہی سے ممکن ہے۔ وہ اپنی موجودہ شکل میں اور ماضی میں بھی بہت سے معتقدات و اعمال پر مشتمل ہے۔ بلند ترین سے لے کر پست ترین تک لمبا او قات ایک دوسرے سے متصادم و متضاد۔"

(تلاش ہند The Discovery of India P. 37.)

ہندو مت: گاندھی جی کی رائے میں:-

"یہ ہندو مت کی خوش قسمتی یا بد قسمتی ہے کہ اس کا کوئی سرکاری عقیدہ نہیں ہے۔ اگر مجھ سے ہندو عقیدہ کی تعریف پوچھی جائے تو میں سادہ لفظوں میں کہوں گا 'غیر متشدد ذرائع سے حق کی تلاش'۔ ایک شخص خدا پر اعتقاد نہ رکھتے ہوئے بھی اپنے آپ کو ہندو سمجھ سکتا ہے۔ ہندو مت حق کی پُر زور تلاش و جستجو کا نام ہے۔" (ہندو دھرم - P. 4)

قابل ذکر بات یہ ہے کہ دنیا کے سارے مذاہب میں اسلام وہ واحد مذہب ہے جس کے پیغمبر و رہنما سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تاریخ از ولادت تا وفات اور آپ کی شخصیت کے صحیح احوال، آپ کی مکمل تعلیمات اور اقوال و افعال، اخلاق و عادات، روزمرہ زندگی کا ہر واقعہ

[1] The Great Religions of the modern world. (P. 44).

بلکہ آپ کی حیاتِ طیبہ کی بالکل معمولی بات تک آج مسلمانوں کے نزدیک بسند متصل موجود و محفوظ ہے ۔

آج دنیا میں کسی مذہب کے مقلدین کو یہ جرأت حاصل ہے کہ اپنے مذہب کے پیشوا کے کم از کم پانچ اجداد کے نام اپنے حفظ سے پیش کرسکیں ؟ اس کے برعکس مسلمانوں میں حضور اقدس ؐ کے آباؤ اجداد کرام میں سے بیس اجداد کے نام دس برس کا ایک چھوٹا سا طالب علم بھی اپنے حفظ سے سرسری بتا سکتا ہے ۔

ایک مذہب کے پیغمبر کی حیثیت صرف اس مذہب کا ایک پیغام دینے والے کی یا ایک معلم کی سی ہی نہیں بلکہ وہ اپنی روزمرہ زندگی میں اپنی تمام تعلیمات کے عملی نمونے ہیں ۔ چنانچہ جب عائشہ رض سے حضور اکرم ؐ کی زندگی کے متعلق سوال کیا گیا' تو انہوں نے بتایا کان خلقہ القرآن " آپ کے اخلاق قرآن تھے " یعنی آپ کے اخلاق و زندگی قرآن مجید کے عملی نمونے تھے ـــــ ایک منصفانہ ناظر خود یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ اُن مذاہب کی تعلیمات کس قدر ناقص اور غیر مکمل ہونگیں جن کے پیشواؤں کے نام تک صحیح معلوم نہ ہوں ۔

وید

وید آریہ لوگوں کے مذہبی نوشتے ہیں جو چار بڑی کتابوں یعنی رگ وید' یجر وید' سام وید' اتھروید پر مشتمل ہیں ـــــ یہ سنسکرت زبان میں لکھی گئی ہیں ۔ وید کتنے عرصہ قبل مرتب کی گئی اس سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں قطعیت سے کوئی بات نہیں کہی جا سکتی ۔

کیونکہ ہندوستان کی تاریخ کا دور حقیقتاً مسلم عہد سے شروع ہوتا ہے ۔ اس سے پہلے کی تاریخ افسانوں میں گم ہے ۔

ویدوں کے مصنفین یا مرتبین زمانۂ قدیم کے رشیوں کو خیال کیا جاتا ہے ۔ مصنفین مذکور کے ناموں کی تاریخی صحت حد درجہ مشتبہ ہے ۔ کیونکہ بوجہ مرورِ زمانہ ان کے ارد گرد اس قدر افسانے اور قصے جمع ہوگئے ہیں کہ قیاس سے کام لینے کا کوئی موقعہ باقی نہیں رہتا ہے ۔

ان چار ویدوں میں سے رگ وید سب سے پہلی اور قدیم کتاب خیال کی جاتی ہے ۔ اس کی تصنیف کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہے ۔ محققین کی رائے یہ ہے کہ ان کی تصنیف کا زمانہ ایک ہزار سال قبل مسیح سے کچھ پہلے ہیں ۔ رگ وید کے منتروں میں مختلف دیوتاؤں کا ذکر اور تعریف ہے ۔

اس کے بعد رگ وید میں کمی بیشی کرکے دوسرے دو وید وجود میں آئے ۔ جن کے نام ہیں یجر وید' سام وید ۔ ان دونوں ویدوں میں منتر اور منتروں کے ٹکڑے ہیں ۔ جو رگ وید سے ماخوذ ہیں اور اس طریقے پر ان کا سلسلہ رکھا گیا ہے ۔ کہ پوجا میں کہ ہر حرکت اور ہر کام کے لئے ایک منتر ہو ۔

عرصۂ دراز تک آریوں کے مذہبی نوشتے ان تینوں سنہتاؤں (یعنی رگ وید' یجروید' سام وید) تک محدود تھے ۔ یہ تینوں وید " ترائی ودیا " یعنی تین علم کے نام سے

مشہور تھے۔

اور ایک چوتھی کتاب یعنی اتھروید کا اضافہ عرصۂ دراز کے بعد ہُوا جس کی صحیح تاریخ کے متعلق کوئی قیاس نہیں ہو سکتا۔ اتھروید کا زیادہ تر منتروں، جھاڑ پھونک سے متعلق ہیں۔ اتھروید میں بالکل بھوتوں کی پرستش کا ذکر ہے۔ دنیا کی ہر ایک بُری چیز خواہ وہ قحط ہو، یا بخار، یا انسان کے بُرے خصائل ہر ایک کو ایک دیوتا بنا دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح انہیں خوش کیا جائے یا جادو سے اُن کے اثر کو دفع کیا جائے یا دوسروں کو ان کے ذریعہ سے نقصان پہنچایا جائے۔ جس کی وجہ سے پُوجا بجائے عبادت کے سحر سے متبدّل ہو گیا اور بجائے پجاریوں کے ساحروں کا ذکر ہے۔" (ویدک ہند صفحہ ۷۲)

ڈاکٹر رادھا کرشنن لکھتے ہیں :-

وید چار ہیں۔ رگ وید، یجر، سام اور اتھر، پہلے تین نہ صرف شکل اور زبان میں متفق ہیں بلکہ اپنے مضامین میں بھی، اہم ترین رگ وید ہے۔ سام وید خالص عبادات سے متعلق مجموعہ ہے۔ اُن میں سے بہت کچھ رگ وید میں موجود ہے۔ اور بعض منتر سام وید میں موجود ہیں۔ (رگ وید میں نہیں ہیں) اُن میں کوئی سبق نہیں ہے۔ یہ مجموعہ رسمی مذہب کے مطالبات کو پورا کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔"

(Indian Philosophy P.64)

سوامی ستر دانند لکھتے ہیں :-

" اندرونی شہادت سے بھی ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ دوسرے سمہتاؤں (ویدوں) میں رگ وید کے بعض حصوں کو کم و بیش اور بڑا کر کے بیان کر دیا گیا ہے۔ اتھروید سب سے آخری وید ہے۔ اس میں بھی رگ وید کے بہت سے منتر ہیں۔ خود " ترپائی" کا لفظ جو ویدک کتابوں کی نشان دہی کے لئے استعمال ہوتا ہے اس بات کو واضح کرتا ہے، کہ وید اصل میں تعداد کے اعتبار سے صرف تین تھے اور، یہ اتھروید بعد کا اضافہ ہے۔"

(The Cultural Heritage of INDIA
۲۸ P.3,4)

ویدوں کا بہت بڑا حصہ تاریکی میں غائب ہو گیا۔

سوامی ستر دانند لکھتے ہیں :-

وشنو پُران کے بیان کے مطابق اصل وید ابتداءً رشیوں پر الہام کئے گئے تھے۔ ان میں ایک لاکھ اشلوک تھے اور چار حصے زمانے کے گذرنے کے ساتھ یہ حصے گڈمڈ ہو گئے۔ اور ویدوں کا بہت بڑا حصہ تاریکی میں غائب ہو گیا۔

واپر یگ کے آغاز میں کرشن دویپاین نے ویدوں کے علم کو از سرِ نو مرتّب کیا۔

اسی لئے وہ وید ویاس یعنی ویدوں کے مرتّب کرنے والے کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ روایت ہندو علماء میں بہت قوی شمار ہوتی ہے اور اس حیثیت سے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ اس کی کچھ نہ کچھ تاریخی

بُنیاد موجود ہے۔ (کتاب مذکور صفحہ ۳۔۴)

وید کے حصّے:

مذکورہ بالا چار وید وں میں سے ہر ایک وید کی تین خاص قسمیں ہیں: ۱۔ سَمہتا (مقدس متون کے مجموعے) (۲۔ براہمن (شروح) ۳۔ آرنیک (دنیا چھوڑ کر جنگل میں رہنے والوں کے لئے ہدایت)۔

اُپنشد۔ مذکورہ آرنیک کے مختلف ابواب ہی کو اُپنشد کہا جاتا ہے۔ مذکورہ اُپنشدوں کو ویدانت (وید کا آخری حصہ کہا جاتا ہے۔

سوامی شردانند لکھتے ہیں:-

"بہت سے آرنیک جو مختلف ویدوں سے متعلق تھے آج موجود نہیں۔ عام طور پر ان عجیب و غریب کتابوں کے صرف اُپنشد کے ابواب زمانے کی دستبرد سے محفوظ رہ سکے ہیں۔ آج اگرچہ ایک سَو آٹھ سے زیادہ اُپنشد موجود ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی وید سے ہے لیکن اُپنشدوں کے قدیم شارح شنکر آچاریہ نے ان میں سے صرف سولہ اپنشدوں کو اصلی اور مستند قرار دیا ہے۔

(کتاب مذکورہ صفحہ ۴۔۵)

مذکورۂ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ ویدوں کا بہت بڑا حصہ تاریکی میں غائب ہونے کے بعد وید ویاس (کرشنن) نے علم وید کو از سر نو زندہ کیا اور آرنیک جو وید کے حصے میں شمار کئے گئے تھے اکثر و بیشتر غائب ہو گئے صرف وہ ابواب باقی رہ گئے ہیں جنہیں اُپنشد کہا جاتا ہے۔

مذکورہ ہندو روایات کی رو سے چونکہ موجودہ ویدوں کا مُرتّب کرشنن ہے۔ اس لئے رائج الوقت ویدوں کی صداقت کا ثبوت صرف کرشنن کی شخصیت کی صحیح تاریخ و احوال معلوم ہونے پر موقوف ہے۔ ہندو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ویدوں کے علاوہ مہابھارت گیتا اور تمام پُرانوں کے مصنف بھی مذکورہ وید ویاس ہی ہے۔ یہ کرشنن کون تھے؟ کس زمانہ میں پیدا ہوئے تھے؟ ان کی زندگی کے صحیح حالات کیا تھے؟ ویدوں کی ترتیب کس طرح ہوئی؟ ان تمام کا صحیح جواب بالکل ناممکن ہے۔

مذکورہ وید ویاس (کرشن) کا تاریخی وجود تک محققین کے نزدیک مشکوک و مشتبہ ہے۔

گاندھی جی لکھتے ہیں:-

"جن گروؤں کے وجود کے بارے میں ہم قابل اعتماد (تاریخی) ریکارڈ رکھتے ہیں میں ان کو تاریخی شخصیتیں خیال کرتا ہوں۔ لیکن میں بالکل نہیں جانتا کہ مہابھارت کے کرشن کبھی موجود تھے میرا کرشن تاریخی شخصیت ہونے سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔"

(ہندو دھرم صفحہ ۱۸)

اب دیکھیئے ایک ایسی کتاب پر جس کی ترتیب و تصنیف ایک غیر معلوم شخص کی طرف منسوب ہے کیا اعتماد کیا جا سکتا ہے اور کیسے ہم یقین کر سکتے ہیں کہ وہ تحریف و تبدیل سے محفوظ و مامون ہے۔

وید کا اصلی مأخذ

صاحب دبستان لکھتے ہیں:-

"زرتشت بہرام بن پژدو کہتا ہے کہ جب ایران میں دینِ بہی (دین زرتشت) کو فروغ ہوا، اس وقت ہندوستان میں ایک فلسفی تھا۔ بہت دانا سنگرا نکاچہ اس کا نام تھا۔ جاماسپ سالہا سال تک اس کا شاگرد رہا تھا اور اس کی شاگردی پر فخر کرتا تھا۔ جب سنگرا نکاچہ نے سنا (شاہ ایران) گستاسپ زرتشت کا معتقد ہو گیا ہے تو اس نے ایک خط لکھا اور شہنشاہ کو دین بہی اختیار کرنے سے روکا، پھر بادشاہ کے حکم پر، وہ زرتشت سے مناظرہ کے لئے ایران پہنچا۔ زرتشت نے اس سے کہا کہ یہ میری کتاب اوستا ہے جسے میں خدا کے پاس سے لایا ہوں، اس سے ایک باب کو سنو اور اس کا مطلب سمجھو، پس پیغمبر کے فرمانے پر ان کے ایک شاگرد نے اس کا ایک جز پڑھا۔ اس جز میں یزدان نے زرتشت سے کہا تھا اور ایک مردِ دانا جس کا نام سنگرا نکاچہ ہے ہندوستان سے آئے گا اور تم سے سوالات کرے گا، اس کا سوال یہ ہے، اور جواب یہ۔ اس طرح ان کے تمام سوالات کے جواب موجود تھے، سنگرا نکاچہ اس جواب کو سن کر (بیہوش ہو کر) کرسی سے گر گئے۔ اور جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے دین بہی اختیار کر لیا۔"

سنگرا نکاچہ کی اس تبدیلئ مذہب کا حال سن کر ہندوستان کے ایک بڑے عالم بیاس جی نے مناظرہ کے لئے بلخ کا سفر اختیار کیا۔ جب زرتشت کی خدمت میں پہنچے تو کہا کہ میں آپ کا بڑا شہرہ سنا ہے۔ سنگرا نکاچہ جیسا فاضل آپ کا معتقد ہو چکا ہے۔ علم و عمل کے اعتبار سے میرے وطن میں میرا کوئی مثیل نہیں ہے۔ اب اگر آپ میرے دل کی باتیں بتا دیں اور ان سوالات کے جوابات دے دیں جو میں نے کسی پر ظاہر نہیں کئے، اور نہ آپ سے ظاہر کروں گا تو میں آپ کا مذہب اختیار کر لوں گا۔

چنانچہ پیغمبر یزدان نے ایک نسک پڑھ دیا اور بیاسی جی دین بہی (دین زرتشت) اختیار کر کے وطن واپس آ گئے۔ یہاں آکر بیاسی جی نے ان اشعار کو جو اب تک ہندوستان میں مختلف شعراء تصنیف کر چکے تھے جمع کیا اور اپنے اس نئے مسلک کو بھی اس مجموعہ میں شامل کر کے وید کو مرتب کیا۔

وید کے اندر بیاس جی کے بعد غالباً مختلف اوقات میں مختلف اشعار داخل اور خارج ہوتے رہے اور ہندوؤں کے دوسری تصانیف کے الحاقات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وید بھی ہرگز محفوظ نہیں رہے ہیں۔"

(وید اور اسکی قدامت صفحہ ۳۳-۳۲)

مذکورۂ بالا زرتشت توحید خالص کے داعی تھے

عام طور پر مشہور ہے کہ زرتشت کے مذہب میں ثنویت اور آتش پرستی ہے لیکن اب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ زرتشت کا دامن ان خرافات سے پاک تھا۔ وہ توحید خالص کے داعی تھے اور ثنویت و آتش پرستی ان کے پیروؤں میں ان کی تعلیم سے انحراف کے نتیجہ میں آئی۔ ہر زرتشتی سے جو اقرار کرایا جاتا تھا وہ یہ ہے:-

"میں اس دین میں اس لئے شامل ہوا ہوں، تا کہ دیوؤں (باطل معبودوں) کی عبودیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے

لئے فنا کر دوں۔ میں زرتشت کی تعلیم کے مطابق مزدا (عالم کل خدا) پر ایمان لانے کا اقرار کرتا ہوں۔ میں اہورا (خدا) کی نازل کردہ شریعت کا پیرو ہوں، یہ تمام کائنات اسی حکیم علیم، خبیر اور دانا اہورا مزدا (اللہ) کی تخلیق ہے۔

میں تمام باطل خداؤں کے شر اور بدی کے مجسموں، ابلیس اور اس کے شیطانی گروہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں جادو اور ہر قسم کے کالے علم کو مردود قرار دیتا ہوں۔ میں اپنے خیالات، الفاظ اور اعمال سے باطل خداؤں اور ان کی طاقت کو رد کرتا ہوں۔ اسی طرح اہورا مزدا نے زرتشت کو تعلیم دی، اور اسی چیز کا اہورا مزدا سے زرتشت نے وعدہ کیا کہ وہ تا ابد الآباد شرک اور باطل خداؤں سے مجتنب رہے گا۔"

(وید اور اس کی قدامت)

مندرجۂ بالا روایات کو مدنظر رکھ کر یہ اندازہ لگا سکتے ہیں اگر وید ویاس زرتشت کے پیرو تھے تو اصلی ویدوں میں توحید ہی کی تعلیم رہی ہوگی، پھر جب ایرانیوں نے اپنے دین کو مسخ کر کے اسے شرک اور آتش پرستی کا دین بنا دیا تو ان کے ہندوستانی پیروؤں نے بھی توحید کو وید سے خارج کر کے اس میں شرک اور آتش پرستی کا اضافہ کر دیا۔

وید کی تعلیمات اور شرک

وید کے بھجنوں میں مختلف دیوتاؤں کی پرستش کا ذکر اور ان دیوتاؤں سے دعا اور التجا کرنے کے طریقے ہیں۔ کائنات کی مختلف چیزوں جیسے آگ، ہوا، سورج وغیرہ کو مختلف دیوتاؤں کی شکل خیال کر کے ان کی پرستش اور ان سے التجا کی جاتی ہے۔ ورن، اندر، اگنی اور سوم وغیرہ ان دیوتاؤں میں شامل ہیں۔ اگرچہ رگ وید کے بعض منتروں میں سے وحدتِ الٰہ کی طرف بعض اشارات مل جاتے ہیں، مگر شرک اور دیوتا پرستی سے منزہ ہو کر ایک توحید خالص کی تعلیم ویدوں سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

ہندو مت میں زمانۂ بعد کے "شنکر آچاریہ"، سوامی دیانند سرسوتی" جیسے بعض مصلحین جو توحید کے قائلین تھے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ویدک منتروں میں جو مختلف دیوتاؤں کے نام ہیں وہ تمام ایک ہی خدا کے مختلف صفات ہیں لیکن ویدوں کے بہت سے منتر جو شرکِ صریح پہ دلالت کرتے ہیں اس دعویٰ کے خلاف یہ شاہد ہیں۔

مگر ویدک منتروں میں کہیں بھی بت پرستی کی تعلیم نہیں ہے۔ اس لئے محققین کی رائے یہ ہے کہ ہندو مت میں بت پرستی بعد کے زمانہ میں آئی ہوگی۔ آریا لوگوں نے ہندوستان کے قدیم باشندوں دراوڑوں سے اس کو اخذ کر لیا ہوگا۔

ویدوں کے دیوتا

ویدک دور کے دیوتاؤں پہ روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں:۔

" ویدک دیومالا میں ایسے دیوتا شامل ہیں جو آسمان میں رہتے ہیں۔ یا فضا میں یا زمین پر ان کا شمار ۳۳ ہے لیکن جن دیوتاؤں کی شان میں ویدوں کے زیادہ منتر ہیں، ان

اِندر، اگنی اور سوم زیادہ بڑے شمار ہوتا ہے۔ وشنو اور رُدر شیو کو معمولی اہمیت دی گئی تھی۔ قدیم تر دیو مالائی نظم میں برہما خالق مہربانی کرنے والا اور سب کا جدِ امجد ہونے کی حیثیت سے سب دیوتاؤں کا صدر رہتا۔ اور اگنی۔ یَم، وُرُن اور اندر سے سب سے زیادہ دُعائیں مانگی جاتی تھی۔ بعد کے زمانے میں شیو اور وشنو کو غالب پوزیشن حاصل ہو گئی اور انہوں نے برہما کے ساتھ مل کر عظیم تثلیث قائم کر لی۔"

(Influence of Islam Indian Culture P.5.)

سوامی شردانند لکھتے ہیں :-

"رگ وید کے رشی کائنات کے بارے میں یہ نقطہ نظر رکھتے تھے کہ اس میں وجود کی تین مختلف دنیائیں ہیں۔ سب سے بلند دیولوک یا سماوی و ملکوتی دنیا ہے۔ دوسرا انترکیشا لوک ہے جو درمیانی خلا کی دنیا ہے اور تیسرا بھودلوک یا عالم سفلی، ان تینوں دنیاؤں میں تین سردار دیوتا ہیں : ساوتری یا سوریہ (سورج) ملکوتی دنیا کا خدا ہے۔ اندر یا وایو (ہوا) درمیانی خلا کا خدا ہے اور اگنی (آگ) عالم سفلی کا خدا ہے۔ یہ تین خدا پھر ضرب پاکر تینتیس ۳۳ خدا بن جاتے ہیں۔ ہر دنیا میں گیارہ خدا۔ یہ تینتیس ۳۳ دیوتا پھر بڑھ کر تین ہزار تین سو تینتالیس دیوتا بن جاتے ہیں۔ جیسا ہم رگ وید میں پڑھتے ہیں۔"

(The cultural Heritage of India P.8-9)

گائتری منتر اور سورج

گائتری منتر وید کا سب سے مقدس اور سب سے اہم؛ اور بنیادی مانا جاتا ہے۔ اس منتر کو ہندو لوگ رگ وید کی رُوح سمجھتے ہیں اسی لئے کوئی مرنے لگتا ہے تو اس کے پاس بیٹھے ہوئے لوگ اس کی آتما کی شانتی کے لئے گائتری منتر کا جاپ کرتے ہیں۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن لکھتے ہیں :

"گائتری ایک دُعا ہے جس کا خطاب "ساوتری" یعنی سورج سے ہے جو کائنات کا ذریعہ اور اس کا محرک خیال کیا گیا ہے۔ سورج جو روشنی اور زندگی کا بلا واسطہ ذریعہ ہے، وہ الوہیت کی فطرت کو کسی خیالی علامت سے واضح کرتا ہے۔ وہ خدائی طاقت کا سب سے زیادہ محسوس مظاہرہ ہے۔

(ارلیجن اینڈ سوسائٹی ص ۱۳۵)

مذکورہ گائتری کا آزاد ترجمہ علامہ اقبال یوں لکھتے ہیں:

اے آفتاب! روحِ روانِ جہاں ہے تو
شیرازہ بندِ دفترِ کون و مکاں ہے تو
باعث ہے تو وجود و عدم کی نمود کا
ہے سبز تیرے دم سے چمن ہست و بود کا
قائم یہ عنصروں کا تماشا تجھی سے ہے
ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے
ہر شے کو تیری جلوہ گری سے ثبات ہے
تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے
وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے
دل ہے خرد ہے روحِ رواں ہے شعور ہے
اے آفتاب ہم کو ضیائے شعور دے
چشمِ خرد کو اپنی تجلّی سے نور دے

ہے محفلِ وجود کا ساماں طراز تو
یزدانِ ساکنانِ نشیب و فراز تو
تیرا کمال ہستیٔ ہر جاندار میں
تیری نمود سلسلۂ کوہسار میں
ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو
زائیدگانِ نور کا ہے تاجدار تو
نہ ابتدا کوئی نہ انتہا تری
آزادِ قیدِ اوّل و آخر ضیا تری

وید میں توحید کا تصوّر

ویدوں کے اولین اور قدیم ترین اجزاء میں توحید کی طرف بعض اشارات بھی مل سکتے ہیں ۔

مندرجۂ ذیل رگ وید کا منتر ملاحظہ ہو :۔

"..... وہ جو ایک ہے ۔ رشی اسے بہت سے نام دیتے ہیں ۔ وہ اسے اگنی اور ماترشون کہہ کر پکارتے ہیں ۔ (رگ وید ۱۶۴-۴۶)

سوامی ویکانند کہتے ہیں :۔

("..... یہ تصوّرِ توحید، ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں بالکل ابتدائی دور میں آیا ۔ وید سمہتاؤں کے اولین اور قدیم ترین حصہ میں یہ موحدانہ نقطۂ نظر پایا جاتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تصوّر آریوں کے لئے تشفی بخش ثابت نہ ہوا ۔ انہوں نے اسے ایک ابتدائی تصوّر سمجھ کر جیسا کہ وہ فی الواقع ہے، ایک طرف پھینک دیا اور آگے بڑھ گئے" (Hinduism P-19-24)

وید میں نظریۂ وحدت الوجود

ویدوں کے بعض منتروں سے وحدۃ الوجود "(اَدْوِیتا وَادْ) کا تصوّر بھی پایا جاتا ہے ۔ رگ وید کا مندرجۂ ذیل ملاحظہ ہو :۔

"..... وہ روشنی بن کر چمکتے ہوئے آسمان میں وائیو بن کر درمیانی خلا میں مہوتری (آگ) بن کر قربانی کے آتشکدہ پہ مہمان بن کر وہ گھر میں زندگی بن کر انسان میں، ورن کی حیثیت سے وہ ہر جگہ رہتا ہے ۔ (رگ وید ۴-۴)

زمانۂ بعد کے اکثر ہندو مصلحین وحدۃ الوجود (اَدْوَیتْ وَادْ) کے قائلین تھے ۔ شری شنکر آچاریہ جیسی عظیم شخصیتوں کی کوششوں سے ہندوستان میں اس عقیدے کو عروج حاصل ہوا ۔

مذکورہ اَدْوَیتْ وَادْ (وحدۃ الوجود) عین شرک و کفر ہے ۔ توحید خالص سے اس نظریہ کو کوئی تعلق ہی نہیں ہے ۔ ہر چیز خدا ہے ۔ اس لئے کسی بھی چیز کی پرستش کی جا سکتی ہے اور ہر چیز کی پرستش عین خدا کی پرستش ہے ۔ یہ ہے مذکورہ ویدانتی فلسفہ کا ماحصل ۔ مذکورہ تصوّر کے مطابق بت پرستی بھی قابلِ مذمت نہیں ہے ۔ کیونکہ وہ عین خدا کی پرستش ہی ہے ۔ اور ساری کائنات حقیقتاً خدا ہی ہے ۔

مذکورہ وحدۃ الوجود عین شرک و کفر ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے ۔

مسلمان صوفیاء اور وحدۃ الوجود

بہت سے صوفیائے کرام اور اکابر اولیاء بھی وحدۃ الوجود کے قائل ہیں ۔ مذکورہ بالا اَدْوَیتْ وَادْ (وحدت الوجود) سے اگرچہ اُن اکابرین کے نظریہ کا لفظی اتفاق ہو لیکن حقیقت

اور تشریح میں ان دونوں وحدۃ الوجود کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے، کیونکہ پہلے کا تو عین شرک وکفر ہے۔ دوسرا عین توحید و تنزیہ ہے۔

چونکہ تمام موجودات ممکن اور فانی ہیں حقیقی وجود صرف واحد خدا کا ہے۔ اس لئے لفظ موجود کہنے کی قابلیت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے تمام کائنات کو چھوڑ کر صرف موجودِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کو ملاحظہ کرنے کا نام ہے۔ اولیائے کرام کے نزدیک وحدت الوجود، یہ تو عین توحید و تنزیہ ہے شیخ شمس الدین ابو عبداللہ اپنی "ملاحظۃ الموحد والملحد" میں لکھتے ہیں:-

ولکن ینبغی ان یتحفظ الطالب الصادق من ملاحظۃ الملحدین الزندیقین فان فی ھذا المقام زلۃ اقدام السالکین الذاکرین فان الموحدین الصدیقین یقولون فی ذکرھم "لا الہ الا اللہ" ویقصدون لا موجود الا اللہ ... فالموحدون الصدیقون ینفون وجود الکائنات فی مرتبۃ الفناء ویثبتون وجود الحق سبحانہ وتعالیٰ فی مرتبۃ البقاء وھذا القول والاعتقاد حق عند اھل الحقیقۃ وھو صراط اللہ المستقیم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ وان الملحدین والزندیقین یریدون ویلاحظون من ھذہ الکلمۃ الطیبۃ ان وجود الکائنات کلھا ظل مجازی سرابی لا بالنسبۃ الی وجود الحق سبحانہ وتعالیٰ فان الظل عندھم لا وجود لہ اصلا بل کان ہیچ و بیضہ حل بنفسہ، و وجود الحق سبحانہ وتعالیٰ لیس بموجود الا فی ضمن الکائنات کلھا فالکائنات عندھم عین وجود الحق سبحانہ وتعالیٰ عین وجود الکائنات فی الوجود والظھور فالملحدون الزندیقون یثبتون الوحدۃ الحقیقۃ فی الکثرۃ الخلقیۃ مع عدم حفظھم المراتب من مرتبۃ الحق والخلق ویقولون لا الہ الا اللہ مع ملاحظتھم بذلک المذکور لا وجود الا اللہ، وھذا القول والاعتقاد باطل عند اھل الحقیقۃ وھو ضلال مبین، ربنا اعذنا بحضرتک من شر الضلال المبین وثبت اقدامنا مقعد صدق

(عوارف المعارف شرح الفاالفہ ص ۱۲۳)

اس مختصر مضمون میں اس مسئلہ کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اب ہم ہندو مت کی دیگر مقدس کتابوں کا جائزہ لیں گے۔ موجودہ ہندو مت کی تشکیل ویدوں سے زیادہ پُران، بھگوت گیتا وغیرہ کے رُو سے ہے۔ لہٰذا ہندوؤں کی اکثریت پُرانوں پر ایمان رکھتی ہے اور ان کو اپنی مقدس کتاب سمجھ کر دن رات پڑھتے ہیں۔

(جاری)

رسم القرآن

از مولوی حکیم سید افسر پاشاہ صاحب
"شفا ڈسپنسری"
گڈیاتم۔

الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ وعلی آلہ وصحبہ۔ امابعد۔ ابھی کوئی دو ہی دن پیشتر ادھر کے ایک عربی مدرسہ کے مہتمم صاحب سے ملاقات نصیب ہوئی اور انہوں نے ایک حل طلب سوال رکھ دیا کہ "آج سے قریب بیس سال پہلے ایک حافظ قرآن نے یہ سوال کیا تھا کہ قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں جہاں بھی لفظ ابراھیم آیا ہے وہاں بغیر "یاء" کے اس طرح "ابراھم" کھڑی زیر کے ساتھ ہے، اس کے علاوہ باقی سب جگہوں میں املاء مع الیاء (ابراھیم) ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے"؟ —— ان کے اس سوال کے بعد سے آج تک اس کا صحیح حل سمجھ میں نہیں آیا اور پوری طرح انشراح نہیں ہوا——

یہاں اس خلجان کے دور کرنے یا حقیقت کے اظہار سے پہلے چند باتیں تمہیداً عرض کئے دیتا ہوں تاکہ اصل مسئلہ کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

جمع اول خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب مسیلمہ کذاب کا فتنہ برپا ہوا اور ایک ہزار دو سو مسلمان شہید ہوئے تو ان شہداء میں قراء کی تعداد سات سو تھی، اس عظیم حادثہ کو سیدنا حضرت عمرؓ فاروق کی نگاہ دوربیں نے مستقبل کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان سمجھا۔ اس لئے انہوں نے امیرالمؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا کہ "وقد خشیت ان یذھب القرآن فاکتبہ" چنانچہ اس ایماء اور مشورہ کے بعد جو درحقیقت الفاظ قرآن شریف کا ذہاب مقصود نہیں تھا بلکہ اس سے مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید چونکہ متفرق چیزوں پر لکھا ہوا متعدد صحابہؓ کے پاس موجود تھا اگر اسی طرح حفاظ اور قراء شہید ہوتے رہے تو جن صحابہؓ کے پاس لکھا ہوا ہے وہ دستیاب ہونا مشکل بن جائے گا اور قرآن پاک کا اصلی رسم الخط معلوم نہ ہو سکے گا۔ رہا تحفظ الفاظ کا مسئلہ یہ تو الحمدللہ اپنے کمال درجہ پہ پہنچ چکا تھا کہ ایک بڑی خاصی تعداد حضرات صحابہؓ کی حافظ قرآن تھی۔ اب صرف رسم الخط اور احرف سبعہ کے ذہاب و فقدان کا البتہ گمان تھا سو اس لئے اسکی طرف خلیفۂ دوم کی ایماء پر خلیفۂ اول نے توجہ دی اور پورے قرآن کو یکجا کیا اور باقاعدہ املاء کروایا۔ جو سبعہ احرف پہ مشتمل وحاوی اور اس کا مکمل جامع تھا۔

اس عظیم کام کیلئے صحابہؓ کرام کی نگاہ میں کاتب وحی حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کا انتخاب باتفاق عمل میں آیا جو سیدنا حضرت عمرؓ فاروق کی معیت میں ہوا۔ یہاں تک تو جمع اول کی بات رہی جو خلیفۂ اول کے زمانۂ خلافت میں پیش آئی اور اس طرح ترتیب قرآن اور اسکی تدوین کا مسئلہ حل ہوا۔ اس کو حضرت

ملا علی قاری رحؒ کے الفاظ میں سنئے فرماتے ہیں :-

ان عمرؓ راجع ابابکرؓ بحضرۃ الصحابۃ رضی اللہ عنھم حتی اجمعوا علی رأی عمرؓ فراجعوا زید بن ثابتؓ حتی رأی رأیھم وعزموا علی جمع المتفرقات مما فی ایدیھم من الرقاع وغیرھا فی صحیفۃ جامعۃ وامروا زید بن ثابت الانصاریؓ بجمعہ لکمال دیانتہ وجمال عدالتہ ومھارتہ فی قراءتہ وحذاقتہ فی کتابتہ وانہ اشھر کتبۃ الوحی فی وقتہ واظھرھم جمع بین العلم وحسن سیرتہ حتی امسک لہ ابن عباسؓ برکابہ تعظیما لجنابہ وقال ھکذا یصنع بالعلماء" انتھی

جمع ثانی

یہ معاملہ خلیفۂ اول کے دورِ حکومت کا تھا۔ پھر جب خلیفۂ سوم کی خلافت کا دور شروع ہوا اور جہاں اسلام اور مسلمانوں کے فتوح پورے شباب پر تھے تو وہیں فتن زمانہ کا شیوع بھی عموم بلویٰ کی حیثیت اختیار کر گیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ خلیفۂ سوم سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کے زمانۂ خلافت میں اسلام عرب و عجم میں خوب پھیلا، عربی لوگ بالخصوص دیہاتی لوگوں نے جب قرآن شریف لکھنا پڑھنا سیکھا تو اپنے مختلف قبائل کی املاء سے لکھنا اور اسی اختلاف قبائل سے تلفظ سے پڑھنا سیکھا۔ ان کے علاوہ بہت سے عجمی جو عہد عثمانی میں اسلام لا چکے تھے، یہ بھی انہیں اختلافی تلفظ و املاء سے قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ چونکہ عرضۂ اخیرہ سے پہلے اس کی اجازت تھی اس لئے لوگ اس سہولت و آسانی پر عامل اور اس کے پورے پورے عادی ہو چلے تھے۔ مگر عرضۂ آخرہ میں قرآن کا لغت قریش کے سوا باقی لغت قبائل سے لکھنا ممنوع قرار پایا اور اس کی اطلاع بجز چند مخصوص اکابر صحابہؓ کے عمومی طور پر کسی کو نہ تھی اور اکثریت اس سے ناواقف تھی اس لئے ضرورت اور شدید داعیہ اس بات کا تھا کہ اس کی اطلاع عام کی جائے اور یہ لغت قریش کی روایت متواتر بنائی جائے۔

چنانچہ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ۲۵ھ میں آرمینیا اور آذربیجان پر اسلامی فوجیں فروکش تھیں، حضرت حذیفہؓ نے دو مسلمانوں کو باہم لڑتے دیکھ لیا۔ اور ایک دوسرے کو کافر کہتے سن لیا۔ بات صرف اتنی تھی کہ ایک شخص اسی سابق سہولت و اجازت کے مطابق لغاتِ مختلفہ کے اختلاف کے ساتھ قرآن پڑھ رہا تھا۔ دوسرے نے ٹوک دیا کہ غلط پڑھ رہے ہو۔ بس جھگڑا مچ گیا اور باہم لڑ پڑے۔ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے حضرت عثمانؓ سے آکر یہ بیان دیا کہ جلد خبر لیجئے۔ امت میں قرآن کے بارے میں اختلاف ہونے لگ گیا ہے۔ آپ نے مسجد نبوی میں تمام صحابہؓ کو جمع فرمایا اور اس عام اجازت و سہولت کی حقیقت سمجھائی اور حدیث سبع احرف بھی سنائی پھر اسکے عام منع کرنے کی مصلحت بھی بیان کی کہ اس کی وجہ سے عوام میں لاعلمی کی بناء پر ایک طرح کے انتشار و خلفشار کا یا پھر اختلاط و اختلاف کا نیا باب کھلے گا اور بہت روایات مشہورہ ماثورہ متواترہ و غیر متواترہ شاذہ و غیر شاذہ میں فرق و پہچان کا امکان یا تو بعید از امکان ہوگا یا مشکل ضرور ہوگا۔

اس لئے سبع احرف کو قرأت تک محدود رہنے پر زور دیا اور باقی عوام کے لئے یہی سب سے اہم اور ضروری عنصر تھے اختلاط سے بچنے کی خاطر لغت قریش کو ہی بحال رہنے دیا جو درصل سبعہ احرف کی جامع اور اس پر حاوی تھی اور ہے۔

نیز اس اہم معاملہ میں یہ مشورہ طلب کیا کہ مختلف صوبوں میں کس طرح اس کی اطلاع دی جائے اور کس مؤثر تدبیر و انداز سے پوری اُمت کو لغت قریش پر جمع کیا جائے۔ اس وقت کے اس تاریخی اجتماعِ صحابہ کی تعداد ایک روایت نے بارہ ہزار اور دوسری نے پچاس ہزار بتلائی ہے۔ چنانچہ محدث جلیل علامہ ملا علی قاری رح اپنی شرح عقیلہ میں فرماتے ہیں :-

فجاء حذیفة رض الی عثمان رض خائفاً علی الامة فقال لعثمان رض اخاف ان یخلطوا القول فی القرأة فادرك البشر قبل وقوعهم فی المهلكة فان الناس اختلفوا فی القرآن اختلاف الیهود والنصٰری فی كتبهم حتی ان الرجل یقوم ویقول هذه قراءة فلان فجمع عثمان رض الناس وعدتهم یومئذٍ خمسون الفاً۔ فقال ما تقولون فقد بلغنی ان بعضهم یقول قرأتی خیر من قرأتك وهذا یكاد ان یكون كفراً قالوا ما تری قال أری ان یجمع الناس علی مصحف واحد فلا یكون خلاف فرقة ولا اختلاف فرقة قالوا فنعم ما رأیت۔ انتهی

یہی بات محدث کبیر علامہ ابوالحسن السخاوی رح کے الفاظ میں اس طرح ہے :-

فلما رأی حذیفة رض اختلافهم فزع من ذلك واسرع الی عثمان رض فقال یا امیر المومنین ان الناس اختلفوا فی القرآن حتی واللہ انی لاخشی ان یصیبهم ما اصاب الیهود والنصٰری من الاختلاف۔ (الی ان قال) فجمع عثمان الناس وعدتهم یومئذ اثنا عشر الفاً۔ (الوسیلة الی كشف العقیلة)

مشورہ اس کے بعد کیا ہوا؟ عام مشورہ ہوا اور مشورے میں یہی کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رض چنے گئے۔ جنہوں نے خلیفہ اول کے دورِ خلافت میں قرآن کو مرتب و مدون کرنے کی خدمت بطریق روایت بکمال دیانت، بکمال عدالت و مہارت فی القراءت اور حذاقت فی الکتابت کا پورا پورا حق ادا فرما دیا تھا۔ اب کی بار بھی بس ان ہی پر سب کی نگاہیں مرکوز ہو گئیں۔ یہی منتخب ہوئے اور باتفاق آراء ان ہی سے خدمت لینا طے پایا۔

مزید شرکاء کار اور ان کی جمعیت میں مزید تین اصحاب رسول بھی شریک تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رض، حضرت سعید بن العاص رض اور حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رض۔ اس طرح حضرت عثمان رض نے ان چار اصحاب پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اور انہیں یہ ہدایت بھی فرما دی کہ جب تمہارا اور زید رض کا قرآن کے کسی لفظ کے املاء میں اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن شریف انہی ہی زبان میں اترا ہے۔

ترمذی شریف میں اس کی پوری تفصیل آرہی ہے، ہم یہاں اس کے بعض اقتباسات پیش کرتے ہیں :-

عن انسؓ ان حذیفۃؓ قدم علی عثمانؓ وکان یغازی اھل الشام فی فتح ارمینیۃ و آذربیجان مع اھل العراق فرای حذیفۃ اختلافھم فی القرآن (الی ان قال) وقال للرھط القرشیین الثلاثۃ ما اختلفتم انتم وزید بن ثابت فاکتبوہ بلسان قریش فانما نزل بلسانھم حتی نسخوا الصحف فی المصاحف وبعث عثمان الی کل افق بمصحف من تلک المصاحف التی نسخوا۔ انتھی۔

"فتح الباری" میں ابن ابی داؤد کی روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بنیاداً تو یہی چار اصحابؓ ہی تھے جن کے تحویل، یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی لیکن بعد میں ان کی مدد کے لئے مزید صحابہؓ کو بھی ساتھ لگا دیا گیا جن میں حضرت ابی بن کعبؓ حضرت مالک بن ابی عامرؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت کثیر بن افلحؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی شامل تھے۔

فرق جمع اول و جمع ثانی۔ اس جمع اول اور جمع ثانی میں اتنا فرق ہے کہ پہلی بار خلافت ابوبکریؓ میں قرآن غیر مرتب انداز میں جمع تھا اور جمع ثانی میں سورتوں کی ترتیب کا خاص پاس و لحاظ رکھا گیا۔ اور تمام صحابۂ کرام کو یہ حکم تھا کہ جس کے پاس جو کچھ قرآن پاک لکھا ہوا ہو وہ لاکر پیش کرے اور ساتھ ہی دو۔ دو گواہ بھی اس بات کی شہادت دیں، کہ یہ نسخہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا گیا تھا اور اسی ترتیب سے لکھا گیا تھا۔ خود کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عرضہ اخیرہ کے مشاہد، اور اسی عرضہ کے موافق و مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا قرآن شریف سنا چکے تھے اور پورے کلام مجید کے حافظ بلکہ سبعۂ احرف کے بھی حافظ تھے۔ لیکن اس کے باوجود ذرا اس اہتمام و احتیاط کے تقاضے پر غور کیجیئے گا، کہ کس درجہ محتاط انداز میں پورے شواہد و گواہ اور شرائط کے ساتھ قرآن پاک جمع کیا جا رہا ہے۔

تطبیق مراحل ثلاثہ یہاں محدثین و مفسرین، قراء اور مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے کہ اس جمع ثانی کو بعض نے جمع ثالث یا تیسرا مرحلہ کہا ہے، اور بعض نے دوسرا مرحلہ شمار کیا ہے، اور اس میں تطبیق اس طرح ہے کہ نزول وحی کے فوراً بعد خود صاحب شریعتؐ نے کاتبان وحی کو جمع فرما کر ان سے کتابت فرمائی تھی۔ یہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے سامنے لکھوایا تھا اس لئے اس سے صرف نظر کر کے جنہوں نے آپ کے بعد والے ادوار کو شمار کیا۔ انہوں نے اس کو شمار نہیں کیا۔ ان کے نزدیک یہ جمع اول اور جمع ثانی کہنا ٹھیک ہی تھا اور جن حضرات نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمع فرمانے کو بھی شمار کر لیا ان کے نزدیک جمع اول حضورؐ کا جمع فرمانا تھا یعنے جمع نبویؐ اور جمع ثانی جمع ابوبکریؓ ہے، اور جمع ثالث جمع عثمانیؓ ہے۔

مقام زیدؓ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ میں حضرت

زید بن ثابتؓ کا مرتبہ و مقام کیا تھا اور وہ ان کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے اس کی وضاحت کرتے چلیں۔

آپ کی جلالت شان اور علوم رتبت اور قدر و منزلت کا ایک واقعہ عقیلہ کی شرح "الوسیلہ" سے نقل کرتا ہوں صاحب الوسیلہ علامہ جعبریؒ فرماتے ہیں:۔

وقال الشعبیؒ وضع زید بن ثابتؓ رجله فی الرکاب لیرکب فامسك له ابن عباسؓ فقال لـه تنح یا ابن عم رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ فقال انا هکذا نصنع بالعلماء فاخذ زیدؓ یدہ فقبلها وقال هکذا امرنا ان نفعل باشرافنا۔ انتہی

قرار دادیں غرض عام مشورہ ہوا اور حسب مشورہ حضرت زیدؓ چن لئے گئے اور اس عظیم کارنامے اور خدمت پر مامور ہو گئے۔ پھر ذیل کی پانچ باتیں بالاتفاق طے پائیں۔

(۱) پہلی۔ قرآن شریف کا اجماعی نسخہ جو عہد صدیقیؓ میں مرتب ہوا تھا اسکی متعدد نقلیں کیجائیں۔

(الف) پہلے کی طرح اب ہر سورۃ الگ الگ نہ رکھی جائے۔

(ب) بلکہ ایک سورۃ جہاں ختم ہوئی وہیں سے دوسری سورۃ شروع کر دی جائے۔

(ج) ایک مصحف میں یکجا پورا قرآن لکھا جائے۔

چنانچہ اس طرح اسکی آٹھ نقلیں کی گئیں۔ ان میں چھ تو مکہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شام۔ یمن اور بحرین بھیج دیں۔ ایک نسخہ مدینہ میں رہا۔ اور ایک نسخہ خود حضرت عثمانؓ غنی نے اپنے لئے مخصوص فرما لیا تھا (شرح سبعہ قرأت ص۳۱ ملخصاً)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ ان مصاحف میں پانچ متفق علیہ اور تین مختلف فیہ ہیں۔ مصحف کوفی۔ مصحف بصری۔ مصحف شامی۔ مصحف مدنی ہیں ایک عوام کے لئے اور ایک خود اپنی تلاوت کے لئے خاص جملہ یہ پانچوں مصاحف متفق علیہ ہیں۔ باقی مصحف مکی، مصحف بحرین اور مصحف یمنی یہ مختلف فیہ میں داخل ہیں۔

(۲) دوسری۔ یہ نقلیں صرف لغت قریش میں لکھی جائیں دوسری لغات و املا جو عموماً ممنوع تھی اب وہ حکماً ممنوع قرار پائے۔ اسی کارنامہ کی وجہ سے حضرت عثمان بن عفانؓ جامع الناس علی القرآن سے مشہور ہوئے۔

(۳) تیسری تجویز یہ تھی کہ ان نقلوں کے علاوہ کوئی بھی مصحف کسی کے پاس سے مغائر و مترادف اور مختلف ہو اس کو جبراً حاصل کیا جائے اور حکماً جلا کر اور کسی طرح سے تلف، یا دفن کر دیا جائے۔ کیونکہ ان ہی کی وجہ سے یہ اختلاف ابھرا۔

حضرت عثمانؓ کے اس عظیم کارنامہ کو پوری امت کے افراد نے بہ نظر استحسان دیکھا۔ تمام صحابۂ کرامؓ نے اس کام میں ان کی تائید و حمایت فرمائی اور خوب سراہا۔ حضرت علیؓ نے بھی اس کو پسند فرمایا اور کہا کہ جو کچھ اس سلسلہ میں عثمانؓ نے کیا ٹھیک کیا۔ اگر میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔ (مشکوٰۃ شریف)

اسی کو "اتقان" میں بحوالۂ ابی داؤد، علامہ

جلال الدین سیوطیؒ کی زبان میں سنئے فرماتے ہیں :۔

" واخرج ابن ابی داؤد بسند صحیح عن سوید بن غفلۃ قال قال علیؓ لا تقولوا فی عثمان الاخیرا فواللہ ما فعل الذی فعل فی المصاحف الا عن ملاء منا قال ما تقولون فی ھذہ القراءۃ فقد بلغنی ان بعضھم یقول ان قراءتی خیر من قراءتک وھذا یکاد یکون کفراً قلنا فما تریٰ قال اریٰ ان یجمع الناس علی مصحف واحد فلا تکون فرقۃ ولا اختلاف قلنا فنعم ما رایت "

(اتقان ص۵۹ ج۱ و فتح الباری ص۱۵ ج۹)

نیز صحیح البخاری ص۷۴۶ ج۲ میں ہے کہ :۔

" حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمانؓ الصحف الی حفصۃؓ وارسل کل افق بمصحف مما نسخوا وامر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق "

④ چوتھی قرار داد یہ تھی کہ ان نقول میں الفاظ سے نقوط و اعراب محذوف رہیں تاآں کہ یہ ان مختلف وجوہ کے محمول ہوں جو باختلاف قسم تنوع حضورؐ سے منقول ہیں ۔

یعنے ان نقلوں میں الفاظ سے نقطے اور اعراب حذف کردئے جائیں تاکہ ان سے مختلف وجوہ بھی حاصل ہوسکیں جو عرضہ اخیرہ کے بعد بھی تنوع کی قسم کے اختلاف کے ساتھ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول چلے آرہے ہیں ۔ (شرح سبعہ قرأت ص۳۱)

تعمیم قراءت واضح ہو کہ الفاظ قرآن سے جب نقطے اور اعرابات حذف کردئے گئے تو یہ تمام متواتر قراءتوں کے حامل اور ان کو اپنے اندر شامل کرلئے گئے اگرچہ آج بھی باوجود نقاط و اعرابات کے واضح ہونے اور واضح کرنے کے پوری قراءتیں ان کے اندر قدرتاً اور معجزۃً سمو دی گئی ہیں جو قرآن کے اعجاز کی کھلی دلیل ہیں ۔ مثلاً مٰلِكِ يوم الدين ۔ مَلِكِ يوم الدين انعمت عليهِمْ ، انعمت عليهُمْ ۔ غير المغضوب عليهِمْ عليهِمُ ۔ عليهُمْ ۔ يخٰدعون الله والذين آمنوا وما يخٰدعون ۔ وما يَخْدعون ۔ بما كانوا يكذِبون ۔ يُكذِّبون ۔ يَعْرِشون ۔ يَعْرُشون ۔ وتمت كلمتُ ربك كلمٰتُ ربك ۔ دیکھیے یہاں اگر مالك ، يخادعون اور كلمات کا رسم الخط مع الالف ہوتا تو پھر ان میں دوسری قراءتیں بلا الف کے داخل نہیں ہوسکتی تھیں ۔ یعنے مَلِكِ ، يخْدعون اور كَلِمَةُ کا اطلاق مشکل تھا ۔

نیز لا يُقبَلُ ۔ لا تُقبَلُ ۔ تعلمون ۔ يعلمون لا يُضَارُّ كاتبٌ اور لا يُضارُّ كاتبٌ ۔ ذو العرش المجيدُ اور ذو العرش المجيدِ ۔ لٰكنَّ الشيٰطينَ اور لٰكنِ الشيٰطينُ وغیرہ وغیرہ ——— اور جبکہ ان سے نقاط اور اعراب حذف کردئے گئے تھے تب بھی حسب روایت متواترہ ہر قاری اپنی روایت کے مطابق ان ہی نقاط و اعراب کے ساتھ پڑھتا تھا جیسے دور عثمانی میں مثلاً ایک لفظ قرآن جب اس طرح مسرھا بلا نقاط و اعراب مرسوم تھا تو قاری ایک روایت

کے تحت اس کو نُنْشِزُهَا پڑھتا ہے تو دوسری روایت کے مطابق نَنْشُرُهَا پڑھتا ہے۔ اور یہ دونوں روایتیں مع الزای اور مع الراء کی بسبب متواتر ہونے کے مروی اور ثابت ہیں — اسی طرح لفظ "ارجہ" ہے۔ یہ چھ طریقوں اور روایتوں سے پڑھا جاتا ہے۔ اَرْجِئْهُ۔ اَرْجِئْهِ۔ اَرْجِهْ۔ اَرْجِهِ۔ اَرْجِهِ۔ اَرْجِئْهُ یہ سب کے سب ثابت، مروی اور جائز ہیں۔ مگر ان میں شرط یہ ہے کہ ایک قرأت جس روایت سے پڑھی جائے اسی روایت سے اس کو ختم کیا جائے۔ ترتیب روایات میں خلط ملط نہ ہو۔

چوتھا مرحلہ تسہیل تلاوت

اس جمع قرآن کے بعد پھر تابعین کے دور میں عوام میں اس کے اندر آہستہ سے وہی اختلاف اُبھرنے کا امکان تھا کہ یہاں "یعلم" ہے "تعلم" ہے یا "نعلم"؟ اس صورت حال پر غور کرتے ہوئے خلیفہ عبدالملک بن مروان کی فرمائش پر حضرت ابوالاسود دؤلی نے ان کے اندر نقطے اور حرکات لگائے —

اور ایک روایت سے حجاج بن یوسف نے حضرت یحییٰ ابن یعمر، حضرت نصر بن عاصم لیثی اور حضرت حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ سے بیک وقت قرآن کریم پر نقطے اور اعراب لگانے کی فرمائش کی۔ پھر ان بزرگوں نے حالات حاضرہ، ضرورت ظاہرہ اور وقت کے تقاضہ پر غور فرماتے ہوئے اسے ضروری جانا اور یہ کام انجام دیا۔

(الاتقان جلد ۱ صفحہ ۶۱ اور تفسیر القرطبی ج ۱ ص ۶۳)

یہ وقتی تقاضا اور حرکات و نقاط کا اضافہ بھی درحقیقت بچوں کی سہولت کے پیش نظر تھا یا ان بڑے لوگوں کے حق میں جو اس معنی میں بچوں کے مثیل و شبیہ تھے۔ جیسا کہ حضرت امام مالکؒ نے اس کی توجیہ بیان فرمائی ہے کہ:-

"وقد حث الامام مالك رضي الله عنه على اتباع الصحابة رضي الله عنهم وترك مخالفتهم فيما فعلوه من الرسم لانه منع السائل وهو الامام اشهب من ان يحدث في مصاحفهم النقط الذي حدث بعدهم لانهم كتبوها من غير نقط وشكل۔ وانما رأى النقط جائزاً للصبيان اى ومن في معناهم من كبار المتعلمين في الصحف والالواح لاجل بيانه اى وضوحه لهم وسهولة تعلمه عليهم"۔

(الكواكب الدرى ص ۳۶)

⑤ پانچویں تجویز یہ تھی کہ ان نقلوں کو حضرت زیدؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت سعیدؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ جیسے جلیل القدر معتمد صحابہؓ نے لکھیں اور اسی رسم الخط میں لکھیں جس میں صحابہؓ نے اپنی نقلوں کو عہد رسالت میں لکھا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دکھلایا اور حضورؐ نے جس رسم میں بعض الفاظ کو لکھنے کا حکم صادر فرمایا تھا اسی رسم الخط میں لکھا جائے اور اسی نبوی رسم الخط میں مصحف صدیقی بھی لکھا گیا تھا جو غیر معرّب اور غیر منقط تھا۔

اسی تجویز میں یہ الفاظ بھی رکھ دئے تھے کہ عام طور پر یہ حکم جاری کردیا جائے کہ اس رسم الخط کے خلاف کوئی شخص قرآن

ہرگز نہ لکھے۔

یہ تجاویز یگانہ وخصائص مجتہدانہ جو زمانہ کے لئے یگانہ اور "اٹل اور "لم یزل" کی حیثیت رکھتے ہیں اگرچہ بظاہر سنتِ عثمانی رضؓ معلوم ہوتے ہیں۔ مگر در اصل یہ سب کچھ منشاء نبوت ورسالت تھے۔ لغت قریش اور خاص کر رسم خط مصحف عثمانی رضؓ سے قرآن کا بیان، اجراء واملاء وغیرہ کی وضاحت جس قدر ہوئی وہ ظاہر ہے بفحوائے آیہ الٓمٓ ۝ ذالك الكتاب کتابۃً ورسماً وعبارۃً ونظماً قراءۃً ووقفاً لاریب فیہ ۃ ہے۔

تعلیم رسول امی ﷺ علامہ ملا علی القاریؒ اپنی شرح عقیلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے متعلق جلیل القدر صحابی کاتب الوحی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضؓ سے یہ اثر نقل فرماتے ہیں کہ:-

وقال معاویۃ رضؓ قال لی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یُمعٰویۃ لِقِ الدواۃ وحرّف القلم وانصب الباء وفرّق السین ولا تعور المیم وحسّن اللہ ومدّ الرحمٰن وجوّد الرحیم وضع قلمك علی اذنك الیسری فانه اذکر لك۔ انتہیٰ

اجماع امت اس بات پر تمام ائمہ محققین کا اجماع واتفاق ہے کہ یہ رسم الخط مصحف عثمانی غیر قیاسی توقیفی وسماعی ہے اور منزل من اللہ ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد واملاء تعلیم واجراء سے بواسطۂ حضرت جبرئیل امین ؑ مروی اور ثابت ہے اور اسی طرح لوحِ محفوظ میں بھی مرقوم ومرسوم ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں علامہ شیخ محمد الشہیر بامداد بن علی بن خلف الحسینی المالکی الازہری شیخ القراء والمقاری بالدیار المصریہ کی کتاب "الکواکب الدریہ" کے بعض اقتباسات یہاں آپ کے سامنے رکھدوں:-

وھذا اجماع من الامۃ المعصومۃ من الخطأ، علی ما تضمنتہ ھذہ المصاحف وعلی ترك ما خالفھا من زیادۃ ونقص وابدال کلمۃ باخری اوحرف باخر وجب علینا ان نتبع فی قراءتنا المرسوم الذی جعلہ لنا عثمان رضی اللہ عنہ فی المصحف صلاً ص۳۴ (الی ان قال) وقال ابو عمرو فی المقنع ولا مخالف لہ فی ذلك من علماء الامۃ وذکر مثلہ الجعبریؒ فی شرح العقیلۃ ثم قال ایضا وھذا مذھب لائمۃ الاربعۃ رضوان اللہ علیھم (الی ان قال) وفی الاتقان قال الامام احمد محرم مخالفۃ خط مصاحف عثمان رضؓ فی واو والف اویاء اوغیر ذلك اھ وسئل مالك عن الحروف تکون فی القرآن زائدۃ مثل الواو والالف والیاء فی مثل قولہ تعالی الربوا واولٰٓئك ولا اوضعوا ولا اذبحنہ وبأییکم وما اشبہ ذلك۔ اتری ان تغیر من المصاحف اذا وجدت فیھا کذلك قال لا۔ انتہیٰ فما کتبوہ فی المصاحف بغیر الف فواجب ان یکتب بغیر الف وما کتبوہ بالف کذلك وما کتبوہ بالتاء

فواجب ان یکتب بالتاء وما کتبوہ بالھاء فواجب ان یکتب بالھاء فلا یثبت ما حذفوا ولا یحذف ما اثبت لاجماع الامت علی متابعتھا من خالف فی شیئ من ذٰلک فقد خالف الامۃ کما قال ابن الحاج فی المدخل والحافظ ابو عمرو الدانی واللبیب۔

قد علمت مما تقدم انفا انہ یجب کتب القرآن موافقا لرسم المصاحف العثمانیۃ ویحرم تغییر حرف منہ عما کتب علیہ فی زمن الصحابۃ رض الذین تلقوہ من فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکتبوہ فی حضرتہ واجمعوا علی نقلہ ونشرہ فی بلاد المسلمین وعدتھم یومئذٍ رضی اللہ عنہم فوق اثنی عشر الفا۔ وبعدھم اجمعت الامۃ المعصومۃ فی الخطأ علی وجوب اتباعہ" (الکواکب الدریہ ط ۳۶، ۳۷)

مزید تفصیل محدث جلیل علامہ سخاویؒ نے اپنی کتاب "الوسیلۃ الی کشف العقیلہ" میں بیان کی ہے۔ پھر اسی کے تتبع میں محدث کبیر حضرت ملا علی قاریؒ نے بھی اپنی شرح عقیلہ میں قریب قریب یہی مآل ومعانی اور مطالب بیان کئے ہیں۔

امام القراء استاذ المحدثین الامام المحقق علامہ جزریؒ نے اپنی کتاب "النشر فی القراءٰت العشر" میں رسم الخط مصحف عثمانی پر جس قدر بحث کی ہے گویا یہ سب کچھ اسی کا خلاصہ سمجھئے۔

اختلاف لفظ ابراھم امام القراء والمحدثین

علامہ ابو عمرو الدانی المتوفی ۴۴۴ھ نے اپنی کتاب "مقنع" میں اس مسئلہ پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہ محض دیکھنے اور پڑھنے کی حد تک ہی قابل نہیں بلکہ حرز جان اور ورد زبان بنانے کے لائق بھی ہے۔ انہوں نے اس کے لئے ایک مستقل باب باندھا ہے کہ "باب ذکر ما اختلف فیہ مصاحف اھل الامصار بالاثبات والحذف" پھر اس کے تحت فرماتے ہیں کہ :-

کتبوا فی سورۃ البقرۃ الی اٰخرھا فی بعض المصاحف ابرٰھم بغیر یاء وفی بعضھا بالیاء۔ قال ابو عمرو (اھل العراق فی البقرۃ خاصۃ وکذا العرسم فی مصاحف) ولغیر یاء وجدت انا ذٰلک فی مصاحف اھل الشام وقال معلی بن عیسی الوراق عن عاصم الجحدری، ابرٰھم فی البقرۃ بغیر یاء وکذلک وجدتہ فی الامام عہ وحدثنا الخاقانی شیخنا قال حدثنا احمد بن محمد قال حدثنا علی بن عبد العزیز قال حدثنا ابو عبید قال تتبعت رسمہ فی المصاحف فوجدتہ کتب فی البقرۃ خاصۃ "ابرٰھم" بغیر یاء الخ (کتاب المقنع ص ۹۸)

اس اختلاف کے متعلق خود علامہ دانیؒ کا ارشاد و توجیہہ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں کہ :-

وثبت عندہ ان ھذہ الحروف من عند اللہ عزوجل کذلک منزلۃ ومن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسموعۃ وعلم ان جمعھا فی مصحف واحد علی تلک الحال غیر ممکن الا باعادۃ الکلمۃ مرتین وفی رسم ذٰلک کذلک ما فیہ من التخلیط

عہ قولہ امام الخ ای ان مصاحف کو کہتے ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تیار کرا کے بھیجے تھے ۱۲

والتخبیر للمرسوم فلاخفاء به ففرقہما فی المصاحف لذلک فجاءت مثبتۃ فی بعضہا ومعذوفۃ فی بعضہا لکی تحفظہا الامۃ کما نزلت من عند اللہ عزوجلّ۔ وسُمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہٰذا اسباب اختلاف مرسومہا فی مصاحف اھل الامصار۔ (مقنع ص ۱۲۳ و ۱۲۴)

اس تفصیل کے بعد جو تمہیداً عرض کی گئی تھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خط اور رسم خط کے تعلق سے بھی کسی قدر وضاحت پیش کردوں، تاکہ اس سے خط اور رسم خط کے درمیان فرق ممائز بھی بآسانی ہوجائے۔

اقسام خطوط اقسام خطوط کی تعریف و تقسیم مؤرخین کے نزدیک کچھ اس طرح ہے کہ سلف میں جاہلیت عرب کے زمانۂ قدیم میں حضرت ادریس علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایجاد سے خط معقلی چلا آتا تھا۔ اور باختلاف مورخین عرب میں کتابت اور خطاطی کا فن کس سے شروع ہوا؟ — بعض کی رائے میں حضرت ایوب علیہ السلام کے وقت میں عرب میں یہ فن تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے عہد سے شروع ہوا۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ اسلام کے کچھ پہلے بلکہ بہت پہلے سے اس کا عرب میں رواج ہوگیا تھا۔ اور سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں اس کو بہت ترقی دی۔

اس کے بعد خلف میں خط کوفی رواج پایا۔ پھر ۳۱۰ھ میں خطاط ابن معقلہ کے تصرف وایجاد سے خط معقلی اور خط کوفی میں کسی قدر تغییر و تبدیل عمل میں آئی اور اس نے ان ہی دو خطوط کے ذریعہ مزید چھے خطوط کی داغ بیل ڈالی۔ پھر اُن ہی کا شیوع ہوا، یہی فروغ پائے اور مشہور ہوئے۔ اور اس نے ہر خط کے لئے ایک جداگانہ صورت قرار دی اور نام رکھا۔ خط ثلث[۱]۔ خط ریحان[۲]۔ خط توقیع[۳]۔ خط محقق[۴]۔ خط نسخ[۵] اور خط رقاع[۶]۔

یہی وہ خطوط ہیں جو خط معقلی اور خط کوفی کی بدلی ہوئی یا ان سے نکلی ہوئی صورتیں تھیں۔ پھر ایک عرصہ بعد، خوشنویسوں نے بھی ان کے اندر جدّت کی۔ چنانچہ خط توقیع اور رقاع سے کچھ تراش خراش کر ایک ساتواں خط — خط تعلیق وضع کرلیا۔

اس ہفت قلم یا ہفت خط کے بعد سن آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں بلاد ماوراء النہر میں خواجہ میر علی تبریزی[۷] نے خط نسخ اور خط تعلیق میں ترکیب دیکر ایک آٹھواں خط خط نستعلیق کی بنیاد رکھی جو درحقیقت یہ دونوں خط نسخ[۸] اور خط تعلیق کا ایک مرکب امتزاجی تھا اور کثرت استعمال سے خاء اور واؤ عطف (خ۔و) کی تخفیف ہوگئی اور "نسخ تعلیق" بن گیا۔

(جاری)

فتح بیت المقدس اور سلطان صلاح الدین ایوبی

از
مولوی سید عطاء اللہ عرف الیاس باشا لطیفی (رسیلم)
مدرس دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطبؒ ویلور۔

آل سلجوق نے جب قونیہ میں سلطنت قائم کرلی اور ایشیائے کوچک سے رومیوں کا تسلط اٹھادیا تو ایک راہب باپائے روم کے پاس فریاد لے کر پہنچا۔ اس نے اہل یورپ کو مذہب کے نام سے ارض مقدس اور آثار مسیح کی حفاظت کے لئے برانگیختہ کیا اور ان کے دلوں کو مسلمانوں کے خلاف غیظ وغضب سے بھر دیا۔ چنانچہ ۴۸۹ھ مطابق ۱۰۹۶ء اگسٹ کے مہینے میں وہاں سے صلیبی خدائی بہت بڑی تعداد میں روانہ ہوئے آگے آگے پطرس راہب تھا۔ چونکہ اس جمعیت کا نظام فوجی نہیں تھا اس وجہ سے یہ حملہ ناکام ہوا۔ سلطان قلیج ارسلان کی فوجوں نے انہیں ختم کردیا۔ ایک بھی بچ کر نہ جا سکا۔ اس ناکامی کے بعد اہل یورپ نے دوسرے حملہ کا سامان کیا۔ اس میں تین لشکر شامل تھے جس کی مجموعی تعداد سات لاکھ سے کم نہ تھی۔ سلطان مقابلہ نہ کرسکا۔ انہوں نے آکر قونیہ کا محاصرہ کرلیا۔ پچاس دن کے محاصرے کے بعد عیسائی غالب آگئے۔ اس کے بعد ان میں کی ایک پر قابض ہوگئی اور دوسری جماعت انطاکیہ کی طرف بڑھی۔ وہاں کے حاکم امیر نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ لیکن ایک برج کے محافظ نے رشوت لے کر اندر داخل کردیا۔ اس کے بعد عیسائی بیت المقدس کی طرف بڑھے۔ یہ شہر آل سلجوق کی حکومت میں تھا لیکن فاطمیوں نے ان کو صلیبیوں کے مقابل میں مشغول پاکر اپنے ایک امیر افضل بن بدر جمالی کو بھیج کر قبضہ کرلیا تھا۔ تقریباً دیڑھ ماہ کے محاصرہ کے بعد صلیبیوں کے ہاتھ چلا گیا اور وہ ۲۳ رشعبان ۴۹۲ھ میں اس میں داخل ہوگئے۔

باشندوں کو بے دریغ تہ تیغ کیا۔ ان میں سے کچھ لوگ نالہ وفریاد کناں قاضی ابوسعید ہروی کے ساتھ بغداد پہنچے، وہاں ان خونیں مظالم کو سنا کر امداد طلب کی۔ اس زمانے میں برکیاروق اور سلطان محمود باہمی جنگ میں مشغول تھے۔ اس وجہ سے ان مظلوموں کو کوئی مدد نہ مل سکی۔ عیسائیوں کا غلبہ بڑھتا جارہا تھا اور مسلمان آپس کی لڑائیوں میں مبتلا تھے۔ لیکن "مردے از غیب بیروں آید وکارے بکند" اللہ تعالیٰ نے نور الدین زنگی کو کھڑا کردیا کہ صلیبیوں کا مقابلہ کرے اور اس نے اپنی جانفشانی اور جوش جہاد سے ہر لڑائی میں عیسائیوں کو شکست دی اور کئی قلعے فتح کرلئے۔ جب غازی

نورالدین نے سنہ ۵۶۹ھ میں انتقال فرمایا، سلطان صلاح الدین جو اس وقت مصر کے حاکم ہو گئے تھے' ان کی جگہ پر پوری قوت کے ساتھ صلیبیوں کے مقابلے میں آئے۔ سنہ ۵۶۹ھ سے متواتر چودہ سال تک شام کا ایک ایک شہر ان کے ہاتھوں سے نکال لیا۔ یہاں تک کہ سنہ ۵۸۳ھ میں بیت المقدس بھی لے لیا' جہاں عیسائیوں نے اپنی پوری قوت سے آخر جنگ کی تیاری کی تھی۔ لیکن جب محاصرہ سے تنگ آگئے تو امان کے طالب ہوئے سلطان نے کہا کہ سنہ ۴۹۲ھ میں جب تم اس میں داخل ہوئے تھے تو کسی مسلمان کو امان نہ دی تھی' میں بھی امان نہیں دونگا اور وہی سلوک تمہارے ساتھ کروں گا۔ آخر اسقف اور دیگر مذہبی رؤسا کے کہنے سے اس شرط پر ان کو امان دی۔ ۱۰ دینار مرد پر فی عورت ۵ اور فی طفل ۲ دینار دیں اور اپنا مال ومتاع لیکر چالیس دن کے اندر یہاں سے نکل جائیں۔ اسلامی فوج شہر میں داخل ہوئی۔ سپاہیوں نے دیکھا کہ فرنگی اشرفیوں کے صندوق بھرے لے جا رہے ہیں۔ سلطان سے جا کر کہا کہ فوج ایسی غنیمت سے کیوں محروم کی جاتی ہے۔ سلطان نے کہا کہ بدعہدی ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ سلطان صلاح الدین کے زمانے میں ابوالمعالی دمشقی دمشق کے قاضی تھے۔ دربار سلطانی میں ان کا بڑا اعزاز کیا جاتا تھا۔ جب سلطان نے حلب فتح کیا تو ابوالمعالی نے ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ بھی تھا ؎

وفتحك القلعة الشهباء فی صفر
مبشر بفتوح القدس فی رجب

ماہ صفر میں اس قلعہ کا فتح کر لینا بتلا رہا ہے کہ بیت المقدس کو آپ ماہِ رجب میں فتح کر لینگے۔ سلطان نے دریافت کیا' کہ یہ پیشگوئی آپ کہاں سے کرتے ہیں۔ ابوالمعالی نے الٓمّٓ غلبت الروم پڑھ کر سنائی اور اس میں سے اپنے طریق استخراج حساب کے رو سے اپنی مدعا کو ثابت کر دکھایا۔ خدا کی قدرت' ایسا ہی ہوا کہ بیت المقدس پر سلطان کا قبضہ بماہِ رجب ہوا۔ فتح کے بعد پہلا جمعہ آیا۔ اس روز ہر ایک فاضل خطیب اور عالم فقیہ کی تمنا یہ تھی کہ آج خطبہ خوانی کے لئے میرا انتخاب ہو۔ اسی آرزو میں ہر ایک نے اعلیٰ درجہ کے فصیح وبلیغ خطبے تیار کئے تھے۔

سلطان نے یہ حکم دیا کہ ابوالمعالی نماز پڑھائیں۔ ابوالمعالی منبر پر چڑھے۔ پہلے سورہ فاتحہ پڑھے پھر آیت فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین پھر اول سورہ انعام پھر الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدًا پھر سورۂ کہف پھر سورۂ نمل سے وقل الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی پھر سورۂ سبا سے الحمد للہ الذی له ما فی السمٰوات پھر سورۂ فاطر سے الحمد للہ فاطر السمٰوات والارض آپ کا مطلب یہ تھا کہ جملہ تحمیدات قرآنیہ کو جمع کر لیا جائے۔ اس کے بعد خطبہ شروع ہوا۔ تمام خطبہ کی عبارت مسجع ومقفیٰ ہے اور صنائع لفظی وبدائع معنوی سے لبریز ہے۔ ترجمہ میں ہرگز وہ خوبی اور عمدگی نہیں رہ سکتی۔ (ترجمہ یہ ہے) میں خدا کی حمد کرتا ہوں جیسے اپنی نصرت سے

اسلام کو عزّت دی اور اپنے قہر سے شرک کو ذلیل فرمایا، وہ اپنے حکم سے امور میں تصرف کرتا اور شکر گزاری پر نعمت کو دوام بخشتا ہے اور نافرمانوں کو اپنی خفیہ تدابیر سے برباد کر دیتا ہے۔ اس نے مقرر کر رکھا ہے کہ ملک عدل سے ہی آباد ہوں گے اور عاقبت کو صرف اہل تقویٰ ہی پا سکیں گے۔ اس نے تمام مخلوق پر دامانِ رحمت کو پھیلایا اور دین الٰہیہ کو جملہ ادیان سے بڑھایا۔ وہ سب پر حکمراں ہے، اس کے احکام کو کوئی روک نہیں سکتا۔ وہ سب پر غالب ہے۔ اس کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ نہ اس کا حکم رکے نہ اس کا ارادہ بدل سکے۔ میں اس پاک پروردگار کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے فتح و نصرت عطا فرما کر اپنے اولیاء و انصار کے اعزاز کا اظہار فرمایا اور بیت المقدس کو شرک کی آلودگیوں سے پاک بنایا۔ میں اپنے تمام دل اور کھلی عقیدت سے حمد کرتا ہوں۔ اسکی وحدانیت کا شاہد ہوں۔ بیشک اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ احد و صمد لم یلد ولم یولد ہے اور لم یکن لہ کفواً احد اس کی صفت تامہ ہے۔ میں توحید سے اپنے دل کی پاکیزگی اور اپنے مالک کی رضامندی و خوشنودی کا جویا ہوں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندہ اور رسول ہیں۔ انہوں نے شک کو ہٹایا، شرک کو مٹایا، افک جھوٹ اور گناہ کو دبایا۔ خداوند کریم نے ان کو حرم سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے سمٰوات علیٰ بلکہ سدرۃ المنتہیٰ و جنت الماویٰ تک کی سیر کرائی ماذاغ البصر وما طغیٰ آپ ہی کی شان ہے، اور

اس آیت میں حضور کے ہی شوق نظارہ کا بیان ہے اے خدا آنحضرت صلعم کے خلیفہ ابوبکر صدیق پر رحمت بھیج جو سابق الایمان تھے۔ نیز امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر جنہوں نے سب سے پہلے بیت قدس سے شعار صلیبیاں کو دُور کیا تھا۔ نیز امیر المومنین عثمان بن عفان ذی النورین جامع القرآن پر، نیز امیر المومنین علی بن ابی طالب مزاشر الشرك ومسکر لاوثان پر الٰہی آل اصحاب پر رحمت نازل فرما اور جو شخص ان کی عمدہ پیروی کرے اسے بھی مورد رحمت بنا لوگو۔ اللہ تعالیٰ کے رضوان پر جو غایت قصویٰ اور درجۂ علیا ہے، ہم سب کو خوشنود ہونا چاہئے جس نے امت ضالہ اگم شدہ چیز جو تمہیں واپس دلایا اور مشرکین کے قبضہ صد سالہ کے بعد پھر اس مقام کو مقر اسلام بنایا۔ جس گھر میں ذکر الٰہی یاد ربانی کا حکم ہے اسے پاک ٹھہرایا۔ اور خس و خاشاک شرک کو اس کی راہ سے دُور ہٹایا۔

یہ وہ گھر ہے جس کی بنیاد کو اللہ تعالیٰ نے توحید کے ساتھ اٹھایا اور تمجید سے مضبوط بنایا اور اس کے پس و پیش کو تقویٰ سے محسوس فرمایا۔ یہ وہ گھر ہے جو تمہارے باپ ابراہیم خلیلؑ کا وطن اور تمہارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج گاہ ہے۔ یہ مہبطِ وحی ہے اور فرودگاہ امر و نہی ارض محشر یہی ہے اور مقام نشر یہی وہ ارض مقدس جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے وہ مسجد جس میں سرورِ کائنات نے ملائکہ مقربین کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ یہ وہی شہر ہے جہاں

خدا کے رسول عبداللہ و کلمۃ اللہ، مریم صدیقہ کا جایا، عیسیٰ روح اللہ پیدا ہوئے تھے۔ خدا نے ان کو نبوت و شرافت سے معزز فرمایا تھا۔ اور وہ ہمیشہ بندگی و عبودیت کے مقر تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ ولا الملئکۃ المقربون الوہیت مسیح کے بارہ میں حد سے آگے بڑھتے ہیں، وہ جھوٹے ہیں اور بھٹکتے ہیں۔ ما اتخذ اللہ من ولد وما کان معہ من الٰہ اذا لذھب کل الٰہ بما خلق ولعلا بعضھم علی بعض سبحان اللہ عما یصفون لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم۔

لوگو! اول قبلتین یہی ہے اور ثانی مسجدین یہی ہے، یہ وہ ثالث حرمین ہے کہ حرمین کے بعد اسی کے لئے سفر کرنا مسنون ہے۔ یہ یاد رکھو کہ اگر خدا نے تم کو اپنے بندوں میں سے انتخاب اور کل روئے زمین کے باشندوں میں سے برگزیدہ نہ کر لیا ہوتا تو کبھی اتنی بڑی فضیلت جو تمنا کرنے والوں کو نہیں ملی تمہیں حاصل نہ ہوتی۔ مبارک ہے وہ لشکر جس کے ہاتھوں پہ معجزاتِ نبویہ، واقعاتِ بدریہ، عزماتِ صدیقیہ، فتوحاتِ فاروقیہ، ترقیاتِ عثمانیہ، فتکاتِ علویہ ظاہر ہوئے ہیں۔ جنہوں نے اسلام کو تازگی دے کر ایامِ قادسیہ، ملاحمِ یرموکیہ، منازلاتِ خیبریہ و مقاتلاتِ خالدیہ کے نمونے دکھلا دئے ہیں۔

محمد رسول اللہ کی جانب سے خدا تم کو جزائے خیر دے اور جانبازی اور سرباختگی راہِ خدا میں تم سے ظاہر ہوئی ہے، رب العالمین اس کو منظور فرما کر دار السعداء جنت کو تمہارے لئے نامزد فرمائے۔ مؤمنین! اس نعمت کی پوری پوری قدر کرو، اور خدا کا پورا پورا شکر بجا لاؤ۔ بیشک یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ خدا نے اس خدمت کیلئے تم کو ہی مخصوص کیا۔ اور اپنی نصرت کو تمہارے شامل حال فرمایا۔ یہ وہ فتح ہے جس کے لئے آسمانی دروازے کھل گئے ہیں اور تاریکیوں کے چہرے پہ نورانی انوار چمک اٹھی ہیں۔ فرشتے جھوم رہے ہیں اور انبیاء خدا مسرور الوقت ہو رہے ہیں۔

اللہ اکبر! کیسی مبارک فوج ہے، جس کے ہاتھوں پہ آخری زمانہ میں بیت المقدس کھولا گیا۔ جس نے قرۃ نبوت کے بعد ایمان کا جھنڈا پاک گھر پہ کھڑا کر دیا۔ امید ہے کہ اب بڑی بڑی فتوحات تم کو نصیب ہوں گی۔ اور نہ صرف زمین کے باشندے بلکہ آسمانوں کے رہنے والے بھی تم کو تہنیت و بشارت دیں گے۔ کیا یہ وہی گھر نہیں ہے جس کی عظمت جملہ ملل میں ہے۔

کیا یہ وہی گھر نہیں ہے، جہاں یوشع کو فتح دینے کے لئے آفتاب کو چند ساعات کے واسطے ٹھہرا گیا تھا۔ کیا یہ وہی گھر نہیں ہے جہاں موسیٰ کے حکم استفاد کا خلاف کرنے سے مخالفین پہ غضب الٰہی ٹوٹا تھا۔ شکر کرو کہ جب بنی اسرائیل کی اس قوم نے جسے اللہ تعالیٰ نے بڑھایا تھا اس کے عہد دن کو توڑا، تو تم نے اسے پورا کیا، اور جہاں نافرمانی کی وجہ سے پچھلی امتوں کو ذلیل کیا گیا تھا، وہاں اطاعت کی جزا میں تم کو اعزاز دیا گیا۔ تمہارے دلوں میں اتفاق پیدا کر دیا اور تمہاری

آئندہ بہبود و سُود کا نمونہ تم کو دکھلایا۔ خوشیاں مناؤ
اور باہم مبارکبادیاں دو کہ خدائے برتر تمہارا ذکر ملائکہ سے
فرمارہا ہے اور اسی نے آسمانی ارادوں کو پورا کرنے کے لئے
تم کو الٰہی لشکر بنالیا ہے۔

جس خلاء میں شرک و تثلیث اور گندہ اعتقادات
خبیثہ کی عفونت پھیلی ہوئی تھی، اب وہ فضا توحید و
تقدیس و تمجید کے خوشبوؤں سے معطر ہو رہی ہے اور اس کی
روح افزا لپیٹ کو سونگھ کر ملائکہ تمہاری صفت کر رہے
ہیں۔ یہ وہ وقت ہے کہ فرشتے تمہارے لئے سرگرم دُعا ہیں۔
اور نماز، کلمہ، اذان، تشہد مجو ثنا تم اس نعمت کی خوب قدر
کرو اور اس پر مضبوط ہاتھ ڈالے رکھو اور ہمیشہ اللہ تعالےٰ
سے ڈرتے رہو، کیونکہ تقویٰ ہی ایسی شئے ہے جس کے تمسک
پر راہ نجات ہے۔ خبردار خواہشات کا پیرو نہ ہونا اور اپنے
آپ کو گڑھے میں نہ گرا دینا۔ مبادا کہ تم تنزل کرنے لگو اور دشمن
انتقام و کینہ کشی کے لئے فرصت کا ہی منتظر ہو۔ بلکہ تم اللہ کی
راہ میں پورا پورا جہاد کرو اور خوشنودی ربّانی کے لئے اپنی جانوں
کو بیچ ڈالو، کیونکہ وہ تم کو اپنے بندوں میں سے بہترین بنانا
چاہتا ہے۔ دیکھنا کہیں شیطان تم کو بہکائے اور طغیان تم
کو یہ سمجھائے کہ ہم نے قوتِ بازو کے زور اور شمشیر آبدار کی
مدد سے ایسی بڑی فتح حاصل کی ہے۔ نہیں بخدا ہرگز نہیں۔
فتح و نصرت تو خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس فتح
جلیل و نعمت جزیل، نصرت مبین و تمسک حبل متین کے بعد ایسا
نہ ہونا چاہئے کہ منہیات میں پڑ کر تمہاری قوت زائل ہو جائے۔
اور معاصی میں پڑ جانے سے شوکت تم کو خیرباد کہہ جائے اس
وقت تمہاری مثال اس بڑھیا کی سی ہوگی جو پہلے کاتتی اور
پھر خود اسی کو توڑتی بھی ہے۔ جانتے ہو جہاد کیا چیز ہے۔ جہاد
افضل عبادت اور اشرف عادت ہے، خدا کی مدد کرو۔ وہ تمہاری
مدد کرے گا۔ احکام خدا کی حفاظت رکھو، وہ تمہاری حفاظت
رکھے گا۔ خدا کو یاد رکھو، وہ تمہیں نہ بھلائے گا۔

خدا کا شکر کرتے رہو، وہ تمہیں بڑھاتا رہے گا، ہاں
بیماری کو دُور کرو۔ دشمن کو اٹھا دو اور بقیہ زمین کو ان نجاستوں
سے جن پر خدا اور رسول کا غضب ہے پاک کرو۔ کفر کی شاخوں
کو کاٹ دو اور جڑوں کو نکال کر پھینک دو۔ وقت آگیا ہے
کہ اسلامی جھنڈے ہوا میں لہلہاتے ہیں اور ملّتِ محمدیہ سب
پر سایہ انداز ہو۔

اللہ اکبر اللہ اکبر خدا نے ہم کو فتح دی ہے۔ اس نے
ہمارے مخالفوں کو پامال کر دیا ہے۔ تم فرصت کو غنیمت جان
کر ارادوں کی تکمیل کرو۔ اور پورے جوش اور طاقت کو کام میں
لائیں، اور یاد رکھو کام وہی اچھے ہوتے ہیں جن کے انجام اچھے
ہوتے ہیں، اور مکاسب وہی عمدہ ہوتے ہیں جن میں پس انداز کیا
جاتا ہے۔ خدا نے اس دشمن پر تم کو فتح دی ہے جو تعداد میں تمہارے
برابر یا کچھ زیادہ تھا لیکن تمہارے لئے تو یہ وعدہ موجود ہے،
کہ ایک بیس پر بھاری ہوگا۔ بیس دو سو پر فتح پائیں گے۔
اور سو دو ہزار پر غالب ہوں گے۔ خداوند کریم ایسا کرے

کہ اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب میں وہ ہماری مدد کرتا ہے اور ہم مسلمانوں کو اپنی مدد سے مؤید فرماتا رہے۔ اگر اس کی مدد ہے تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ ذلیل کرے تو کوئی مدد دے نہیں سکتا۔ میں شیطان سے اللہ کی مدد مانگتا ہوں اور خدا رحیم و رحمان کے نام پر شروع کرتا ہوں (اس سے آگے اول سورہ حشر کی آیت پڑھیں) میں تم کو اپنے آپ کو معصیت کی برائی اور نافرمانی سے بچنے کی تاکید کرتا ہوں اور خدا سے سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تم کو اور سب مسلمانوں کو بخش دے۔ آؤ ہم سب اس سے بخشش کا سوال کریں۔

اس کے بعد خطبۂ ثانیہ شروع کیا۔

اور مختصر الفاظ حمد و نعت کے بعد امیر وقت کے لئے دعا ان اور مختصر الفاظ میں شروع کی: الٰہی یہ سلطان تیرا بندہ تیری ہیبت سے شرمندہ اور نعمت پر شکر کنندہ ہے۔

احسانات کا اقرار کرتا ہوں۔ یہ تیری سیف قاطع اور شہاب لامع ہے تیرے دین کا حامی تیرے رحم کا محافظ ہے۔

یہ بزرگ سردار فتح نصیب بادشاہ جامع کلمۃ الایمان قامع عبدۃ الصلبان صلاح الدین والدنیا سلطان الاسلام والمسلمین مطہر بیت المقدس ابوالمظفر یوسف بن ایوب محی الدولہ امیر المومنین خداوندا تو اسے جامِ دوام پلا اور اس کی دولت کو بسیط فرما اور ملائکہ کو اس کے جھنڈے کا شیدا و فریفتہ بنا دے۔ خیفہ کی جانب سے اسے عمدہ جزا بخش اور ملت محمدیہ کی طرف سے اس کے ارادوں کو مشکور فرما۔ الٰہی اسلام کی تر و تازگی بنی رہے چمن ایمان کھلا رہے اور مشارق و مغارب میں اس کی دعوت پھیل جائے۔ الٰہی جس طرح تو نے لوگوں کے جھوٹے گمانوں نیز مومنین کی مصیبتوں اور امتحانوں کے بعد اس سلطان کے ہاتھ پر بیت المقدس کو کھول دیا ہے، اس طرح زمین کے تمام نشیب و فراز پر اسے مسلط فرما دے۔ کفار کے قلعوں کمین گاہوں کو اس کے زیر قبضہ بنا دے، جو لشکر اس کے مقابلے میں نکلے یہ اسے پارہ پارہ کر دیا کرے اور جو جماعت اس کے سامنے مخالفانہ آئے اسے منتشر بنا دیا کرے۔ الٰہی اس سلطان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شکریہ کا مستحق بنا اور مشرق و مغرب تک اس کے احکام کو وسیع فرما۔

الٰہی ملک کے اندر رونق اور بیرونی حصے سلطنت کے پست و بلند ٹکڑے اسی بادشاہ کے عدل سے تر و تازہ رہیں۔ الٰہی اس خاندان میں بادشاہی بنے رہے۔ تو اس کی دعا کو قبول فرمائیو اور اسے محروم نہ کیجیو۔ یہ فاضل ۵۴۶ھ کو دمشق میں پیدا ہوا اور ۷ر شعبان ۵۹۸ھ کو اسی جگہ انتقال کیا۔

کتب تواریخ میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے بیت المقدس فتح کیا۔ پھر جیسا مذکور ہے تقریباً ایک سو سال تک بیت المقدس پر عیسائی حاکم ہو گئے۔ ان کے قبضہ سے سلطان صلاح الدین نے دوبارہ بیت المقدس عیسائیوں سے چھین لیا۔ آج فلسطین اور بیت المقدس پر یہودی حکومت ہے۔ آج بھی مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ لڑ رہے ہیں اور یہودی مسلمانوں کے افتراق سے فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ خدا کرے کوئی دوسرا صلاح الدین پیدا ہو۔

آداب القرآنیہ

از
مولوی شیخ رفیع احمد
شولی پیٹ آندھرا
متعلم مولوی فاضل سال دوم
دارالعلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور
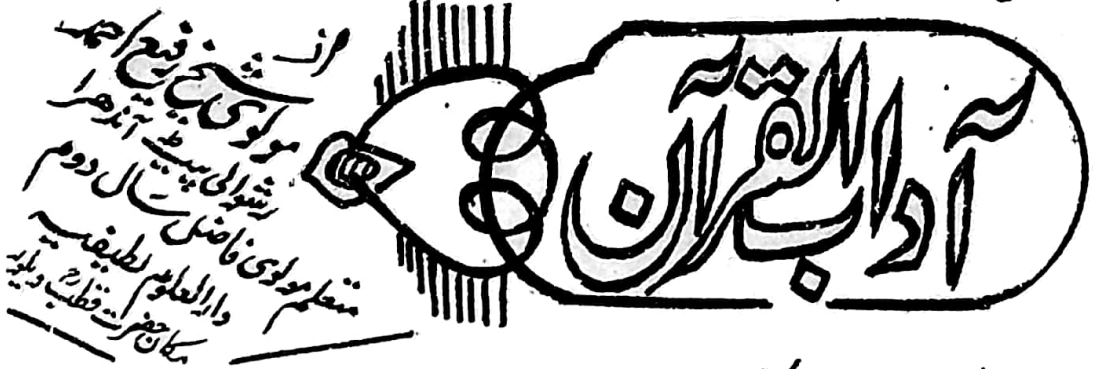
قرآن مجید وہ مقدس کتاب ہے جس میں دنیاوی فوز وفلاح اور اخروی سعادت ونجات کا سرمایہ موجود ہے۔ دنیا میں اہل ایمان کو مؤمنانہ زندگی گذارنے کے لئے قرآن کریم نے بہت سارے اصول وآداب کی تلقین فرمائی ہے۔ ان میں چند ہدایت وآداب کا سرسری جائزہ لیا جارہا ہے۔ چنانچہ سورۃ النور کی درجۂ ذیل آیات میں ہدایت اور تاکید کی گئی ہے کہ کسی کے گھر میں یوں ہی بے خبر نہ گھس جائیں۔ کیا جانے کہ اہل خانہ کس حال میں ہوں اور اس وقت کسی کا اندر آنا انہیں پسند آئے یا نہ آئے۔ لہٰذا اندر جانے سے قبل آواز دے کر صاحب خانہ سے اجازت حاصل کرلیں اور سلام کرلیں۔

حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ سلام کرے اور داخل ہونے کی اجازت لیں۔ اگر تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلے جائیں۔ یاایھا الذین اٰمنوا لاتدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلّموا علی اھلھا ذٰلکم خیر لکم لعلکم تذکرون۔ (النور ۲۷)

"اے ایمان لانے والو! اپنے گھروں کے علاوہ کسی کے گھر میں داخل نہ ہوا کرو جب تک گھر والوں سے رضامندی نہ لے لو۔ اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو، یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ امید ہے تم اس کا خیال رکھو گے"۔

اور خصوصیت کے ساتھ تاکید کی گئی کہ ان تین اوقات یعنی نماز فجر سے پہلے اور دوپہر میں اور عشا کی نماز سے پیچھے اجازت طلب کرکے اندر کمروں اور گھروں میں داخل ہوں۔ کیونکہ ان تین وقتوں میں عموماً لباس وغیرہ کے متعلق احتیاط ملحوظ نہیں رہتی۔

یاایھا الذین اٰمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلٰث مرّات من قبل صلوٰۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم مّن الظھیرۃ ومن بعد صلوٰۃ العشاء (النور ۵۸)

اے ایمان لانے والو! تمہارے مملوک اور تمہارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں ضروری ہے کہ وہ تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں۔ صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو جب تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہیں اور عشاء کی نماز کے بعد، یہ تین وقت تمہارے لئے پردے کے وقت ہیں"۔ اور نابالغ لڑکے تین اوقات میں بلا روک آجاسکتے

ہیں، لیکن جیسے ہی بلوغت کی سرحد تک قدم رکھیں انہیں
بھی اجازت لینی چاہئے اور اگر یہ معلوم ہوا ہو کہ گھر میں کوئی
موجود نہیں ہے تب بھی دوسرے کے گھر میں مالک و مختار
کی اجازت کے بغیر مت جاؤ، کیونکہ غیر کی ملک میں بغیر اجازت
تصرف کا کوئی حق نہیں اور اس کے علاوہ نہ معلوم بے
اجازت چلے جانے سے کیا جھگڑے اور بدگمانیاں پیدا ہو
جائیں۔ اور اگر تمہیں اندر داخل ہونے کی اجازت نہ ملے
تو برا نہ مانو۔ بسا اوقات آدمی اپنی طبیعتاً و ضروری کام
کاج سے کسی کی آمد کو گراں تصور کرتا ہے اور اس طرح بار
خاطر بننے سے تعلقات میں بہتری نہیں رہتی اس لئے قرآن
نے کہا ایسے موقع میں تمہارا لوٹ جانا بہتر ہے۔

فان لم تجدوا فیہا احدا فلا تدخلوھا
حتی یؤذن لکم وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھو
ازکی لکم۔ واللہ بما تعملون علیم (سورۃ النور ۲۷)

پھر اگر ان میں کسی کو نہ پاؤ جب بھی بے مالکوں کی
اجازت کے ان میں نہ جاؤ اور اگر تم سے کہا جائے واپس جاؤ
تو واپس ہو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے بہت ستھرا ہے اور اللہ
تمہارے کاموں کو جانتا ہے، اور ایسے پبلک مقامات اور
مکانوں مثلاً سرایا، مسجد، خانقاہ وغیرہ جہاں کوئی خاص
آدمی نہیں رہتا اور نہ کسی قسم کی ممانعت ہے، اور ان جگہوں
میں تمہارے فائدہ کی چیز ہو تو بلا استیذان تمہیں جانے کی
اجازت ہے۔ لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتا
غیر مسکونۃ فیہا متاع لکم واللہ یعلم ما تبدون
وما تکتمون اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان گھروں میں جاؤ
جو خاص کسی کی سکونت کے نہیں اور ان کے برتنے کا تمہیں اختیار
ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

قرآن کریم نے زناکاری اور بدکاری کو حرام قرار دیا ولا تقربوا
الزنا اور ساتھ ساتھ اس برائی کو راہ دینے والی چیزوں میں
سے ایک چیز بدنظری بھی تھی جس کا انسداد ان لفظوں میں کیا کہ
اہل ایمان اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اختیار و ارادہ سے ناجائز
امور کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھیں قل للمومنین یغضوا
من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم ان
اللہ خبیر بما یصنعون۔

مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں
اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ ان کے لئے بہت ستھرا ہے
بے شک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے۔ (سورۃ النور ۲۱)

اور طبقہ نسواں کو بدنگاہی اور زناکاری سے اجتناب کے
حکم کے ساتھ ساتھ کھلی زیبائش اور علانیہ بناؤ سنگھار، خارجی
ٹیپ ٹاپ سے بھی منع کیا اور پردے کا حکم صادر فرمایا، اور
زینت کا اظہار ان ہی لوگوں کے سامنے روا رکھا گیا جو محرم
ہیں جیسے باپ بیٹے، خاوند، بھائی بھتیجے بھانجے اور ان جیسے
عورتیں اور چال وچلن میں یہ احتیاط کا حکم دیا گیا کہ کوئی
ایسی حرکت اور زیور کی آواز نہ ہو جس سے اجنبی لوگوں کو
میلان اور توجہ ہو کیونکہ ایسے امور اور حرکات و سکنات

نفسانی جذبات کے لئے محرک ہوتے ہیں۔ اس لئے قرآن نے ہر قسم کی گندگی اور کثافت سے دور رہنے کی تاکید، ان لفظوں میں کی اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کا حکم بھی دیا گیا کہ توبہ و استغفار کا سلسلہ ہمیشہ قائم و دائم رکھے کیونکہ بشری تقاضوں کے تحت جو لغزشیں بھی ہو جائیں ان کا تدارک توبہ سے کیا جائے وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن الخ (ترجمہ) اور کہدے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنی ستر کو اور نہ دکھلائیں اپنے سنگار۔ مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے، اور ڈالیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر، اور نہ کھولیں اپنا سنگار مگر اپنے خاوند کے آگے یا اپنے باپ کے آگے یا اپنے خاوند کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے آگے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنے عورتوں کے یا اپنے ہاتھ کے مال کے یا کاروبار کرنے والوں کے جو مرد کے کچھ غرض نہیں رکھتے یا لڑکوں کے جنھوں نے ابھی نہیں پہچانا عورتوں کے بھید کو اور نہ مارے اپنے پاؤں زمین پر۔ جانا جائے جو چھپاتی ہے اپنا سنگار اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو تاکہ تم بھلائی پاؤ۔ قرآن کریم نے عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت، اور خوشگوار تعلقات کی تاکید جا بجا کی ہے۔ عورتوں کے ساتھ معاملات میں اخلاق و سلوک حسنہ سے معاملہ رکھو۔ اگر تم کو عورت کی کوئی عادت بھلی اور خوش نہ آئے تو صبر کرو، شاید اس کے اندر کوئی خوبی بھی ہو، اور اللہ نے اس کے اندر تمہارے لئے کوئی دنیاوی یا اخروی منفعت رکھی ہو۔ وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسیٰ آن تکرھوا شیئاً و یجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً (سورہ النساء)

ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے رہو اگر وہ تمہیں نہ پسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو، مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہے"۔

عموماً معاشرہ اور سماج کو باہمی شک ارتیاب میں مبتلا کر دینے والی چیزیں بے بنیاد اور غیر مصدقہ خبریں ہوتی ہیں اور لوگ بغیر تحقیق اور تفتیش کے ان باتوں کو سن کر متاثر ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے سارے معاشرہ میں باہمی اعتماد ختم اور دوستانہ فضا مسموم ہو جاتی ہے۔ اسی لئے قرآن نے کہا جب کوئی شخص تمہارے نزدیک کوئی خبر لائے تو فوراً اس کی باتوں سے متاثر ہو کر کوئی قدم نہ اٹھاؤ۔ مبادا کہ بعد میں تمہیں شرمندگی اور رسوائی کا منہ دیکھنا پڑے یا ایھا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبا الخ (الحجرات) اے ایمان لانے والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر شرمندہ ہو"۔ اور مسلمانوں کے دو فریق آپس میں جھگڑ بیٹھیں تو ان کے درمیان صلح و صفائی کرانے کی کوشش کی جائے۔ یہ نہیں کہ اختلاف کو ہوا دے کر اس خلیج

کو اور وسیع کی جائے اور اگر کوئی شخص کسی پر ظلم و زیادتی کر رہا ہے تو دوسرے خاموش تماشائی نہ بن جائیں بلکہ ظالم کے ظلم سے روکنے کی پوری کوشش کریں یہاں تک کہ وہ ظلم سے ہٹ کر اللہ کے حکم پہ پھر جائیں۔ وان طائفتین من المومنین اقتتلوا الخ (ترجمہ) اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کراؤ، پھر اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس زیادتی والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر پلٹ آئے تو انصاف کے ساتھ ان میں اصلاح کردو اور عدل کرو بے شک اپنے اسلام کا احسان مجھ پہ نہ رکھو۔ قرآن کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی فرد اور جماعت کا مذاق اور ٹھٹا نہ کریں اور کسی کو عیب نہ لگایا جائے اور نہ برے القاب اور ناموں سے یاد کیا جائے، کیونکہ یہ چیز دل شکنی اور باہمی نفرت و عداوت کو ہوا دیتی ہے یا ایھا الذین اٰمنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ الخ (الحجرات ۱۱)

اے ایمان لانے والو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ ان سے اچھے ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ ان سے اچھی ہوں۔ آپس میں ایکدوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ ایکدوسرے کو برے القاب سے یاد کرو، ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے۔ جو لوگ اس سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں، اور اسی معاشرے کے افراد پر امن و اعتماد رہتے ہیں جہاں تہمت اور بدگمانی کا چال چلن نہ ہو اور دوسروں کے عیوب اور خامیوں کی تلاش و تتبع نہ ہو، اور دوسروں کی بدگوئی و غیبت نہ ہو۔ اس لئے قرآن نے ان زرین الفاظ میں تاکید فرمائی۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن الخ (الحجرات ۱۲) اے ایمان لانے والو! بہت گمان کرنے سے بچو! اس لئے کہ کچھ گمان گناہ ہوتے ہیں کسی کا بھید نہ ٹٹولو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تم میں سے کوئی مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کریگا۔ تمہیں خود اس سے گھن آتی ہے۔ اللہ سے ڈرو۔ اللہ بڑا توبہ کرنے والوں پر مہربان ہے۔

حاصل کلام قرآن مجید میں ہم مسلمانوں کے لئے ایک مینارۂ نور ہے، جس کے ذریعہ ہم اپنی دنیا اور عاقبت سنوار سکتے ہیں۔ یہی سبب ہمارے نبی سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری خطبہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر خصوصیت کے ساتھ تاکید فرمائی کہ میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑ چلا ہوں جس کو تم مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔

وما علینا الا البلاغ

حضرت عمر بن الخطاب رضؓ قبیلۂ قریش کی شاخ بنی عدی میں سے تھے۔ ان کی والدہ خسمہ بنت ہشام مخزومی تھیں۔ آنحضرتؐ کی ولادت کے تیرہ سال بعد پیدائش ہوئی۔ ابتدا ہی سے شہامت، جرأت اور حق گوئی میں ممتاز تھے۔ قبول اسلام سے پہلے شہسواری اور پہلوانی میں مشہور تھے۔ انساب قبائل سے واقف تھے، اور قریش کی سفارت کا منصب ان کو حاصل تھا۔ کئی بار شام اور عراق کے بادشاہوں کے پاس سفیر بن کر گئے تھے اور لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ مدینہ میں آکر عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔

ان کے مسلمان ہونے سے اسلام کو بہت تقویت پہنچی۔ جب ہجرت مدینہ شروع ہوئی تو حضرت عمرؓ بیس مسلمانوں کو ساتھ لے کر علانیہ نکلے۔ ہجرت کے بعد آنحضرتؐ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے بعض امور میں حضورؐ کو مشورے بھی دیتے تھے اور کئی بار آیات قرآنی ان کے مشورہ کے مطابق نازل ہوئیں۔ آنحضرتؐ نے ان کے ساتھ اپنا رشتہ بھی قائم کیا اور ان کی بیٹی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضؓ سے نکاح کر لیا۔

بزرگی اور عظمت کے لحاظ سے حضرت ابوبکرؓ کے بعد ان کا درجہ امت میں سب سے بلند ہے۔ جب خلیفہ ہوئے تو ان کی قوت تدبیر اور حسن سیاست سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عظیم الشان شوکت بخشی اور بڑی بڑی سلطنتیں اسلامی جھنڈے کے نیچے آگئیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا ایک ایرانی غلام ابولولو فیروز نے آپؓ کو شہید کر دیا۔ وفات سے قبل اپنے صاحبزادے عبداللہ کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیج کر حضورؐ کے پہلو میں دفن ہونے کی تمنا ظاہر کی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اس جگہ کو میں نے اپنے لئے محفوظ رکھا تھا لیکن حضرت عمرؓ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔ عبداللہ نے واپس آکر خوشخبری سنائی تو فرمایا سب سے بڑی آرزو یہی تھی۔

۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ چہارشنبہ کے روز شام کو وفات پائی۔ دوسرے دن صبح دفن کئے گئے۔ وصیت کے مطابق حضرت صہیبؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ عمر ۶۳ سال کی تھی۔ مدت خلافت دس سال چھ ماہ چار دن تھی۔ (تاریخ الامت دوم)

ذیل میں چند احادیث پیش کی جارہی ہیں جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت و شخصیت اور فضیلت و

عظمت کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ حضرت عمرؓ کا نام فاروق کس نے رکھا تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ بزار اور حاکم سے روایت ہے کہ جب عمرؓ اسلام لائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یا ایھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المومنین۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے انہوں نے کہا جب عمرؓ اسلام لائے تو اسلام کی مثال اس شخص کی طرح تھی جو میدان جنگ میں بڑھ کر حملہ کرنے والا ہو کہ اس کی قوت اور شدت برابر بڑھتی جاتی ہے۔ لیکن جب حضرت عمرؓ شہید کردیئے گئے تو اسلام کی مثال اُس شخص کی سی ہو گئی جو میدان جنگ میں پیٹھ پھیرنے والا ہو کہ اس کا بُعد اور دوری برابر بڑھتی جاتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حضورؐ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ میں نے خواب کی حالت میں دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کئے گئے ان کے جسموں پر قمیص تھیں۔ ان میں سے بعض قمیصیں پستان تک تھیں اور بعض اس سے بھی کم اور حضرت عمرؓ پیش کئے گئے تو ان پر ایسی قمیص تھی جو زمین تک دراز تھی۔ لوگوں نے اس خواب کی تاویل پوچھی تو آپ نے فرمایا اس سے مراد دین ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر حضرت دردا حضرت ابو ہریرہ حضرت بلال اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حق کو حضرت عمرؓ کے دل اور زبان پہ دائر کر دیا۔

عقبہ ابن عامر اور ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی پیغمبر ہوتا، تو حضرت عمرؓ ہوتے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میں شیاطین جن و انس کی طرف جا رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ شیاطین حضرت عمرؓ کو دیکھ کر بھاگ رہے تھے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے، رسول اللہؐ نے فرمایا کہ عمرؓ سے بہتر کسی شخص پہ آفتاب طلوع نہ ہوا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے ایک پیالہ دودھ دیا گیا۔ میں نے خوب سیر ہو کر نوش کیا۔ یہاں تک کہ اس کی ٹھنڈک ناخنوں سے ظاہر ہوئی میں نے محسوس کیا۔ اس کے بعد اپنا باقی مانده میں نے عمر ابن الخطابؓ کو دیا۔ لوگوں نے اس کی تاویل پوچھی۔ آپ نے فرمایا علم۔

طبرانی نے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے کہا کہ ہم برملا کہتے تھے کہ بوقت تکلم حضرت عمرؓ کی زبان سکینت و وقار کا مظہر ہوتی تھی۔

حاکم و طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا کہ ابن مسعود نے کہا کہ اگر حضرت عمر کا علم ترازو کے ایک پلے میں رکھا جائے اور دوسرے تمام اہل زمین کا علم دوسرے پلے میں رکھا جائے تو یقیناً حضرت عمرؓ کا علم سب کے علم پہ بھاری ہوگا۔ لوگوں کو اس بات کا یقین تھا کہ حضرت علمر کو علم کے دس حصوں میں نو حصہ ملا تھا۔

ابن مردویہؒ نے مجاہد سے روایت کیا کہ حضرت عمر کا حال یہ تھا کہ جب وہ اپنی کوئی رائے پیش کرتے تو اسی کے مطابق قرآن نازل ہوتا۔

بخاری و مسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا یا رسول اللہ اگر ہم مقام ابراہیم کو مصلےّ بنا لیتے تو اچھا ہوتا۔ پس آیت نازل ہوئی واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی۔ دوسری بات یہ تھی کہ میں نے کہا یا رسول اللہ آپ کی ازواج مطہرات کے سامنے نیکوکار اور بدکار ہر طرح کے لوگ آتے ہیں، پس اگر آپ انہیں پردہ کا حکم دے دیں تو بہتر ہو۔ پس آیت حجاب نازل ہوئی۔ تیسری بات یہ تھی کہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے اپنی تنگی و عسرت کی شکایت کی اور بہ کچھ مطالبات کئے۔ جس کی تعمیل حضور علیہ السلام سے نہ ہوسکی اور آپ کچھ مغموم ہوئے تو حضرت عمرؓ نے اس موقع پہ کہا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ سے کہے گا کہ آپ اپنی ازواج کو طلاق دے دیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے بہتر ازواج آپ کو عطا کرے گا۔ چنانچہ اسی کے مطابق آیت نازل ہوئی۔ اس کے علاوہ بھی چند امور ہیں جہاں حضرت عمرؓ کی رائے اور آیاتِ قرآنی میں مطابقت ہوئی ہے۔

یہ پہلا واقعہ بدر کے قیدیوں کا ہے جس میں عمرؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا تھا۔ پس اللہ نے اسی کے مطابق آیت نازل کی۔

دوسرا واقعہ تحریم خمر کا ہے، اصحاب سنن اور حاکم نے روایت کیا کہ حضرت عمرؓ نے کہا اے خداوندا! تو شراب کے بارے میں کافی و شافی بیان عنایت فرما۔ پس اللہ نے اس کی حرمت کی آیت نازل فرمائی۔ (انشاء عقائد ذوقی)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز گھر سے باہر نکل کر مسجد تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہ ابوبکرؓ و عمرؓ بھی تھے۔ ایک آپ کی داہنی جانب تھے اور دوسرے بائیں جانب اور آپ ان دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے اسی حالت میں آپ نے فرمایا کہ ہم تینوں قیامت کے دن اسی طرح اٹھیں گے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کے دو دو وزیر آسمان والوں سے ہوتے ہیں اور دو دو وزیر زمین والوں میں سے۔ میرے دو وزیر آسمان والوں میں سے جبرئیل و میکائیل ہیں۔ اور دو وزیر زمین والوں میں سے ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اعمال کی مقبولیت کا انحصار اخلاص پر ہے

از سید قدیر حسینی ترپاتور متعلم زمرۂ خامسہ دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

اسلام کی پہلی تعلیم یہ ہے کہ اس کے متبعین جو بھی عمل صالح کریں وہ ہر طرح کی دنیوی غرض ومنفعت، شرک و نفاق، ریا وسمعت اور نام ونمود سے بالکل پاک و صاف اور تمام اعمال صالحہ اور افعال حسنہ کا مطمح نظر اللہ کی رضا وخوشنودی اور ثواب آخرت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر اخلاص وللہیت کی تاکید کی گئی۔

سورۃ البینہ میں ارشاد ہوا وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفآء ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکات وذالک دین القیمہ۔ اور ان کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں، بندگی اسی کے لئے ہو۔ ایک طرف کے ہوکر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہ سیدھا دین ہے۔ اور رسول کریم صلعم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے لئے کوئی عمل کیا اور اس میں میرے سوا دوسرے کو شریک کیا تو میں اس سے بری ہوں۔ وہ عمل اسی کے لئے جس کے لئے رہ گیا گیا۔

دنیائے تصوف کے مشہور عالم بزرگ حضرت فضیل نے کہا۔ لوگوں کی وجہ سے عمل ترک کرنا ریا ہے اور لوگوں کے لئے عمل کرنا شرک، اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ ہمیں ریا اور شرک دونوں سے بچائے۔

حضرت ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ اللہ کی طاعت وعبادت سے صرف اس کا تقرب مقصود ہو۔

ایک اور صاحب دل بزرگ نے فرمایا مومن اپنے سارے افعال خیر اور اعمال صالحہ میں ہمیشہ اللہ کے فضل پر نظر رکھے۔

ایک مرتبہ حضورؐ نے صحابہ سے فرمایا مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ شرک اصغر کا ہے۔ ارشاد فرمایا یعنی لوگوں کے دکھاوے کے لئے کوئی نیک کام کرنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن کا کوئی عمل بھی ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ جس میں نام ونمود اور ریا کی آمیزش ہو چنانچہ بہت سے اعمال صالحہ محض ریا وسمعت اور عدم اخلاص کی وجہ سے وبال جان اور ہلاکت کا باعث بن جاتے ہیں۔ مسلم کی ایک طویل حدیث ہے جس میں ریاکار عالم، عابد شہید اور سخی کا حسرت ناک انجام بتلایا گیا ہے۔

اس حدیث میں تذکیر وعبرت کا پہلو یہ ہے کہ

علم، عبادت، جہاد اور سخاوت جیسے اعلیٰ درجہ کے اعمالِ صالحہ جب ریا و سمعت سے آلودہ ہوگئے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی اعمال اس قدر قبیح اور بُرے بن جاتے ہیں کہ سارے گناہ گاروں سے پہلے ریاکار عالم، عابد، شہید اور سخی کو جہنم میں پھینک دے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب سے پہلا شخص جس کے خلاف قیامت کے دن (دوزخ میں ڈالے جانے کا) فیصلہ عدالتِ خداوندی کی طرف سے دیا جائے گا ایک آدمی کا (جو میدانِ جہاد میں) شہید کیا گیا ہوگا۔ یہ شخص خدا کے سامنے لایا جائے گا۔ پھر خداوند تعالیٰ اس کو بتائے گا کہ میں نے تجھے کیا کیا نعمتیں دی تھیں، وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا بتا ان نعمتوں سے کیا کام کیا (اور کن مقاصد کے لئے ان کو استعمال کیا) وہ کہے گا (میں نے آخری عمل یہ کیا ہے) کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا۔ (اور اس طرح میں نے سب سے عزیز اور قیمتی چیز اپنی جان بھی تیری راہ میں قربان کر دی) اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو نے تو جہاد میں حصّہ اس لئے اور اس نیت سے لیا تھا کہ تیری بہادری کے چرچے ہوں سو (تیرا یہ مقصد حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیری بہادری کے چرچے ہو گئے۔ پھر اس کے لئے خداوندی حکم ہوگا اور وہ اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ایک دوسرا شخص ہوگا جس نے علم دین حاصل کیا ہوگا اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دی ہوگی اور قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا، اس کو بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی بخشی ہوئی نعمتیں بتائے گا۔ وہ سب کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا۔ بتا تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام کیا (اور ان کو کن کن مقاصد کے لئے استعمال کیا) وہ کہے گا خداوندا! میں نے دین کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا، اور آپ ہی کی رضا کے لئے آپ کی کتاب پاک قرآن میں مشغول رہا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ بات جھوٹ کہی۔ تو نے علم دین اس لئے حاصل کیا تھا اور قرآن تو اس لئے پڑھتا تھا کہ تجھ کو عالم وقاری اور عابد کہا جائے سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیرے عالم وعابد اور قاری قرآن ہونے کا چرچا خوب ہو لیا۔ پھر اُس کے لئے بھی خداوند تعالیٰ کا حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اس کے ساتھ تیسرا شخص ہوگا، جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھرپور دولت دی ہوگی، اور ہر طرح کا مال اس کو عطا فرمایا ہوگا وہ بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں بتلائے گا (کہ میں نے دنیا میں تجھے یہ یہ نعمتیں دی تھیں، وہ سب کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے

بھی پوچھے گا کہ تو نے میری ان نعمتوں سے کام لیا (اور ان کو کن مقاصد کے لئے استعمال کیا) وہ عرض کرے گا خداوند جس جس راستہ میں اور جن جن کاموں میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے میں نے تیرا دیا ہوا مال ان سب ہی میں خرچ کیا ہے اور صرف تیری رضا جوئی کے لئے خرچ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ جھوٹ کہا۔ درحقیقۃ یہ سب کچھ تو نے اس لئے کیا تھا کہ دنیا میں تو سخی مشہور ہو (اور تیری فیاضی اور داد و دہش کے چرچے خوب ہوں سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو گیا اور دنیا میں تیری فیاضی اور داد و دہش کے چرچے خوب ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے بھی حکم ہو گا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے دوزخ میں ڈال دیا جائیگا۔

حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ایک حکایت لکھی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد ایک طویل مدت سے عبادت میں مشغول تھے۔ کچھ لوگ ان کے پاس آئے اور کہا کہ یہاں کے کچھ لوگوں نے ایک درخت کی پوجا شروع کر دی ہے۔ یہ سن کر ان کو غصہ آیا۔ کلہاڑی اپنے کندھے پر رکھی اور اس درخت کو کاٹنے کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ راستے میں شیطان ایک بوڑھے آدمی کی شکل میں ملا۔ اس نے کہا اللہ تم پر رحم کرے کہاں چلے۔ انہوں نے کہا اس درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا بھلا آپ کو اس سے کیا تعلق آپ نے کیوں اپنی عبادت ریاضت ترک کی اور کسی دوسرے کام کے لئے اپنے کو فارغ کیا۔ انہوں نے کہا یہ کام بھی میری عبادت ہی کا حصّہ ہے۔ اس جواب کے بعد اس نے کہا میں تمہیں یہ درخت نہیں کاٹنے دوں گا۔ یہ لڑنے پر تیار ہو گیا۔ عابد نے اس کو پکڑ کر پچھاڑ دیا اور اس کے سینے پر بیٹھ گئے۔ تب اس نے کہا مجھے چھوڑ دو۔ میں تم سے کچھ اور گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ عابد نے اسے چھوڑ دیا۔ ابلیس نے کہا اے جناب! اللہ نے اس درخت کو کاٹ ڈالنا آپ پر فرض نہیں کیا ہے۔ آپ خود اس درخت کی عبادت نہیں کر رہے ہیں دوسروں کے عمل کی آپ پر کوئی ذمّہ داری نہیں۔ اللہ اپنے انبیاء بھیجتا رہتا ہے اگر وہ چاہے تو یہاں ایک نبی بھیج دے اور انہیں اسے کاٹنے کا حکم دے۔

اس کے بعد پھر عابد نے کہا۔ میں اس کو ضرور کاٹوں گا ابلیس پھر جنگ پر آمادہ ہو گیا اور عابد نے اُسے پھر پچھاڑ دیا اور اس کے سینے پر جا بیٹھا۔ اب ابلیس عاجز ہو گیا اور اس نے کہا کیا آپ ایک فیصلہ کن بات نہ سنیں گے؟ جو آپ کے لئے بہت نفع بخش ہے۔ عابد نے پوچھا وہ کیا ہے۔ اس نے کہا مجھے چھوڑیئے تو بتاؤں۔ عابد نے اس کے سینے سے نیچے اُتر آئے۔

اُس نے کہا (یہی ابلیس کا آخری حربہ تھا) آپ ایک محتاج آدمی ہیں۔ آپ کے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ ان دوسرے لوگوں پر بوجھ بنے ہوئے ہیں جو آپ کی کفالت

کرتے نہیں اور شاید آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ آپ کو اپنے احباب پر فضیلت حاصل ہو، اپنے پڑوسیوں کی مدد کریں۔ خود آسودہ ہوں اور دوسرے لوگوں سے بے نیاز ہو جائیں۔ اس کے بدلے میں مجھ پر آپ کا یہ دین ہوگا کہ روزانہ رات کے وقت آپ کے سر کے پاس دو دینار رکھ دوں۔ صبح اٹھ کر آپ اسے لے لیں اور ان کو اپنے اوپر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کریں۔ اس کے علاوہ اپنے احباب پر صدقہ دیں۔ یہ آپ کے لئے اور دوسرے مسلمانوں کے لئے اس درخت کو کاٹنے سے بہتر ہے کہ آپ ایک درخت کو کاٹیں گے تو اس کی جگہ لوگ دوسرا درخت لگا دیں گے اور اس درخت کو کاٹ ڈالنے سے انکو نقصان نہیں پہنچے گا اور نہ اس سے دوسرے مسلمانوں کو فائدہ ہوگا۔ ابلیس کا یہ تیر نشانے پر لگا۔ عابد سوچنے لگا اور دل میں کہا کہ نبی نہیں ہوں کہ مجھ پر اس درخت کو کاٹ ڈالنا لازم ہے نہ اللہ نے مجھے اسے کاٹنے کا حکم دیا ہے، کہ میں نہ کاٹوں تو گنہگار ہو جاؤں گا اور اس بوڑھے نے جو بات کہی وہ زیادہ فائدہ مند ہے۔ اس کے بعد ابلیس نے اپنے وعدے کو پورا کرنے کی قسم کھائی اور عابد اپنے گھر لوٹ گیا۔ صبح کو اس نے اپنے سر کے پاس دو دینار دیکھے، اس نے اس کو اٹھا لیا۔ دوسری اور تیسری صبح کو بھی دینار رکھے ہوئے ملے۔ لیکن اس کے بعد دینار رکھے ہوئے نہیں ملے۔

اب تو اس کو بہت غصہ آیا اور کلہاڑی اپنے کندھے پر رکھ کر نکلا۔ ایک بوڑھے کی شکل میں شیطان پھر ملا۔ اس نے پوچھا کہاں چلے۔ جواب ملا اس درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا تم جھوٹے ہو۔ بخدا تم اُسے کاٹنے پر قادر نہیں ہو اور نہ تم اس تک پہنچ سکتے ہو۔

یہ سن کر عابد نے پہلے کی طرح اس کو پکڑ کر پچھاڑ کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ عابد اس کے قدموں کے درمیان ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے چڑیا اس نے دھمکی دی کہ اگر تم اس درخت کو کاٹنے سے باز نہ آئے تو میں تم کو ذبح کر دونگا۔ عابد نے محسوس کیا کہ اس میں مقابلے کی طاقت نہیں ہے، کیا تم مجھ پر غالب آ گئے، مجھے چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ پہلے میں کیوں تم پر غالب آ گیا تھا اور اب تم کیوں مجھ پر غالب آ گئے۔ ابلیس نے کہا پہلی دفعہ تمہارا غصہ خالصۃً اللہ کے لئے تھا، اور تمہاری نیت آخرت میں ثواب حاصل کرنے کی تھی۔ اس لئے اللہ نے تمہارے مقابلہ میں مجھے مغلوب کر دیا اور اس دفعہ تمہارا غصہ اپنے نفس اور دینار کے لئے ہے۔ اس لئے میں نے تم کو پچھاڑ دیا ـــــ واقعہ یہ ہے کہ آدمی اخلاص کے بغیر شیطان سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔

اخلاص ہمارے دین اور ہمارے اعمال و افعال کی رُوح ہے اور دنیا و آخرت کی ساری بھلائیاں خوبیاں اور نعمتیں و سعادتیں اسی سے وابستہ ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

از

منیر احمد منیر بی ٹی ایم

زمیلی شیور ڈسٹرکٹ

متعلم زمرہ خامسہ

دار العلوم لطیفیہ

ارشادِ خداوندی :

قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفور الرحیم۔ قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین

(آل عمران)

اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم !

فرمادیجیے کہ اے مسلمانو ! اگر تم خدا کی محبت کے آرزومند ہو تو میری اتباع اور اطاعت کرو، اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنالیگا اور تمہارے گناہ بخش دیگا اللہ غفور اور رحیم ہے، تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا، پھر اگر وہ روگردانی کریں، تو اللہ کافروں سے محبّت نہیں رکھتے ہیں۔

یہاں آیتِ طیبہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت رکھنے کا حکم دینے کے بجائے آپ کی اتباع و پیروی کا حکم دیا جارہا ہے کیونکہ اگر محبت کا حکم دیا جاتا تو سوال پیدا ہوتا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح محبت کی جائے اور یہ کیسے سمجھا جائے کہ ہمیں آپ سے محبت ہے اس لئے اللہ نے عشقِ رسول ؐ کا معیار اتباع وطاعت قرار دیا کیونکہ جو شخص آپ سے محبّت رکھے گا وہ یقیناً آپ کی اتباع و پیروی بھی کرے گا۔ یہ ناممکن ہے کہ محبوب سے محبت کا اظہار ہو اور اس کی مرضی کے خلاف عمل ہو۔ بلکہ عشق ومحبت کا تقاضا یہی ہے کہ محبوب کی مرضی اور اس کی پسند کے آگے اپنی کوئی مرضی نہ ہو۔

اسبابِ نزول

علامہ سیوطی اپنی کتاب "لباب النقول فی اسباب النزول" میں لکھتے ہیں، لوگوں نے کہا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، بخدا ہم اپنے رب جلیل سے محبت رکھتے ہیں تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

علامہ ابن جوزی نے مذکور الصدر آیت کے چار اسباب بیان کیا ہے :-

پہلا یہ کہ قریش بتوں کی عبادت اور ان کو سجدہ کرتے تھے۔ حضور اکرم ؐ نے قوم قریش سے کہا اے لوگو ! تم نے اپنے باپ حضرت ابراہیم کے دین کو پس پشت ڈال دیا ہے، تو قوم قریش نے جواب دیا اے محمد ؐ ہم ان بتوں سے محبت اور ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں تاکہ ہمیں خدا سے قریب تر کردیں۔ اس پر یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

دوسرا یہ کہ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے احباء ہیں تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

تیسرا یہ کہ لوگوں کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم اپنے رب سے بہت محبت کرتے ہیں اور خدائے تعالیٰ ان بتوں کی عبادت کو اپنی محبت کی ایک نشانی بنایا ہے تو اس پر آیت طیبہ کا نزول ہوا۔ چوتھا یہ کہ نجران کے نصاریٰ کا دعویٰ تھا اور کہا کرتے تھے عیسیٰ کی تعظیم میں اللہ کی محبت اور تعظیم ہے تو اس آیت کا نزول ہوا۔

علامہ ابن جوزی آیت قل اطیعوا اللہ والرسول کا سبب نزول یہ بتلائے ہیں کہ عبداللہ بن اُبی (منافق) نے اپنے ساتھیوں سے کہا محمدؐ اپنی اتباع و طاعت کو طاعت اللہ کے مثل و مانند قرار دیتے ہیں اور ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم ان سے محبت کریں جیسے نصاریٰ عیسیٰ بن مریم سے محبت کرتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اعتقاد رسالت اور اتباع رسولؐ کا وجوب بیان کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جس طرح انکار توحید کفر ہے اسی طرح انکار رسالت و اتباع رسول بھی کفر ہے، اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ قریش اور تمام انسانوں اور خاص کر ان لوگوں سے کہہ دیجئے جو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں ان کا دعویٰ حب اللہ اس وقت تک قابل تسلیم نہیں جب تک کہ وہ جمیع اقوال و افعال میں رسول اللہ کی اطاعت و پیروی نہ کریں۔ اس لئے کہ اطاعت رسولؐ ہی میں اطاعت اللہ مضمر ہے اور معصیت اللہ معصیت رسولؐ پہ موقوف ہے۔

قرآن کریم نے تصریح کی، جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے خدا کی طاعت کی من یطع الرسول فقد اطاع اللہ زبان نبوت سے ارشاد فرمایا فمن کان اللہ ورسولہ احب مما سواھا وجد حلاوۃ الایمان جس انسان کے پاس ہر چیز کے ماسوا اللہ اور اس کے رسول زیادہ محبوب ہیں تو وہی ایمان کی لذت و حلاوت پا گیا۔

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل کو بلا کر کہتے ہیں، میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، تو جبرئیل اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر جبرئیلؑ آسمان والوں کو بلا کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت رکھتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔

پھر اس شخص کو زمین والوں کے نزدیک مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو ناپسند کرتے ہیں تو جبرئیلؑ کو بلا کر کہتے ہیں کہ میں فلاں کو ناپسند کرتا ہوں تم بھی اسے ناپسند رکھو تو جبرئیل اسے ناپسند کرتے ہیں، پھر جبرئیل آسمان والوں کو بلا کر کہتے ہیں اللہ تعالیٰ فلاں کو ناپسند کرتا ہے تم بھی اسے ناپسند رکھو تو آسمان والے بھی اسے ناپسند رکھتے ہیں۔ پھر اس شخص کو زمین والے بھی ناپسند رکھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں حب اللہ سے مراد خیر خواہی
اور حصول ثواب ہے اور حب الملئکہ سے مراد اس کے لئے استغفار
اور خیر خواہی اور مطیع اللہ اور حب اللہ کی وجہ سے اپنے
قلوب اس کی طرف مائل کرنا ہے اور حب العباد سے مراد اعتقاد
خیر اور حتی الامکان اس سے شر کو دفع کرنا ہے۔

محبت تین قسم کی ہے الٰہی، روحانی اور طبعی۔
اللہ کی محبت اپنے بندے سے الٰہی ہے اور جبرئیل اور ملائکہ کی
محبت روحانی ہے اور لوگوں کی محبت طبعی ہے۔

حب رسولؐ سے مراد وہ محبت جو حقیقی و سچی و اختیاری
ہو اور آپ کے ہر فعل و سنت و اخلاق و آداب نوافل و تطوعات
اور خورد و نوش، لباس و حسن معاشرت، نیز آداب کاملہ و
اخلاق طاہرہ اور اعتنا بمعرفت پر عمل پیرا ہو۔

حضرت سہل التستری حب اللہ اور حب القرآن کی
یہ علامت تبلاتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
سچی و حقیقی محبت رکھے اور آپ کی سنت کو اپنی زندگی کا آئینہ
بنائے اور حب السنۃ کی علامت حب الآخرت ہے۔ اور آخرت
کی محبت کی نشانی دنیا سے بغض اور بے رغبتی برتنا ہے، اور
بغض دنیا کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں دنیا سے
کوئی چیز ضرورت سے زاید نہ لے اور نعمہائے دنیا سے، اور
اس کے لذائذ سے بیزار ہونا چاہئے۔ اور دنیا کی کوئی
نعمت بھی عشق رسول پر غالب نہ ہو۔ بلکہ دنیا کی ساری
نعمتوں پر اللہ اور رسولؐ کی محبت غالب ہو جیسا کہ قرآن کریم
کا فرمان ہے قل ان کان اٰباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم و ازواجکم
و عشیرتکم و اموال ناقترفتموھا و تجارۃ تخشون
کسادھا و مسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و
رسولہ و جہاد فی سبیلہ فتربصوا حتیٰ یاتی اللہ
بامرہ، واللہ لا یھدی القوم الفٰسقین ۝ (توبہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے اگر تمہارے
باپ اور اولاد بھائی اور تمہاری بی بیاں اور تمہارا کنبہ
اور وہ مال جو تم نے کمایا ہے اور وہ تجارت جس میں نکاسی
ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جس کو تم پسند کرتے
ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد
کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ رب
جلیل اپنا حکم بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ان کے
مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

کچھ لوگوں کو والدین اولاد اور بھائیوں بہنوں،
اور مال و جائداد اور خوشنما مکانات کی محبت نے ہجرت
مدینہ کے فرض کی ادائیگی میں تاخیر اور پس و پیش میں مبتلا
کردیا تو اس آیت کا نزول ہوا۔

حضرت حسن بصری نے فرمایا اس جگہ حکم سے مراد
حکم عذاب ہے کہ دنیوی تعلقات پر اخروی تعلقات کو قربان
کرکے ہجرت نہ کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا حکم عذاب
عنقریب آنے والا ہے۔ یا تو دنیا ہی میں ان پر عذاب ہی
آئے گا ورنہ آخرت کا عذاب تو یقینی ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ متفق علیہ

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اپنے باپ اور بیٹے اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی محبت اپنے بیٹے اور باپ اور تمام لوگوں سے ہوتی ہے لیکن رسول اللہ کی محبت ان سے بھی زیادہ ہونی چاہئے بلکہ ضروری ہے کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس رہے جیسا کہ ارشاد نبی ہے عن سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ انہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانت یارسول اللہ احب الی من کل شیئ الا من نفسی ۔ حتیٰ اکون احب الیہ من نفسک فقال لہ عمر فانک الآن واللہ لانت احب الی من نفسی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الآن یا عمر۔

م والذی نفسی بیدہ لا یومن احدکم

سیدنا عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ آپ میرے نزدیک میرے نفس کے علاوہ تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ تو رسول اللہ نے فرمایا۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جب تک میں تمہارے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ عمرؓ نے کہا اللہ کی قسم یارسول اللہؐ آپ میرے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ الآن یا عمر۔ ہاں اب اے عمر! میں تمہارے نزدیک زیادہ محبوب ہوں۔

قاضی بیضاوی نے فرمایا۔ محبت سے مراد اس جگہ اختیاری محبت ہے۔ غیر اختیاری اور طبعی محبت نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اس کی طاقت و اختیار سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ محبت کا اعلیٰ مقام یہی ہے کہ محبت طبیعت پر بھی غالب آجائے اور محبوب کے حکم کی تعمیل کی لذت تلخی و کاوش کو بھی لذیذ ترین بنا دے۔

عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال۔ ثلث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما وان یحب المرء لا یحبہ الا اللہ۔ وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں پائی جائیں اس کو ایمان کی حلاوت حاصل ہوجاتی ہے۔ وہ تین خصلتیں یہ ہیں۔ پہلا یہ کہ اس کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول ہر چیز کے ماسوا زیادہ محبوب ہوں۔ دوسرا یہ کہ وہ کسی بندہ سے

بھی صرف اللہ ہی کے لئے محبت رکھے۔

تیسرا یہ کہ کفر و شرک اس کو آگ میں ڈالے جانے کے مساوی محسوس ہو۔

اس حدیث شریف میں حلاوت ایمان سے مراد محبت کا یہی مقام ہے جو انسان کے لئے ہر مشقت و تکلیف کو لذیذ ترین بنا دیتا ہے۔

ع از محبت تلخہا شیریں شود

شعر: واذا حلت الحلاوت قلبا
نشطت فی العبادۃ الاعضاء

قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ حب اللہ اور حب رسول کا یہ مقام ایک نعمت کبریٰ ہے مگر یہ نعمت کبریٰ صرف اللہ والوں کی صحبت و معیت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

اس لئے صوفیائے کرام اس نعمت کبریٰ کو خدمت مشائخ سے حاصل کرنا لازمی قرار دیتے ہیں۔

قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ رسول اللہ کی سنت و شریعت کی حفاظت اور اس میں رخنے ڈالنے والوں کی مدافعت بھی اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی ایک کھلی نشانی ہے۔

وجوب طاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

بہت سی قرآنی آیات اور احادیث وجوب طاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع اوامر و اجتناب نواہیہ اور پیروی اخلاق و افعال پر دلالت کرتی ہیں۔

چنانچہ طاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وجوب درجۂ ذیل آیات سے ملتا ہے:-

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور الرحیم (آل عمران)

اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ اے مسلمانو اگر تم خدا کی محبت کے آرزومند ہو تو میری اتباع اور اطاعت کرو، اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا۔ اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کر دیگا۔ اللہ غفور و رحیم ہے۔

فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما (النساء)

اے محبوب، تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں، پھر جو کچھ آپ انہیں حکم فرمائیں اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور اس کو بسرو چشم تسلیم کر لیں۔

(۳) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر و ذکر اللہ کثیراً۔ بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔ اس کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔

اس سے پتہ چلا کہ رسول اللہ کی زندگی شریف

سارے انسانوں کے لئے نمونہ ہے جس میں زندگی کا کوئی شعبہ باقی نہیں رہتا۔

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون۔ (انفال)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور سن کر اس سے روگردانی مت کرو۔

ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا۔

حضرت امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں، عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا یا رسول اللہ آپ میرے نزدیک میرے نفس اور میرے اہل و عیال سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ جب میں گھر پہ ہوتا ہوں جب کبھی آپ کی یاد آتی ہے تو میں صبر سے باہر ہو جاتا ہوں یہاں تک کہ میں آپ کو نہ دیکھ لوں۔ جب میں اپنی اور آپ کی وفات کا خیال کرتا ہوں تو اس سوچ میں مبتلا ہو جاتا ہوں کہ آپ جنت میں انبیاء کے ساتھ ہوں گے اور میں جب جنت میں داخل کیا جاؤنگا تو مجھے ڈر ہے کہ میں آپ کو نہیں دیکھ سکوں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ اس آیت کا نزول ہوا:

ومن یطع اللہ والرسول الخ (النساء)

(ترجمہ) جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو انہیں ان کی صحبت نصیب ہوگی۔) اللہ تعالیٰ جن لوگوں پر اپنا فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء، اور نیک لوگ یہ سب کیا ہی اچھے دوست ہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم۔ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب (حشر)

لوگو! جو کچھ تمہیں رسول اللہ عطا فرمائیں، وہ لے لو، اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ وانہ الیہ تحشرون (الانفال)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جبکہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے، جو تمہیں زندگی بخشتی ہے اور جان لو اللہ انسان اور اس کے درمیان حائل ہے اور اس کی طرف تم سمیٹ لے جاؤ گے۔

احادیث شریفہ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا وجوب

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن النبی

صلی اللہ علیہ وسلم قال: ثلث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما وان یحب المرء لا یحبہ الا اللہ۔ وان یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللہ منہ کما یکرہ ان یقذف فی النار۔

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں پائی جائیں تو اس کو ایمان کی حلاوت حاصل ہو جاتی ہے۔

ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اس کے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں' دوسرا یہ کہ وہ کسی اللہ کے بندہ سے صرف اللہ ہی کے لئے محبت رکھے۔ تیسرا یہ کہ کفر و شرک اس کو آگ میں ڈالے جانے کے برابر محسوس ہو۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ علیہ وسلم قال۔ کل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابیٰ قالوا یا رسول اللہ ومن یابیٰ قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابیٰ۔

حضرت ابی ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا ہر فرد جنت میں داخل ہوگا، سوائے منع کے صحابہ نے سوال کیا کون منع کرتا ہے جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل کیا جس نے میری نافرمانی کی وہ منع کیا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں ہے۔

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ارادہ اور اس کے نفس کا میلان میری لائی ہوئی رسالت کا تابع نہیں ہو جاتا۔

حاصل کلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس ہی باعثِ کائنات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا:

اے محبوب! اگر آپ پیدا نہ کئے جاتے تو اس کائنات کی تخلیق بھی نہ ہوتی، تو معلوم ہوا کہ ذات رسالت مآب ہی معیارِ حق و باطل ہے۔ آپ ہی پر ایمان اور عشقِ صادق اور اتباع کامل و طاعت مکمل ہی سے دنیوی فلاح اور اخروی نجات نصیب ہو سکتی ہے۔

محبت اور طاعت کی سند لا' باریابی کو
کہ اس در پہ فلاں ابن فلاں دیکھا نہیں جاتا

از جناب نیر ربانی ایم۔اے مدرس دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور

نگاہوں میں ہے جلوہ زارِ مدینہ
فضائے مدینہ، بہارِ مدینہ

نہ بھولوں گا لیل و نہارِ مدینہ
ہے آنکھوں میں اب تک دیارِ مدینہ

ابھی ہوں بہت بے قرارِ مدینہ
الٰہی! دکھا پھر بہارِ مدینہ

ہے ایماں کا منبع، ہدایت کا مرکز
ہے کعبہ کا کعبہ دیارِ مدینہ

مرا دل فدا ہو، مری جان قرباں
مری زندگی ہو نثارِ مدینہ

ہے کیا حشر کا ڈر شفاعت کریں جب
ہمارے لئے تاجدارِ مدینہ

شفایاب ہوتے ہیں بیمارِ الفت
دوا ہے شفا ہے غبارِ مدینہ

وہ نورِ خدا ہیں، وہ شمعِ ہدیٰ ہیں
شہ دو جہاں تاجدارِ مدینہ

یہی آرزو ہے مرے دل میں نیّر
بنے میرا مدفن غبارِ مدینہ